اُردو میں
بچوں کے ادب
کی انتھولوجی

مرتب
مناظر عاشق ہرگانوی

www.taemeernews.com

اردو میں بچوں کے ادب کی اینتھولوجی

مرتب

مناظر عاشق ہرگانوی

ساہتیہ اکادمی

www.taemeernews.com

ہم ان تمام مصنفین اور شعراء کے شکر گزار ہیں جن کی نگارشات زیرِ نظر انتھالوجی میں شامل ہیں۔ باوجود تمام تر سعی کے بعض مصنفین / شعراء کے پتے دستیاب نہیں ہو سکے اور بعض نے ہمارے خطوط کا جواب دینے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ ایسے تمام اشخاص سے گزارش ہے کہ ضابطے کی کارروائی اور معاوضے کی ادائیگی کے لیے ساہتیہ اکادمی سے رابطہ قائم کریں۔

www.taemeernews.com

Urdu men bachchon ke adab ki Anthology **:** An anthology of Urdu writings for children compiled and edited by Manazir Ashiq Harganvi. Sahitya Akademi, New Delhi (2002), Rs. 200.

© ساہتیہ اکادمی

پہلا ایڈیشن : ۲۰۰۲ء

ساہتیہ اکادمی

ہیڈ آفس :

رویندر بھون۔ ۳۵ فیروز شاہ روڈ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

سیلز آفس :

'سواتی'، مندر مارگ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

علاقائی دفاتر:

جیون تارا بھون، ۲۳ اے/ ۴۴ ایکس، ڈائمنڈ ہاربر روڈ، کولکاتا ۷۰۰۰۵۳

۱۷۲، ممبئی مراٹھی گرنتھ سنگھر اے مارگ، دادر، ممبئی ۴۰۰۰۱۴

سینٹرل کالج کیمپس، ڈاکٹر بی۔ آر۔ امبیڈکر ویدھی، بنگلور ۵۶۰۰۰۱

سی۔ آئی۔ ٹی۔ کیمپس، ٹی۔ ٹی۔ ٹی۔ آئی۔ پوسٹ، تارامنی، چنئی ۶۰۰۰۱۳

قیمت : ۲۰۰ روپے

ISBN81-260-1017-7

Website : http://www.sahitya-akademi.org

کمپیوٹر کمپوزنگ: محمد سالم ۲۷/۳۱۶ ترلوک پوری، دہلی ۱۱۰۰۹۱

طباعت : کلر پرنٹر، دلی ۱۱۰۰۳۲

www.taemeernews.com

فہرست

پہلی بات:	مناظر عاشق ہرگانوی	۱۱
مضامین:		۲۷
سرخاب	اعظم شاہ خاں	۲۹
ہمارا قومی پرندہ مور	اندر جیت لال	۳۱
وائرس کیا ہے	تابش قمر	۳۳
کمپیوٹر	توصیف الحسن	۳۵
رکشابندھن	جاوید وششٹ	۴۰
کلوروفارم	خسرو متین	۴۲
تعلیم وتربیت	سرسید احمد خاں	۴۴
کیسے ہوتا ہے سورج گرہن	سکندر صدیقی	۴۶
اردو ہماری زبان	گوپی چند نارنگ	۴۸
اجنتا اور ایلورا	مبارز الدین رفعت	۵۸
سنیما، ریڈیو، ٹیلی ویژن	محمد بدیع الزماں	۶۱
لوہے کی پتی کا کھیل	محمد عارف نیاز	۶۴

www.taemeernews.com

پلس پولیو	مشتاق کریمی	۶۶
چاکلیٹ	نہال احمد	۶۸
گاندھی جی کے اصول	مینا جوگن	۷۰

کہانیاں ۷۳

نادان دوست	پریم چند	۷۵
جھوٹے سچے خواب	جیلانی بانو	۷۹
پتھر کی مورتی	حامدی کاشمیری	۸۴
دُم کٹ گئی	حیات اللہ انصاری	۸۷
تین لڑکے تین کتابیں	خواجہ احمد عباس	۹۳
خاک بیتی	خواجہ حسن نظامی	۹۷
آخری قدم	ذاکر حسین	۱۰۰
کہانی کا ہیرو کون تھا؟	رام لعل	۱۰۴
داروغہ جی	رتن ناتھ سرشار	۱۰۸
صحبت کا اثر	رضوان احمد	۱۱۲
تکمی	رفعت سروش	۱۱۴
بوتل کے قیدی	سراج انور	۱۱۷
چالاک عورت	سہیل عظیم آبادی	۱۲۵
مساوات کا گیت	شانتی رنجن بھٹا چاریہ	۱۲۹
کلو اور چور	شکیل الرحمٰن	۱۳۱
سفید جھوٹ	عصمت چغتائی	۱۳۳
دو دوست	عفت موہانی	۱۳۸
بوڑھا سلطان	فراق گورکھپوری	۱۴۳
ایک پرانی کہانی	قرۃ العین حیدر	۱۴۶
سبز پری	کرشن چندر	۱۴۸

www.taemeernews.com

بادشاہ کا تاج	کوثر چاندپوری	۱۵۴
پنچ تنتر اور جاتک: چند کہانیاں	گوپی چند نارنگ	۱۵۸
ایک اور ایک گیارہ	مالک رام	۱۶۷
شکاری کی توبہ	مسرور جہاں	۱۶۹
جانور کا نام	مشتاق اعظمی	۱۷۴
علاج	مناظر عاشق ہرگانوی	۱۷۷
کھانوں کی بارات	مہدی جعفر	۱۷۹
لال بجھکڑ	نسیم انہونوی	۱۸۴
چھپی ہوئی دولت	واجدہ تبسم	۱۸۶

منظوم کہانیاں: ۱۹۰

ایک منظوم کہانی	عادل رشید	۱۹۲
بوسکی کی گنتی	گلزار	۱۹۵

ڈرامے ۲۰۴

دو آدمی	اظہر افسر	۲۰۶
بنگال کا جادو	جگن ناتھ آزاد	۲۱۱

طنز و مزاح ۲۲۲

اب تب اور اب نہ تب	احمد جمال پاشا	۲۲۴
درختوں کے آگے	راجہ مہدی علی خاں	۲۲۶
نور چشم	رضا نقوی واہی	۲۲۷
دھڑاپا	سرور جمال	۲۲۹
کرکٹ، ہماری، آپ کی	شفیقہ فرحت	۲۳۲
ہرفن مولا	کنہیالال کپور	۲۳۵

www.taemeernews.com

کدو عرف لوکی	یوسف ناظم	۲۴۰

سفر نامہ ۲۴۴

لندن اردو کا نیا گہوارہ	گوپی چند نارنگ	۲۴۶
عدلیس ابابا اور ویزا کا چکر	محمد امین	۲۵۷

نظمیں ۲۶۱

مرغ اور موتی	اثر لکھنوی	۲۶۳
ایک لڑکا	اختر الایمان	۲۶۴
رات اور ریل	اسرار الحق مجاز	۲۶۷
ملمع کی انگوٹھی	اسمٰعیل میرٹھی	۲۶۹
ہونہار بیٹا	اکبر الٰہ آبادی	۲۷۱
نشاط امید	الطاف حسین حالی	۲۷۳
ہمارا وطن	برج نرائن چکبست	۲۷۵
مُنے کی پھلواری	بکل اتساہی	۲۷۶
دوڑو لڑکو	پرویز شاہدی	۲۷۸
وقت کی پکار	جگر مراد آبادی	۲۸۰
اے مادرِ وطن ہندوستاں	جمیل مظہری	۲۸۱
گرمی کی چھٹیاں	حامد اللہ افسر	۲۸۳
بندر ناچ دکھائے	حسرت جے پوری	۲۸۵
مرے عہد کے حسینو	ساحر لدھیانوی	۲۸۷
بڑھے چلو	ساغر نظامی	۲۸۹
صبح	سلام سندیلوی	۲۹۰
اک جگنو کے ساتھ	سلام مچھلی شہری	۲۹۲
اس جنگل میں مور بہت ہیں	شمس الرحمٰن فاروقی	۲۹۴

www.taemeernews.com

کہانی ایک بچے کی	ظفر گورکھپوری	۲۹۶
اکیسویں صدی	عصمت جاوید	۲۹۸
نوالہ	علی سردار جعفری	۳۰۰
موڈرن کھلونا	قمر سنبھلی	۳۰۱
ترانہ	محمد اقبال	۳۰۲
ہم ایک ہیں	مظہر امام	۳۰۳
آدمی نامہ	نظیر اکبر آبادی	۳۰۵

غزلیں:

خواجہ میر درد، شاد عظیم آبادی، فانی بدایونی، مومن خاں مومن، میر تقی میر، نذیر فتح پوری۔	۳۰۸ تا ۳۱۴
حمد: الطاف حسین حالی	۳۱۵
دعا: تلوک چند محروم	۳۱۷
مرثیہ: ببر علی انیس	۳۱۸
مثنوی: میر حسن	۳۲۰
دوہے: مہدی پرتاپگڑھی	۳۲۱
رباعیاں: علامہ شبلی، فراق گورکھپوری، فضا ابن فیضی، یگانہ چنگیزی	۳۲۲ تا ۳۲۷

www.taemeernews.com

قوالی:	عبداللہ کمال	۳۲۸
ماہیے:	فراغ روہوی	۳۳۰
لوری:	محمد شفیع الدین نیر	۳۳۲
دوسخنے اور پہیلیاں:	امیر خسرو	۳۳۴
کہہ مکرنیاں:	شارق جمال	۳۳۶
گیت:	خضر برنی	۳۳۸
ترجمے:	خواہش رابندرناتھ ٹیگور / شہناز نبی	۳۳۹
	چوروں کے پیر کالے سداشیو ڈیلشت / خلیق انجم اشرفی	۳۴۲

www.taemeernews.com

پہلی بات

ابتدا سے ہی اردو میں بچوں کا ادب لکھا گیا ہے۔ یہ ادب لاکھوں صفحات پر محیط ہے اور وسیع اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں خیر و شر ہے، نیکی اور بدی ہے، اچھائی اور برائی کی قوتوں کا ذکر ہے اور گرد و پیش کی چیزوں کے لیے تجسس ہے، نفرت، خفگی اور دشمنی ہے اور ہمدردی، محبت، پیار اور شفقت ہے۔ ان سب کو پانے اور ان سب کا سامنا کرنے کے لیے جو کردار استعمال ہوتے ہیں وہ دلچسپ اور جو واقعات تحریر میں لائے جاتے ہیں وہ عام زندگی سے متعلق ہوتے ہیں۔ مافوق الفطری عناصر کے تحت پری، جن، بھوت، دیو اور عفریت سے، لیکن ساتھ ہی ساتھ شجر و حجر، ندی و نالے، سمندر، سڑکیں، پہاڑ، آسمان، ستارے، سورج، چاند، پودے، پھول، باغات، مکانات، سواریاں، شیر، بھیڑیا، چیتا، لکڑ بھگا، بھیڑ بکری، گائے، بھینس،، بیل، گدھا، گھوڑا، ہاتھی، گیدڑ، اژدہا، طوطا، مینا اور دیگر چڑیا، بادشاہ اور وزیر سے بھی کہانی کے تانے بانے بنے جاتے ہیں۔ اڑن کھٹولہ اور اڑن طشتری کا ذکر تو قبل سے ملتا ہے لیکن آج کی سائنسی کہانیوں میں راکٹ اور میزائل کا ذکر ہوتا ہے، کمپیوٹر اور روبوٹ کا ذکر ہوتا ہے اور نئی نئی ایجادات کے ذکر سے کہانیاں بھری پڑی ہوتی ہیں۔ سائنس کی آسائشوں اور آرائشوں میں ڈوبے ایسے قصوں کو بچوں کے لیے مفید اور ان کی شخصیت کی نشو و نما میں معاون سمجھا جارہا ہے۔ اردو کی ایسی تمام کہانیوں اور منظومات سے ہمت، عزم، حوصلہ، جرأت اور حاضر دماغی کی صفات، نظم و ضبط اور تناسب و توازن کا استحکام، محفوظ، خوشگوار اور تہذیب یافتہ تربیت، قومی و ملی جذبہ، سماجی شعور، بھائی چارگی، رحم دلی، ہمدردی، اخوت،

www.taemeernews.com

شرافت، انکساری، کسر نفسی، عزت واحترام کی خصوصیات سامنے آتی ہیں جن سے بچوں کی صلاحیتیں ابھرتی ہیں اور سیرتیں سنورتی ہیں، فلاح وکامرانی کے راستے نکلتے ہیں، اجتماعی ذمہ داریوں کا احساس اجاگر ہوتا ہے اور وفادار شہری بننے کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ذخیرۂ الفاظ، نئی تراکیب، اقوال، ضرب الامثال اور محاورے سے اظہار بیان کی قدرت میں اضافہ ہوتا ہے۔

بچوں کے ادب کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر خوشحال زیدی اپنی کتاب "اردو میں بچوں کا ادب" میں رقم طراز ہیں:

> "بچوں کے ادب کی سب سے بڑی خوبی حیرت اور استعجاب ہے جو کہ بچے کے ذہن میں کیا، کیوں، کیسے۔۔۔۔۔ جیسے سوالات پیدا ہوتے رہتے ہیں اور وہ ہر چیز کو حیرت واستعجاب سے دیکھتا ہے۔ نیز اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تجسس بچے کی فطرت میں شامل ہے۔ اس کے لیے ادب اطفال میں بچوں کی فطرت کے مطابق موضوع اور طرز تحریر کا انتخاب کرنا چاہیے۔ بقول عابد سہیل "وہ لوریاں ہوں یا کہانیاں، نظمیں ہوں یا گیت، معلوماتی کتابیں ہوں یا چٹکلے، یہ حیرت واستعجاب ان میں کسی نہ کسی شکل میں ضرور موجود رہتا ہے، کہیں یہ جانور کی شکل اختیار کرتا ہے، کہیں دیو اور بھوت کی، کہیں جنوں کی، کہیں پریوں کی، کہیں بادشاہ کے بے پناہ خوبصورت دربار کی، جہاں بادشاہ کے تالی بجاتے ہی جو چیز وہ چاہتا ہے حاضر ہو جاتی ہے۔ کہیں "پنچ تنتر" کی کہانی "چالاک خرگوش" کی جس میں وہ ایک خونخوار شیر کو غصہ دلا کر اسے کنویں میں چھلانگ لگانے پر مجبور کر دیتا ہے۔ سچ پوچھیے تو بچوں کے ادب میں حیرت کا عنصر ہی بچوں کو اس سے جوڑتا ہے۔"

بچوں کے ادب کی بنیاد علم اور اخلاق پر ہو اور اس کے مقاصد اچھی تعلیم اور تربیت پر مبنی ہوں جو بچوں کے ادب میں بچوں کی فطری صلاحیتوں کو ابھار سکیں۔ اس لیے براہ راست ناصحانہ انداز مناسب نہیں سمجھا جاتا۔

بچوں کی قوت متخیلہ بڑی زبردست ہوتی ہے خصوصاً عمر کی پہلی اور دوسری منزل

www.taemeernews.com

میں یہ ان خوشیوں کا موجب ہوتی ہے۔ اس لیے ایسی منظومات یا مضامین جو بچوں کی اس قوتِ (قوتِ متخیلہ) کے اظہار کا موقعہ دے سکیں، کامیاب تصور کیے جاتے ہیں۔

شفیع الدین نیر کہتے ہیں "بچوں کے لیے ایسے عنوانات پر مشتمل نظمیں، کہانیاں یا مضامین مناسب ہوتے ہیں جن میں صحت، صفائی، تفریح، درس اور محنت و مشقت کی طرف انھیں توجہ دلائی جائے۔ مختلف کھیلوں کا تذکرہ بھی ہونا چاہیے۔"

بچوں کے ادب کی زبان نہایت آسان ہونی چاہیے۔ بچے کی اپنی زبان میں، بچے کی روزمرہ زندگی میں مستعمل الفاظ ہوں۔ عمر کے مختلف منازل کی مناسبت سے زبان سہل اور دشوار ہو۔ طرز ادا اور اسلوبِ بیان ایسا ہو کہ بچے بخوشی ان مضامین کو پڑھیں، ان سے دلچسپی لیں، ان کو پڑھ کر مسرت محسوس کریں۔ کہانیوں میں مختلف دلچسپ واقعات اور ضمنی واقعات کی شمولیت سے بچوں کی دلچسپی کو بڑھایا جاسکتا ہے۔

انسان اور خصوصاً بچوں کی سیرت میں مذہبی عقائد بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کے عقائد کے اعتبار سے خدا کے وجود اور اس کے جمال و جلال اور دوسری صفات کا نقش بچپن ہی میں بچوں کے ذہن پر مرتسم کرنا بھی ادب اطفال کا فریضہ ہے، جس کے تحت اس کے کردار میں بنیادی خوبیاں خود بخود پیدا ہو جائیں گی۔

بچوں کے لیے جو کہانیاں، قصے یا نظمیں لکھی جائیں ان میں سے کسی حد تک مبالغہ آرائی و رنگ آمیزی سے اس کی دلچسپی کو دوبالا کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح بچے کے ذہن اور تخیل کی پرواز بلند سے بلند تر ہو سکتی ہے۔

بچوں کے ادب میں حب الوطنی، باہمی اتحاد اور قومی یکجہتی کا عکس پایا جانا بھی اس کی ایک بڑی خوبی ہے۔ اخلاقی مضامین اس طرح کے ہوں کہ شروع ہی سے اپنے اقربا، اعزا، دوست، شناسا، ہمسائے اور ہموطنوں سے وابستہ رہے اور کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے دوسرے لوگوں کی عافیت اور جائز آزادی، خیال و عمل سے تصادم کا خطرہ لاحق ہو۔ بچوں میں باہمی نفرت، عداوت، تعصب اور تنگ دلی کو دور کرنا بھی ایسے ادب کا فرض ہے۔ ایسے خیالات کو موضوع بنانا چاہیے جو بچوں کے ذہن میں انسانی وحدت اور محبت کی فضا قائم کرنے میں معاون ثابت ہوں۔

ادب اطفال بچے کے ذہن کو زیادہ سے زیادہ متاثر کرے اور اس کے مطالعے سے

www.taemeernews.com

بچے کو بچی خوشی اور ذہنی تسکین ہو۔

بچوں کے ادب کی ایک اور نمایاں خوبی تنوع ہے۔ بچہ ایک ہی نوع کی چیز ایک ہی انداز میں بار بار پڑھنا پسند نہیں کرتا لہٰذا بچوں کے ادب میں موضوعات کی رنگا رنگی ہونا چاہیے۔ ان موضوعات کی پیش کش نئے نئے اسالیب اور انوکھی تکنیک سے ہونا چاہیے۔

بچوں کے سائنسی ادب کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر خوش حال زیدی نے مبادیات کا ذکر کیا ہے کہ اگر ابتدا سے ہی بچوں کو سائنسی ادب سے روشناس کرایا جائے تو مستقبل میں وہ سائنس کے میدان میں تیزی سے ترقی کر سکیں گے۔ موجودہ نظام تعلیم میں سائنس ابتدائی مدارج میں داخل ہے جس کے باعث ذہین بچوں کو شروع سے ہی سائنس سے دلچسپی ہو جاتی ہے۔

اگر بچوں کو ابتدا ہی سے غیر درسی سائنسی ادب بھی فراہم کیا جائے تو ان کے لیے بہت مفید اور کار آمد ثابت ہوگا۔ بچے درسی کتب کے علاوہ بھی سائنس سے متعلق بہت سی کتابیں پڑھنے کے خواہشمند رہتے ہیں۔ اکثر باتوں کے بارے میں والدین بھی نہیں جانتے۔ زمین گول ہے؟ کیوں گول ہے؟ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے یا سورج زمین کے گرد چکر لگاتا ہے؟ سمندر کے اندر کی دنیا کیسی ہے؟ کیا جل پری کا وجود ہے؟ سپر مین کیسے اڑتا ہے؟ اسٹار ٹریک کیا ہے؟ روبوٹ کیسے کام کرتا ہے؟ ہوائی جہاز، ٹیلی فون، سائیکل، ٹیلی ویژن، ریڈیو کیسے کام کرتے ہیں؟ ان کا موجد کون تھا؟ سب سے پہلے خلا میں کون گیا؟ انٹارٹکا کہاں ہے؟ یہ تمام باتیں بچوں میں سائنس سے دلچسپی اور سائنسی ادب کو بڑھاوا دیتی ہیں۔ دور جدید میں ٹیلی ویژن نے سائنسی موضوعات پر فلمیں دکھا کر بچوں کی دلچسپی کو خاصا بڑھاوا دیا ہے۔ فلموں کے علاوہ روزمرہ زندگی میں کام آنے والی چیزوں کو بنانا، اپنی موٹر سائیکل، کیمرہ، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور کھلونے خود درست کرنا۔ یہ سب بچوں کے مشاغل ہو گئے ہیں۔ بچوں کی دلچسپی سائنسی معلوماتی کتب کے ساتھ سائنس فکشن میں زیادہ ہو رہی ہے۔

اردو میں بچوں کے ادب کی ابتدا امیر خسرو سے مانی جاتی ہے۔ ان کی کتاب ''خالق باری'' لغت ہے جو نظم میں ہے اور نصاب میں شامل رہی ہے۔ حالانکہ اس میں بچوں کے ادب کی خصوصیت بہت کم نظر آتی ہے لیکن اس کی زبان سہل ہے۔ ''خالق باری'' سے متاثر ہو کر بہت سی کتابیں بعد میں لکھی گئیں۔ بچوں کے شاعر کی حیثیت سے قلی قطب شاہ کا بھی

www.taemeernews.com

نام لیا جاتا ہے۔ سترھویں صدی کے شاعر شاہ حسین ذوقی کا نام ان کے بعد آتا ہے۔ ذوقی نے بچوں کے لیے مثنوی "ماں باپ نامہ" لکھی جس میں بتایا گیا ہے کہ والدین کی عزت کس طرح کرنی چاہیے، ان کا رتبہ کیا ہے اور ان کی اہمیت کیا ہے۔ اخلاق اور مذہب سے تعلق رکھنے والی یہ طویل نظم کردار سازی میں مدد پہنچاتی ہے۔ میر تقی میر کا نام بھی بچوں کے شاعر کی حیثیت سے لیا جاتا ہے۔ ان کی مثنوی "موہنی بلی"، "گھر کا حال" اور "بکری اور کتے" اسی قبیل کی ہیں۔ ان کی بعض غزلیں بھی اسی شمار قطار میں ہیں۔ مثنوی "موہنی بلی" کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

ایک بلی موہنی تھا اس کا نام
ان نے میرے گھر کیا آکر قیام
ایک دو سے ہوگئی الفت بہت
کم بہت جانے لگی اٹھ کر نبت
ربط پھر پیدا کیا میرے ہی ساتھ
دیکھتی رہنے لگی میرا ہی ہاتھ
چھیچھڑا ٹکرا جو کچھ پایا کرے
فقر میرا دیکھ کر کھایا کرے

بچوں کے شاعر کی حیثیت سے نظیر اکبر آبادی کا نام بے حد اہم ہے۔ بچوں کے لیے باضابطہ طور پر انھوں نے نظمیں لکھیں۔ وہ چونکہ معلم تھے اس لیے بچوں کی نفسیات اور ان کی ضروریات سے واقف تھے۔ "تل کے لڈو"، "ہرن کا بچہ"، "کورے برتن"، "تربوز"، "گلہری کا بچہ"، "کن کوے اور پتنگ"، "معصوم بھولے بھالے"، "آدمی نامہ" وغیرہ نظمیں بے حد مقبول ہیں۔ انشاء اللہ خاں انشا نے ۱۷۹۳ء میں بچوں کے لیے کہانی "رانی کیتکی" لکھی۔ یہ کہانی تفریحی نوعیت کی ہے اسی لیے اس میں پند و نصائح سے گریز کیا گیا ہے۔ ۱۸۰۱ء سے فورٹ ولیم کالج کا زمانہ شروع ہوتا ہے جہاں انگریزوں کو اور مبتدیوں کو اردو سکھانے کے لیے درسی اور تعلیم بالغان کی کتابیں تیار کرائی گئیں۔ وہاں کی مشہور شخصیتوں میں جان گلکرائسٹ کے علاوہ حیدر بخش حیدری (آرائش محفل، قصہ حاتم طائی)، بہادر علی حسینی (خلائی ہند)، میر امن (باغ و بہار)، مظہر علی ولا (بیتال پچیسی)، للو لال جی

www.taemeernews.com

(سنگھاسن بتیسی) اور لطف علی، اکرم علی، میر شیر علی افسوں، حفیظ الدین احمد وغیرہ کا نام نمایاں ہے۔ ان کی کتابوں میں عام دلچسپی کا مواد ملتا ہے۔

دلی کالج نے بھی نصابی اعتبار سے بڑا کام کیا۔ انجمن اشاعت علوم اور ورنیکولر ایجوکیشن سوسائٹی کے تحت بچوں کی کتابوں کی طباعت کا کام کیا گیا۔ یہ کتابیں ایسی تھیں جو دنیاوی امور سے متعلق تھیں اور اردگرد کے ماحول سے واقفیت بہم پہنچانے والی تھیں۔ ان میں اطفال کی نفسیات کا بھرپور لحاظ رکھا گیا تھا۔ محمد حسین آزاد کی "اردو کی پہلی کتاب" پیارے لال کی "اردو کی تیسری کتاب" ذکاء اللہ کی "اردو کی چوتھی کتاب" اور "پانچویں کتاب" سید ولی حیدر کی "اردو آموز جدید" وغیرہ بے حد مقبول ہوئیں۔ محمد حسین آزاد نے بعض دلچسپ نظمیں بھی لکھی ہیں۔ "جیسا چاہو سمجھ لو"، "زمستاں"، "شب سرما"، "سلام علیک"، "ہے امتحان سر پر کھڑا"، "محنت کرو"، "چور"، "طالب علم" وغیرہ اہم اور نئے موضوعات پر ہیں۔ "طالب علم" سے چند اشعار دیکھئے:

ہیں مدرسہ کے طالب علم اپنے خیال میں
کل صبح امتحاں ہے سو اس کے خیال میں
مل مل کے یاد کرتے ہیں آپس میں دور سے
پڑھتے جدا جدا بھی ہیں کچھ فکر و غور سے
کرلیں کہ جو کچھ کرنا ہے شب درمیان ہے
کل صبح اپنی جان ہے اور امتحان ہے

مرزا اسد اللہ خاں غالب کا نام بھی ادب اطفال میں اہم ہے۔ عبدالغفور شہباز نے چھوٹے بچوں کے لیے بہت ساری نظمیں لکھیں۔ "توحید"، "پڑھنا"، "کھیل"، "ہنر مند گڑیا"، "شہد کی مکھی"، "وفادار کتا"، "مناجات مٹھائی" اور دوسری نظمیں سبق آموز ہیں۔ "ہنر مند گڑیا" کے یہ اشعار ملاحظہ کیجئے:

رنگیں کیے ہونٹ مسی پان سے گڑیا
لیٹی ہے مسہری پہ کس شان سے گڑیا
کس لطف سے زلفوں کی گھٹا سر پہ ہے چھائی
جھمکائے ہوئے بجلی ہے کیا کان سے گڑیا

www.taemeernews.com

دن رات پڑھا کرتی ہے اسلام کا کلمہ
آراستہ ہے زیورِ ایمان سے گڑیا

نذیر احمد نے بچوں کے لیے بعض کہانیاں اور نظمیں لکھی ہیں۔ ایسی کہانیوں کا مجموعہ "منتخب الحکایات" ہے۔ ان کے خطوط کا مجموعہ بھی شائع ہوا جو انھوں نے اپنے زیرِ تعلیم بیٹے بشیر احمد کو لکھے تھے۔

سر سید احمد خاں نے بچوں کے لیے الگ سے کچھ نہیں لکھا ہے لیکن ان کے مضامین "گزرا ہوا زمانہ"، "امید کی خوشی"، "تعلیم و تربیت" وغیرہ کو اس ذیل میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

الطاف حسین حالی نے حب الوطنی کے جذبے کو اجاگر کرنے کے لیے بچوں کے معیار کی نظمیں لکھیں۔ بچوں کی ذہنی تربیت و تعلیم ان کے پیش نظر تھی۔ "میں کیا بنوں گا"، "سپاہی"، "موچی"، "روٹی کیوں کر میسر آئی"، "مرغی اور اس کے بچے"، "شیر کا شکار"، "لاڈلا بیٹا"، "برکھا رت"، "گھڑیال اور گھنٹے" وغیرہ نظموں میں انسان دوستی کے جذبات نمایاں ہیں۔

شبلی نعمانی ماہرِ تعلیم تھے اور تدریسی اداروں سے وابستہ تھے۔ بچوں کی نفسیات کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ حالانکہ انھوں نے بچوں کے لیے باضابطہ طور پر نظمیں نہیں لکھیں لیکن "صبح امید" اور "عدل جہانگیر" کو بچوں میں انصاف پسندی، رواداری اور ایثار کے پہلو کے تحت ایسی نظموں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

ذکاء اللہ نے بچوں کے لیے اردو کی پہلی، دوسری، تیسری، چوتھی اور پانچویں کتاب لکھی اور چھٹی، ساتویں اور آٹھویں جماعتوں کے لیے ریڈر ترتیب دی۔

محمد اسمٰعیل میرٹھی نے بچوں کے ادب کو بلند ترین منزل تک پہنچایا ہے۔ یوں تو انھوں نے اردو کی پہلی، دوسری، تیسری، چوتھی اور پانچویں کتاب تصنیف کی۔ ساتھ ہی "باجے کا بھوت"، "ایک شیر اور چیتا"، خود رائی کا نتیجہ"، "محمود غزنوی اور بڑھیا" جیسی کہانیاں بھی لکھیں۔ معلومات سے بھرپور مضامین بھی لکھے۔ ان میں "حکیم ایسوپ کا بیان"، "جلال الدین اکبر"، "مہابھارت"، "ہوا اور آسمان"، "ریلوے انجن کا موجد" وغیرہ اہم ہیں۔ ساتھ ہی آسان، سلیس، شگفتہ اور معلومات سے بھرپور نظمیں بھی لکھیں۔

www.taemeernews.com

برج نرائن چکبست کے یہاں بھی قوم پرستی اور حب الوطنی کے جذبہ سے بھرپور چند نظمیں ملتی ہیں جنھیں ادب اطفال میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ نظم "ہمارا وطن" کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

یہ ہندوستاں ہے ہمارا وطن محبت کی آنکھوں کا تارا وطن
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن
اسی سے ہے اس زندگی کی بہار وطن کی محبت ہو یا ماں کا پیار
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

اکبر الٰہ آبادی نے سیاست، اخلاق اور پند و نصائح کو طنز و ظرافت کی چاشنی میں لپیٹ کر پیش کیا ہے۔ "دریا کی روانی"، "دلی دربار" اور "ہونہار بیٹا" کو بچوں کی نظموں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

پریم چند نے حب الوطنی، انسان دوستی اور قومی یکجہتی کے فروغ میں افسانہ اور ناول سے کام لیا۔ بچوں کے لیے بھی انھوں نے "نادان دوست" اور "سچائی کا انعام" جیسی کہانیاں لکھیں۔

سر محمد اقبال نے ادب اطفال کے سرمایے میں قابلِ قدر اضافہ کیا ہے۔ کچھ ترجمہ کے ذریعہ سے اور کچھ طبع زاد نظموں کے ذریعہ سے۔ اصلاحی، اخلاقی اور وطنی نظموں میں "ایک مکڑا اور مکھی"، "ایک پہاڑ اور گلہری"، "ہندوستانی بچوں کا گیت"، ہمدردی"، "بچے کی دعا"، ایک گائے اور بکری"، "بچہ اور شاعر"، "ترانۂ ہندی" وغیرہ اہم ہیں۔

تلوک چند محروم بچوں کے شاعر کی حیثیت سے بھی ممتاز مقام کے حامل تھے۔ "اچھے کام"، "ہمارا دیش"، "دعا"، "صفائی"، "ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں"، "اچھا آدمی" وغیرہ نظمیں سبق آموز ہیں۔

حامد اللہ افسر نے بچوں کی سادگی، معصومیت اور پاک و صاف دنیا کو مدِ نظر رکھ کر بے شمار نظمیں لکھیں اور کہانیاں تخلیق کی ہیں۔ ان کی کہانیوں کے دو مجموعے "چار چاند" اور "جانوروں کی عقلمندی" اور نظموں کے مجموعے "بچوں کا افسر" اور "گہوارے کا گیت" مقبول ہو چکے ہیں۔

خواجہ حسن نظامی نے اخلاق اور تعلیم سے بھرپور بچوں کے لیے "چڑیا چڑے"،

www.taemeernews.com

"پوپلانہ کہنا" اور "شہزادی کی پتا" جیسی کہانیاں لکھیں۔

محمود اسرائیل بمبئی کے ایک اسکول میں معلم تھے۔ انھوں نے بچوں کے لیے رباعیات میں تجربہ کیا اور ۳۱ رباعیوں کا مجموعہ بھی شائع کرایا:

تم راز کسی کا بھی نہ کھولو ہرگز   تولوائے کوئی، تو کم نہ لو ہرگز
گو لوگ ڈرائیں تمھیں مجبور کریں   کچھ بھی ہو مگر جھوٹ نہ بولو ہرگز

حفیظ جالندھری نے بچوں کے لیے وافر سرمایہ اردو کو دیا ہے۔ وہ مشہور رسالہ "نونہال" (۱۹۲۳ء) اور "پھول" (۱۹۲۴ء) کے ایڈیٹر بھی تھے۔ بچوں کے لیے ان کی نظموں اور گیت کے مجموعے "حفیظ کے گیت اور نظمیں" چار جلدوں میں، "پھول مالا" اور "بہار کے پھول" منظوم کہانیوں کا مجموعہ "ہندوستان ہمارا" کلاسیکی نثر کی کتاب "عمرو عیار" دو جلدوں میں بے حد مقبول ہیں۔

پند و نصائح سے بھرپور نظمیں محوی صدیقی نے بھی لکھی ہیں۔ بچوں کے لیے نظموں کا مجموعہ "بانک باغ" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

اختر شیرانی نے بچوں کے لیے لوریاں، گیت اور نظموں میں طبع آزمائی کی ہے۔ 'جھولا'، "باغوں کی بہاریں"، "آخری امید"، "ساون کی گھٹا"، "ایک لڑکی کا گیت"، "مدرسے کی لڑکیوں کی دعا" وغیرہ نظمیں نفسیاتی عنصر رکھتی ہیں۔

چراغ حسن حسرت نے بچوں کی سیرت اور شخصیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اور تاریخ سے استفادہ کرتے ہوئے "اتاترک"۔ "خلیفہ عبدالرحمن" اور "شریعت علی" جیسی کتابیں لکھیں۔

عظیم بیگ چغتائی نے بچوں کے لیے دو مہماتی ناول لکھے۔ "قصر صحرا" اور "بحر جنوبی کا سفر"۔ خالص بچوں کے ناول نگار کی حیثیت سے انھیں اولیت کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔

شفیع الدین نیر نے خود کو بچوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ "وطنی نظمیں"، "اسلامی نظمیں، "اخلاقی نظمیں، "بچوں کا تحفہ" (دوحصے)، "مٹی کے گیت"، "مٹی کا تحفہ"، "بچوں کا کھلونا" جیسی کتابیں نظموں کے مجموعے ہیں۔ منظوم پہیلیوں کا مجموعہ "گھی شکر" اور غالب کی حیات و کارناموں پر کتاب "غالب کی کہانی" بھی منظر عام پر آچکے ہیں۔ ان کی ۳۵ کتابیں طبع ہو چکی ہیں۔

www.taemeernews.com

امتیاز علی تاج نے بھی بچوں کے لیے بہت سارے موضوعات پر کہانیاں اور نظمیں لکھی ہیں۔ "موت کا راگ"، "چڑیا خانہ" (دو حصے)، "گدگدی" (دو حصے)، "پرستان" اور "بچوں کی بہادری" کہانیوں کے مجموعے ہیں۔ نظموں کا مجموعہ "پھول باغ" بھی شائع ہو چکا ہے۔

ذاکر حسین نے اپنی بیٹی رقیہ ریحانہ کے نام سے کہانیاں لکھیں جو ماہنامہ "پیامِ تعلیم" نئی دہلی سے شائع ہوئیں۔ بعد میں یہ کہانیاں رقیہ ریحانہ کے ہی نام سے مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ نئی دہلی نے کتابی شکل میں شائع کیں۔ لیکن بعد میں مکتبہ جامعہ نے اس کتاب کو ڈاکٹر ذاکر حسین کے نام سے شائع کیا۔ ویسے ذاکر حسین نے "کھوٹا سونا" کے نام سے ڈرامہ لکھا تھا اور "دیانت" کے نام سے کسی انگریزی ڈراما سے ماخوذ ایک تمثیلی ڈراما تیار کیا تھا جو جامعہ کی تقریبات میں اسٹیج ہوا تھا۔

عابد حسین ماہنامہ "پیامِ تعلیم" کے ایڈیٹر رہے اور بچوں کے لیے کہانیاں اور ڈرامے لکھتے رہے۔ "تعلیمی لطائف"، "شریر لڑکا" اور "چھلابلا" ان کی مشہور کتابیں ہیں۔

محمد مجیب نے بچوں کے لیے کہانیاں لکھیں اور ڈرامے لکھے۔ "آؤ ڈرامہ کریں" "فاطمہ اور رحیم الدین"، "فلسفی مالی اور کسان"، "مسافر" وغیرہ ان کی طبع زاد تخلیق ہیں۔ انھوں نے جرمن کہانیوں سے متاثر ہو کر بھی بعض کہانیاں لکھی ہیں جن میں "کنجوس"، "متاخر گوش"، "جیب سے کیا نکالا"، "جیسے ساتھی ویسے تم" اہم ہیں۔

غلام رسول مہر نے بچوں کے لیے تاریخی اور جغرافیائی کتابیں لکھیں۔ ان میں "بلجئیم"، "اٹلی"، "سو تاریخی واقعات"، "میرے اندر کیا ہے" وغیرہ معلومات سے بھری ہوئی ہیں۔

غلام مصطفیٰ تبسم کی نظموں کا مجموعہ "جھولنے" بیحد مقبول ہوا۔

مرزا ادیب بچوں کے بے حد فعال ادیب اور شاعر تھے۔ بچوں کے لیے ان کی کتابیں درجنوں ہیں۔ ان میں کہانیوں کے مجموعے "باپ کی خدمت"، "چالاک انسان"، "شیروں کا بادشاہ"، "وہ درخت"، "احسان کا بدلہ"، "سفید ہاتھی"، "چوتھا چور"، "ایک ننھی تتلی"، "کھیر بہت مہنگی پڑی"، "پھول کھلاتے نہیں"، "سونے کے پروں والا کبوتر" وغیرہ ہیں۔ بچوں کے لیے ان کے ناول "شہر سے دور"، "چچا چونچ"، "گڑیوں کا شہر"، "پہاڑ

www.taemeernews.com

کی چوٹی پر"، "کہانی ایک رات کی"، "جن شہزادی" وغیرہ ہیں۔ بچوں کے لیے ان کے ڈراموں کی کتاب "ٹہنیاں"، "پانچ ڈرامے"، "اے وطن میرے وطن"، "نانی اماں کی عینک"، "قوم کی بیٹی"، "تیس مار خاں"، "مسافر"، "تحفہ"، "بچوں کی عدالت"، "جن ماسٹر"، "وہ کون تھی" وغیرہ ہیں۔ بچوں کے لیے انھوں نے "جمال الدین افغانی"، "امیر خسرو"، "داتا گنج بخش" وغیرہ کی سوانح عمری بھی لکھی ہے جو کتابی شکل میں مطبوعہ ہیں۔

صالحہ عابد حسین کا نام بھی ادب اطفال میں نمایاں ہے۔ بچوں کے لیے ان کی کتابیں "سندر چنار"، "ایک دیس ایک خون"، "باپو"، "بڑا پانی"، "خواجہ الطاف حسین حالی" وغیرہ اہم ہیں۔

حسین حسان بچوں کے اہم ادیب اور کہانی کار تھے۔ ان کی وقیع کتابوں میں "برف کا گھر"، "دیمک"، "چنبیلی"، "نیا کھلونا"، "سرکس"، "بندروالا"، "چاند"، "تانبیل خاں"، "میر تقی میر"، "چچا غالب"، "میر انیس" وغیرہ ہیں۔

قدسیہ زیدی کی بچوں کے لیے باتصویر کتابیں "بھن بھن بانو"، "ان تھک جان"، "جانباز سپاہی"، "گاندھی باباکی کہانی"، "گلابی چوہیا اور غبارے" وغیرہ ہیں۔

عبدالواحد سندھی معلم تھے اور ان کا رجحان مذہب اور اخلاق کی طرف زیادہ تھا۔ بچوں کے لیے ان کی کتابیں "پانچ بونے"، "چیونٹی رانی"، "اسلام کیسے شروع ہوا" وغیرہ مقبول ہیں۔

عبدالغفار مدھولی نے بچوں کے لیے کامیاب ڈرامے لکھے۔ "قوم پرست طالب علم"، "اسکول کی زندگی"، "محنت"، "چھوٹا لڑکا"، "چور لڑکا بچوں کی عدالت میں"، "وعدے" "کایا پلٹ" وغیرہ کتابی شکل میں شائع ہوئے۔ ویسے بچوں کے لیے ان کی کہانیوں کے مجموعے "بچوں کا انصاف"، "مکتب کا ایک بچہ"، "ایک غلط فہمی کا ازالہ" وغیرہ ہیں ان کے علاوہ بھی نئے پرانے قلم کاروں کی تعداد بہت زیادہ ہے

لیکن ان سب کے باوجود اردو میں بچوں کے ادب کے مسائل اور نتائج اطمینان بخش نہیں رہے ہیں۔ مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد سردار احمد نے نتائج اخذ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

۱۔ ہمارے یہاں بچوں کا ادیب اور شاعر بننا کسر شان سمجھا جاتا ہے۔ کبھی

www.taemeernews.com

کبھار بڑے ادیب و شاعر بچوں کے لیے بھی کچھ لکھ دیتے ہیں۔ لیکن اس سے اپنا تشخص کرانا کم پسند کرتے ہیں۔

۲۔ بڑے پبلشرس مالی اور تجارتی نقطہ نظر سے چونکہ بچوں کے ادب کی اشاعت اپنے لیے مفید نہیں سمجھتے اس لیے اس پر توجہ پوری طرح مرکوز نہیں کرتے۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ کسی نئے ادیب کی اچھی کتاب کو ٹال دیا گیا لیکن کسی بڑے نام والے کی اوسط درجے یا معمولی درجے کی کتاب کو محض اس کے منصب اور رسائی کا خیال کر کے شائع کر دیا گیا۔ پبلشرس اس قسم کی ذہنیت میں تبدیلی لائیں تو بچوں کے حق میں بہتر ہوگا۔

۳۔ اکادمیوں نے بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں پر انعامات دینے کے لیے ابھی تک کوئی رہبر اصول اور ضابطے الگ سے نہیں مرتب کیے جس کی وجہ سے ہر سال کئی اہم مفید کتابیں انعامات سے محروم رہ جاتی ہیں اور ان کے مصنفین کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔

۴۔ ہمارے تعلیمی اداروں کے سربراہان اور ہمارے اردو اساتذہ جن کے سپرد چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم و تربیت کا نازک اور مقدس کام ہے، بچوں کی نصابی کتابوں کے علاوہ کتابوں کے مطالعے کی عادت پر زور نہیں دیتے۔

۵۔ بچوں کے لیے لکھی گئی پرانی اور نئی کہانیوں کو جس طرح روس، امریکہ اور یورپین ممالک میں فلم کے ذریعے وسیع تر پیمانے پر عام کیا جا رہا ہے، اس تناسب سے ہماری فلمی دنیا میں بچوں کی فلموں پر توجہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ نہ بچوں کے ادب کے لیے موثر ذریعہ ابلاغ کا سہارا لینا بھی ضروری ہے۔ مغربی مماک کی طرح بچوں کے لیے کہانیوں کے لیے کیسٹ کا چلن ہندوستان اور پڑوسی ممالک میں عام ہو رہا ہے۔ لیکن غریب اور کم آمدنی والے طبقے ان کے فوائد سے محروم ہیں۔ اگر اسکولوں اور لائبریریوں کی سرپرستی حاصل ہو جائے تو بچوں کے ادب کو کیسٹ کے

www.taemeernews.com

ذریعہ بڑا فروغ مل سکتا ہے اور بچوں کی خوبصورت، پیاری، دلنشیں اور معیاری نظمیں اچھی اور شیریں آوازوں میں پیش کی جاسکتی ہیں جنھیں بچے رٹنے سے زیادہ سن کر اور محظوظ ہو کر خود بخود یاد کر سکتے ہیں۔

۶۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر بچہ میں فطری طور سے اچھائی، برائی، محبت، نفرت، بغض، عداوت، جدائی، ملاپ، اور حسد و مقابلہ، نرمی و سختی جیسے جذبات کسی نہ کسی سطح پر ابھرے یا چھپے، ظاہر یا پوشیدہ حالت میں رہتے ہیں۔ ان کی تطہیر و تہذیب اور ان کو صحت مند اور انسانیت کی اعلیٰ قدروں کی طرف مائل کرنا، بچوں کے ادیب کا قلم جس مہارت، عمدگی اور غیر محسوس ڈھنگ سے انجام دے سکتا ہے۔ وہ وعظ، لکچر اور براہِ راست نصیحت سے ممکن نہیں ہے۔

ان سچائیوں کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ اردو زبان بچوں کے ادب سے مالامال ہے۔ اردو میں بچوں کے لیے سائنسی ادب بھی بہت لکھا گیا ہے۔ کرشن چندر کی کتاب ''ستاروں کی سیر'' اور ''الٹا درخت'' قرۃ العین حیدر کا ترجمہ شدہ ناول ''جن حسن عبد الرحمن'' پرکاش پنڈت کا ناول ''چاند کی چوری'' ظفر پیامی کا ناول ''ستاروں کے قیدی'' سراج انور کا ''خوفناک جزیرہ''، ''سونے کا چہرہ'' اور ''ہیرے کا ہاتھ'' اطہر پرویز کی کہانی ''مشینی گھوڑا'' ایم یوسف انصاری (زہرہ کا سفر، قاتل سائنس داں)، اظہار اثر (بھورا بال، ایک گلاس پانی)، افتخار احمد اقبال (موت کے شعلے، پراسرار انسان)، قاضی مشتاق احمد (چندا ماما کے گاؤں میں)، جے پرکاش بھارتی (چلو چاند پر چلیں)، اندر جیت لال (ایٹم کی کہانی)، شہد کی مکھیاں (ایم اے کریمی)، پھول اور شہد کی مکھی (انور کمال حسینی)، ذرے کی کہانی (مہدی جعفر)، نظام شمسی کی تمثیلی کانفرنس (بدیع الزماں اعظمی)، احمد اسحاق (نو سیارے اکتیس چاند)، محمد اکرام (کمپیوٹر)، پریم پال اشک (کمپیوٹر پروگرام)، اسد رضا (ویڈیو فون)، علی ناصر زیدی (لیزر کے کرشمے) وغیرہ سائنسی ترقیات سے واقفیت پہنچاتے ہیں۔

اردو میں بچوں کے ادب پر سب سے جامع کتاب ڈاکٹر خوشحال زیدی کی ہے۔ ڈاکٹر سیدہ مشہدی (اردو میں بچوں کا ادب)، سید محمد اجمل جامعی (بچوں کے شاعر)، عاصم شہنواز شبلی (مغربی بنگال اور بچوں کا ادب) وغیرہ کتابیں بھی اہم ہیں۔ بچوں کے ادب

www.taemeernews.com

پر ایک تحقیقی مضمون "اردو میں ادب اطفال" ڈاکٹر مظفر حنفی کا ہے۔

اردو میں بچوں کے بہت سارے رسائل نکلتے رہے ہیں۔ ان میں "اچھا ساتھی" (بجنور)، "اردو کومک" (مالیگاؤں)، "اطفال ادب" (گیا)، "امنگ" (دہلی)، "بچپن" (بریلی)، "بچوں کا باغ" (لاہور)، "بچوں کا ڈائجسٹ" (کلکتہ)، "بچوں کا ڈائجسٹ" (بہار شریف)، "بچوں کی دنیا" (گیا)، "بچوں کی نرالی دنیا" (دہلی)، "بنات" (دہلی)، "بنات" (کراچی)، "پریم" (لاہور)، "پھلواری" (دہلی)، "پھول" (لاہور)، "پھول" (دہلی)، "پیام تعلیم" (دہلی)، "تعلیم و تربیت" (لاہور)، "ثانی" (لکھنؤ)، "جگنو" (بھوپال)، "جل پری" (مالیگاؤں)، "چاند" (ناگپور)، "چاند" (مراد آباد)، "چندا ماموں" (لاہور)، "چندا نگری" (مراد آباد)، "خوشبو" (سہسرام)، "دوست" (کراچی)، "دوست" (حیدر آباد)، "ساتھی" (کراچی)، "ستارہ" (لاہور)، "علم و ادب" (سیالکوٹ)، "غنچہ" (بجنور)، "غنچہ" (کلکتہ)، "کرن" (ناگپور)، "کلیاں" (لکھنؤ)، "کھلونا" (دہلی)، "مسرت"، (پٹنہ)، "منا" (بمبئی)، "منا" (حیدر آباد)، "نوخیز" (کلکتہ)، "نور" (رامپور)، "نونہال" (کراچی)، "نونہال" (لاہور)، "ننھا" (بمبئی)، "وطن" (جموں)، "ہدایت" (لاہور)، "ہونہار" (دہلی) وغیرہ معیار اور مواد کے لحاظ سے بچوں میں مقبول ہیں۔

اردو میں نیشنل کاؤنسل فار ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ، نئی دہلی کے ذریعہ درجہ اول سے درجہ بارہ تک نصاب کی جو کتابیں پروفیسر گوپی چند نارنگ کی نگرانی اور چیئر مین شپ میں "اردو کی نئی کتاب" کے نام سے تیار کی گئی ہیں یہ قومی تعلیمی پالیسی ۱۹۸۶ء کی سفارشات کے پیش نظر اور حکومتِ ہند کے اعلان شدہ تعلیمی اصولوں کی بنیاد کے تحت ہیں۔ ان کتابوں میں اردو زبان کے مشاہیر قلم کی تخلیقات کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھا گیا ہے اور بقول پروفیسر نارنگ ان میں اردو زبان کے مزاج، مشترک ہندستانی تہذیب، نیز طلبہ اور طالبات کی نفسیات اور ان کی ذہنی سطح کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے اور آج کے معاشرتی اور تمدنی مسائل کے پس منظر میں لکھی گئی نگارشات شامل کی گئی ہیں۔ ساتھ ہی ان میں اعلیٰ ترین ادب کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اردو میں بچوں کے ادب کی یہ اینتھولوجی تیار کرتے وقت این سی ای آر ٹی کی درسی کتابیں میرے پیش نظر رہی ہیں۔

میری تیار کی ہوئی یہ اینتھولوجی پروفیسر گوپی چند نارنگ کی دلچسپی کی بدولت ساہتیہ

www.taemeernews.com

اکادمی، دہلی کی طرف سے شائع ہو رہی ہے۔ اس میں صرف ہندوستانی قلم کاروں کو شامل کیا گیا ہے۔ غیر منقسم ہندوستان کے دو ایک شاعر وادیب کی بھی شمولیت ہوئی ہے۔

پیشِ نظر کتاب میں معیاری ادب اطفال سے متعدد موضوعات پر بہت اہم اور متنوع مواد یکجا ہو گیا ہے جس کی تائید اہلِ نظر کریں گے۔ امید ہے کہ اس طرح کے مزید انتخاب بھی شائع ہوں گے۔

مناظر عاشق ہرگانوی

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

مضامین

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

اعظم شاہ خاں

سرخاب

سرخاب کو انگریزی میں "برہمنی ڈک"۔ "روڈی شیل ڈک" اور سائنس کی زبان میں "ٹیڈنا فیروجینا" کہا جاتا ہے۔ اس کو چکوا چکوی، لال کونج ناموں سے بھی جانا جاتا ہے۔ یہ سندوری بھورے رنگ کا بہت ہی خوبصورت پانی میں رہنے والا پرندہ ہے۔ اسی لیے اگر کوئی شخص خود کو دوسروں سے برتر ظاہر کرے تو کہا جاتا ہے کہ "کیا آپ کے سرخاب کے پر لگے ہیں؟" یہ اینی ٹیڈی فیملی کا ممبر ہے۔

سرخاب، لداخ، تبت، جنوب مشرقی یورپ، وسط ایشیا وغیرہ کا رہنے والا پرندہ ہے۔ جب ان علاقوں میں شدید ٹھنڈ پڑنے لگتی ہے تو یہ ہجرت کر کے برصغیر ہند میں آجاتا ہے۔ اس لیے یہ ہمارے یہاں اکتوبر سے مارچ تک ہی ملتا ہے۔

یہ تقریباً ۶۵ سے ۷۰ سینٹی میٹر لمبا ہوتا ہے۔ جسم کا رنگ سندوری بھورا، سر اور گردن قریب قریب سفید، چونچ کالی، آنکھیں گہری بھوری، پاؤں کالے چھوٹے اور جھلی دار، دم کالی اور چھوٹی اور بازوؤں کے سرے کالے ہوتے ہیں۔ بازوؤں کے دونوں اطراف میں ایک سفید دھبہ ہوتا ہے جس کے پیچھے ایک چمکیلا ہرا کالا حصہ ہوتا ہے۔ اڑتے وقت نیچے سے اس کے پر سفید اور کالے دکھائی دیتے ہیں۔ بھی ڈک (بطخوں) کی طرح اس کے بازو بھی کم چوڑے اور نکیلے ہوتے ہیں جو تیز اور لمبی پرواز میں اس کی مدد کرتے ہیں۔

عام طور پر نر اور مادہ ایک جیسے دکھائی دیتے ہیں لیکن افزائش نسل کے موسم میں نر

www.taemeernews.com

کی گردن کے نچلے حصے پر ایک کالی گول دھاری بن جاتی ہے۔

اس کا وزن ایک کلو سے دو ڈھائی کلو تک ہوتا ہے۔ لیکن اس کا گوشت کھانے کے لیے اچھا نہیں مانا جاتا اس لیے اس کا شکار کم کیا جاتا ہے۔

سرخاب قریب قریب ہر چیز کو کھالیتا ہے۔ جیسے پودوں کی نئی کونپلیں، سیپ اور گھونگھے۔ پانی میں تیرتے چھوٹے موٹے کیڑے مکوڑے، چھوٹی مچھلی وغیرہ۔ یہ عام طور پر رات میں ہی کھاتا ہے۔ دن میں آرام کرتا ہے۔ آرام کرتے وقت یہ اکثر ایک ٹانگ پر کھڑا ہو جاتا ہے اور گردن کو موڑ کر کندھوں پر رکھ لیتا ہے۔ اس کی آواز ناک سے نکلتی ہے "اونک اونک" جیسی ہوتی ہے جو سننے میں بہت درد بھری لگتی ہے۔ یہ خشکی پر بھی آجاتا ہے۔ اڑتے وقت بھی بولتا ہے۔ رات کو خوراک کی تلاش میں ادھر ادھر گھومتے ہوئے یہ تھوڑی دیر بعد آواز نکالتا ہے جس سے ایک کو دوسرے کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے کیونکہ ان کی آواز میں بڑا درد ہوتا ہے اس لیے ایسا کہا جاتا ہے کہ چکوا چکولی میں بچھڑے ہوئے پریمیوں کی روح ہوتی ہے جو رات میں ایک دوسرے کو دیکھ اور سن سکتے ہیں۔ لیکن مل نہیں سکتے۔

چکوے سے متعلق شمالی بہار (میتھلا) میں ایک تیوہار بھی منایا جاتا ہے۔ اس کے تحت کارتک کے ماہ کی چودھویں رات کو لڑکیاں چکوا چکولی کی مورتیاں لے کر دھان کے کھیت میں چکوا چکولی کے گیت گاتی ہیں جو بڑے درد بھرے ہوتے ہیں۔

مارچ اپریل میں چکوا چکولی اپنے اپنے رہنے کے خاص مقامات پر واپس لوٹنا شروع ہو جاتے ہیں۔ جہاں مئی جون میں نر اور مادہ ملتے ہیں۔ اس دوران جوڑا مل کر اپنا گھونسلہ زمین، دیوار، چٹان یا پیڑ کے کھوکھلے میں بناتے ہیں۔ مادہ چھ سے دس انڈے دیتی ہے جس کو مادہ ہی ۲۸ سے ۳۰ دن تک سیتی ہے۔ بچے نکلنے پر ان کی دیکھ بھال ماں باپ دونوں مل کر کرتے ہیں۔ ستمبر تک یہ بچے بالکل اپنے ماں باپ کی طرح تیار ہو کر سیکڑوں میل کا سفر طے کرنے کے لیے نکل پڑتے ہیں۔

www.taemeernews.com

اندر جیت لال

ہمارا قومی پرندہ مور

شاید کم لوگوں کو اس بات کا علم ہو گا کہ جس طرح ہندوستان کا ایک قومی جھنڈا اور قومی ترانہ ہے اسی طرح اس کا ایک قومی پرندہ بھی ہے اور یہ پرندہ مور ہے۔ ہمارے ملک کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی یہ پرندہ خاصا مقبول ہے۔ کہتے ہیں کہ جب سکندر اعظم نے ہندوستان پر حملہ کیا تو جاتے ہوئے لگ بھگ دو سو مور ساتھ لے گیا۔ ایک تاریخ داں کا کہنا ہے کہ یورپ میں مور یونان کے راستے ہندوستان سے پہنچا۔ جب یورپ میں سیکڑوں برس پہلے بادشاہوں کی حکومت ہوا کرتی تھی تو مور کا گوشت پیش کرنے کو بہت بڑی مہمان نوازی سمجھا جاتا تھا۔ آج کل یہ صورت تو نہیں ہے، لیکن ماہروں نے اس کے کئی اور فائدے معلوم کیے ہیں جو آج سے برسوں پہلے معلوم نہ تھے۔

ہندوستان نے اسے کیوں قومی پرندہ چنا، اس کے پیچھے ایک لمبی کہانی ہے۔ جانوروں کی صحت اور حفاظت کے لیے ایک بین الاقوامی ادارہ ہے، جس کا ممبر ہندوستان بھی ہے۔ ۱۹۶۵ء میں اس ادارے نے سب ملکوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنے اپنے ملک کے لیے ایک ایک پرندہ چن لیں۔ اور اس طرح سب ملک پرندوں کی حفاظت کے لیے کوشش کریں۔ ہندوستان نے مور کے علاوہ سارس اور بلبل کو قومی پرندہ چننے پر غور کیا، لیکن آخرکار قرعہ مور کے حق میں رہا۔

مور نہایت سست اور کاہل الوجود جانور ہے۔ ایک مور پانچ پانچ بیویاں رکھتا ہے۔

www.taemeernews.com

اسے اپنے خاندان اور اپنے حسن پر بڑا فخر رہتا ہے۔ طبیعت کے اعتبار سے یہ سانپ کی طرح زہریلا اور بلی کی مانند چور ہوتا ہے۔ جنگلی بھینسے کی طرح یہ اپنے شکار کو پھانستا ہے۔ عام طور پر گھنے جنگلوں یا دریاؤں اور ندیوں کے کنارے رہتا ہے۔ یہ جانور گروہوں میں اڑتا اور اٹھتا بیٹھتا ہے۔ صبح و شام کو کھیتوں وغیرہ پر اڑ کر شکار کی تلاش کرتا ہے۔

مور اناج، بیج اور سبزیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کھاتا ہے۔ اس کے علاوہ کیڑے مکوڑے، چھپکلی وغیرہ بھی اس کا من بھاتا کھانا ہیں۔ مور میں موسم کی پیشن گوئی کرنے کی خاص صلاحیت ہے، اور یہ پیشن گوئی کبھی غلط ثابت نہیں ہوتی۔ جب برسات کے موسم میں مینہ برسنے کی امید ہو تو مور ایک عجیب ناچ پیش کرتا ہے۔ یہ ناچ بارش کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

مور کی آواز بہت بلند ہوتی ہے جو جنگلی بلی کی آواز سے ملتی جلتی ہے۔ کچھ لوگ تو یوں کہتے ہیں کہ مور کی آواز "مینہ آؤ" بارش کی پیشن گوئی ہوتی ہے اور کبھی غلط ثابت نہیں ہو سکتی۔

ہندو اس پرندے کی بہت عزت کرتے ہیں اور اسے سرسوتی دیوی کی سواری مانتے ہیں۔ علامتی طور پر مور عقل کے معنی رکھتا ہے۔ مور کا ہندوستان کی مصوری میں ایک مقام ہے۔ کتھک ناچ میں ایک خاص ناچ مور کا ناچ بھی ہے۔ سنتوبان کے لوگ خصوصاً مور کے ناچ کے لیے مشہور ہیں۔

ہندوستان کے لوک گیتوں اور شعر و شاعری کے لیے بھی مور ایک پسندیدہ موضوع ہے۔ یوپی میں خاص طور پر جو گیت برکھا کے دنوں میں گائے جاتے ہیں ان میں مور کا ذکر بہت ملتا ہے۔ مور کے پروں کے پنکھے ہندوستان کے علاوہ باہر کے ملکوں میں بھی پسند کیے جاتے ہیں۔ جو یورپی سیاح تاج محل وغیرہ دیکھنے آتے ہیں وہ مور کے پنکھے اپنے ساتھ سوغات کے طور پر واپس لے جاتے ہیں۔

www.taemeernews.com

تابش قمر

وائرس کیا ہے

وائرس اتنے باریک ہوتے ہیں جو معمولی مائیکرو اسکوپ سے بھی دکھائی نہیں دیتے۔ انھیں دیکھنے کے لیے الیکٹرون مائکرو اسکوپ کی ضرورت ہوتی ہے۔ وائرس کو قدرتی طور پر پیدا ہونے اور انسان کے پیدا کرنے والی دونوں فہرستوں میں رکھا جاتا ہے کیونکہ یہ انسان اور دوسری جاندار چیزوں کے اندر ہی پلتے اور بڑھتے ہیں اس لیے انھیں قدرتی اور غیر قدرتی دونوں فہرستوں میں رکھا جاتا ہے۔

وائرس کا پتہ سب سے پہلے ۱۸۸۸ء میں NEYER نے تمباکو کی پتیوں سے لگایا تھا۔ وائرس کئی طرح کے ہوتے ہیں کچھ گیند کی طرح کے ہوتے ہیں تو کچھ چھڑوں کی طرح لمبے۔ لیکن یہ بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ اور کچھ وائرس تو اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ اگر ان کو ناپا جائے تو ایک انچ کے دس لاکھویں حصے کے برابر ہوتے ہیں۔ یہ پودوں، جانوروں اور انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ جانداروں میں ہی پیدا ہوتے ہیں۔ وہیں بڑھتے اور وہیں سے بیماریاں پھیلاتے ہیں۔ وائرس انسانوں، جانوروں اور پیڑ پودوں میں طرح طرح کی بیماریاں پھیلاتے ہیں۔ الگ الگ قسم کے وائرس الگ الگ قسم کی بیماریاں پھیلاتے ہیں۔ چیچک، پولیو، خسرہ، پیلیا، آنکھوں کے روہے وغیرہ ایسی بیماریاں ہیں جو وائرس کے ذریعہ ہی پھیلتی ہیں۔ کچھ وائرس دماغ پر حملہ کر کے بیماریاں پھیلاتے ہیں۔ لقوہ، دماغی بخار اور ریبیز نام کی بیماریاں انسان کے جسم میں وائرس داخل ہونے کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ ٹماٹر، کیلا، گنا، نیبو

www.taemeernews.com

اور کپاس کے پودوں میں بھی کئی بیماریاں وائرس پیدا کرتے ہیں۔اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ وائرس ہماری جیتی جاگتی دنیا میں سب سے بڑے دشمن ہیں۔وائرس جانوروں اور انسانوں کو ہی متاثر نہیں کرتے بلکہ ہر طرح کے جاندار جیسے کیڑے، مچھلی، مینڈک، پھول والے پودے یہاں تک کہ بیکٹریا تک کو متاثر کرتے ہیں۔وائرس سے کچھ دوائیں بھی بنائی جاتی ہیں۔

زیادہ تر وائرس زیادہ گرمی اور زیادہ سردی دونوں سے مر جاتے ہیں۔ پھر بھی کچھ وائرس کو مارنے کے لیے کلورین اور نمک کا جزو HYDROCHLORIC ACID بھی کام آتا ہے۔

آج کل وائرس سے پیدا ہونے والی بیماریوں کی روک تھام کے لیے گندھک سے بنی دوائیاں SULPHAR DRUGS اور ہائی ٹیکس کا استعمال کیا جاتا ہے۔

www.taemeernews.com

توصیف الحسن

کمپیوٹر

کمپیوٹر ایک اطلاع تعاملاتی آلہ (انفارمیشن پروسسنگ ڈوائس) ہے۔ اسکو ہم عام طور پر انگریزی سے ملتی جلتی زبان میں ایک اطلاع دیتے ہیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی ہدایت (کمانڈ) دیتے ہیں کہ اسے کیا کرنا ہے ہماری ہدایت کے مطابق کام کر کے کمپیوٹر اس اطلاع کو مطلوبہ شکل میں واپس کر دیتا ہے۔ کمپیوٹر کو اطلاع دینے کے عمل کو ان پٹ اور کمپیوٹر سے مطلوبہ اطلاع واپس لینے کے عمل کو آؤٹ پٹ کہتے ہیں۔

مان لیجئے آٹھویں کلاس کے کچھ بچے اپنے ٹیچر کے ساتھ چڑیا گھر دیکھنے گئے ٹیچر نے وہاں موجود بچوں کے ناموں کی ایک فہرست بنائی۔ اگلے دن انھیں پرنسپل کو ان بچوں کے نام کی فہرست دینی تھی جو چڑیا گھر دیکھنے نہیں گئے۔ یہ کام کمپیوٹر کی مدد سے بہت آسانی سے کیا جاتا ہے۔ آٹھویں کلاس کے بچوں کے کل ناموں کی فہرست اور ان بچوں کے نام کی فہرست جو چڑیا گھر گئے تھے کمپیوٹر کو دینی ہوگی اور یہ بتانا ہوگا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ کمپیوٹر ہدایت کے مطابق کام کر کے ان بچوں کے ناموں کی فہرست دے گا جو چڑیا گھر نہیں گئے۔ یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ یہ کام تو ٹیچر خود بھی کر سکتا ہے پھر کمپیوٹر سے مدد لینے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سچ ہے کہ یہ کام ٹیچر خود بھی کر سکتا ہے لیکن اس میں وقت لگے گا جبکہ کمپیوٹر کام کو جلدی کر دیتا ہے اور اس کے کام میں غلطی بھی نہیں ہوتی۔

کمپیوٹر کو کیا کام کرنا ہے اور کس طرح کام کرنا ہے یہ باتیں انسان کے ذریعہ کمپیوٹر

www.taemeernews.com

کو بتائی جاتی ہیں۔ انسان کے ذریعہ ہدایت (کمانڈ) دیے بغیر کمپیوٹر کام نہیں کرتا۔ کمپیوٹر انسان کا کہنا ماننے والا نوکر ہے یہ انسان کی ہدایت کے مطابق کام کرتا ہے۔اس کے پاس عقل نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے انسان کے ذریعہ کمپیوٹر کو دی گئی ہدایت میں ذرا سی بھول چوک ہونے پر اس کے ذریعہ کیا گیا کام غلط ہو جاتا ہے۔

کمپیوٹر کی بناوٹ کمپیوٹر کے دو حصّے ہوتے ہیں:

(۱) ہارڈ ویر (۲) سافٹ ویر

ہارڈ ویر آلات اور کل پرزوں کو کہتے ہیں جبکہ سافٹ ویر ان باتوں کو کہتے ہیں جن کے ذریعہ ان آلات کو چلایا جاتا ہے، جیسے کچھ لوگ کتاب پڑھنے کے لیے چشمے کا استعمال کرتے ہیں۔ چشمہ اور کتاب ہارڈ ویر ہے اور کتاب میں لکھی ہوئی باتیں سافٹ ویر ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کمپیوٹر کے جسمانی حصّے جیسے مونیٹر، پروسسر لا تعداد چپس اور مختلف سرکٹ وغیرہ کمپیوٹر کا ہارڈ ویر ہیں جبکہ اس کو چلانے والی ہدایات (پروگرام) سافٹ ویر ہیں۔

ہارڈ ویر ہر ایک کمپیوٹر کا ہارڈ ویر چار حصوں میں بنا ہوتا ہے:

(۱) مرکزی تعاملاتی اکائی یا سی پی یو
(۲) یادداشت اکائی یا میموری یونٹ
(۳) اِن پُٹ یونٹ
(۴) آؤٹ پُٹ یونٹ

سی پی یو : کمپیوٹر کے سی پی یو کو کچھ حد تک انسان کے دماغ کی طرح مانا جا سکتا ہے جس طرح جسم کے دوسرے حصّے دماغ سے رہنمائی لے کر کام کرتے ہیں اسی طرح کمپیوٹر کے سبھی حصّے جیسے میموری یونٹ، اِن پُٹ یونٹ اور آؤٹ پُٹ یونٹ وغیرہ سی پی یو کی رہنمائی میں کام کرتے ہیں۔ سی پی یو دو خاص حصّوں میں بنا رہتا ہے۔

(الف) ارتھ میٹک اور لوجک یونٹ یا اے ایل یو: اس حصّے میں ایسے سرکٹ ہوتے ہیں جو حساب کے کسی بھی سوال کو حل کر سکتے ہیں اور اعداد یا ڈاٹا کے موازناتی مطالعے کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اعداد کے موازناتی مطالعے کی بنیاد پر کمپیوٹر اپنے کام کرنے

www.taemeernews.com

کی سمت طے کرتا ہے۔ یہی کمپیوٹر کی فیصلہ کن خوبی ہے۔ اعداد اور اس سے متعلق ضابطے دونوں ہی کمپیوٹر کی میموری یونٹ سے ارتھ میٹک اور لوجک یونٹ میں لائے جاتے ہیں اور ضابطے کے مطابق کام کرنے کے بعد اسے یا تو آؤٹ پٹ یونٹ میں چھپائی کے لیے بھیج دیا جاتا ہے یا محفوظ کرنے کے لیے میموری یونٹ میں بھیج دیا جاتا ہے۔

(ب) کنٹرول یونٹ: اس یونٹ میں وقت کنٹرول کرنے اور سوال کا حل ڈھونڈنے کے لیے ضروری سرکٹ ہوتے ہیں۔ یہ سرکٹ علامتیں پیدا کرتے ہیں جو کسی کمپیوٹر پروگرام کے ضابطوں کی ترتیب وار پاسداری کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ یہ یونٹ کمپیوٹر کے تمام کاموں پر عمل درآمد کراتی ہے۔ اس یونٹ کو عمل میں رکھنے کے لیے کمپیوٹر کو انسان کی ہدایت سے اشارے لینے ہوتے ہیں۔

ارتھ میٹک ولوجک یونٹ اور کنٹرول یونٹ عام طور پر ایک ہی چپ پر ہوتے ہیں اور یہ چپ مائیکروپروسسر کہلاتی ہے۔ مائیکروپروسسر کے کام کرنے کی رفتار نےنو سکنڈ میں ناپی جاتی ہے۔ نےنو سکنڈ کا مطلب ہے ایک سکنڈ کا دس اربواں حصہ۔ عام طور پر مائیکرو پروسسر میں کام کرنے کی ایک میعاد کا وقت پچاس نےنو سکنڈ سے دو سو نےنو سکنڈ ہوتا ہے۔ کسی کمپیوٹر کا سائز بٹس میں ناپا جاتا ہے ایک میعاد میں کوئی کمپیوٹر جتنی بٹس استعمال کرتا ہے وہ تعداد کمپیوٹر کے سائز کو بتاتی ہے۔

میموری یونٹ: یہ یونٹ کمپیوٹر کے ضابطوں اور اعداد کو محفوظ رکھتی ہے۔ اسے ہم ڈاکخانے کا خط چھانٹنے والا بٹ سمجھ سکتے ہیں جس میں چھوٹے چھوٹے اور بہت سے خانے ہوتے ہیں ہر خانے پر ایک پتہ لکھا ہوتا ہے۔ مان لیجئے ایسے سو خانے ہیں جن پر ا سے ۱۰۰ تک کی گنتی لکھی ہوئی ہے اب اگر ہم نے کوئی خط ۸۲ نمبر کے خانے میں ڈالا تو اسے وہاں سے نکالا جاسکتا ہے۔ اسی طرح خط پر لکھے پتے کے مطابق خط کو خانے میں ڈالا اور نکالا جاسکتا ہے۔ اس یونٹ کی بناوٹ بھی کچھ ایسی ہی ہوتی ہے۔ جس طرح ڈاک خانے کے خط چھانٹنے والے بکس میں خط محفوظ رہتے ہیں اسی طرح میموری یونٹ کے اعداد اور ضابطے محفوظ رکھنے کے لیے خانے بنے ہوتے ہیں۔

ان پٹ یونٹ: یہ یونٹ انسان کو کمپیوٹر سے جوڑتی ہے۔ کمپیوٹر کو کسی کام کے لیے ہدایت دینے کے لیے جس ہارڈویر کی ضرورت ہوتی ہے اسے ان پٹ یونٹ کہتے ہیں اور

www.taemeernews.com

اس کام کو کمپیوٹر کو اِن پُٹ دینا کہتے ہیں، کچھ اِن پُٹ یونٹیں اِن پُٹ اور آؤٹ پُٹ دونوں کا کام کرتی ہیں۔ انھیں اِن پُٹ آؤٹ پُٹ یونٹ کہتے ہیں۔ یہ دو طرح کی ہوتی ہیں۔ (الف) پنچ کارڈ ریڈر (ب) کی بورڈ۔

کی بورڈ کا کام ٹائپ مشین کی طرح ہوتا ہے۔ اس میں انگریزی زبان کے سبھی حرف (اے سے زیڈ تک) زیرو سے نو تک کے سبھی نمبر اور حساب میں استعمال ہونے والے کچھ خاص نشان جیسے + ' - ' . ' % وغیرہ کے لیے بٹن یا کی ہوتی ہیں۔ اس میں کچھ اور بٹن کی بورڈ چلانے کے لیے ہوتے ہیں۔ اس پر کچھ بٹن ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو پروگرام اور کمپیوٹر کے آپریٹنگ نظام کو کچھ خاص ہدایت دینے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ کی بورڈ کی مدد سے کمپیوٹر کی مادری زبان (بائی نری کوڈ) میں بدل کرے موری یونٹ میں مطلوبہ جگہ بھیج دیتا ہے اس طرح اِن پُٹ آلہ ہمارے اور کمپیوٹر کے بیچ تعلق قائم کرتا ہے۔ عام طور پر نری بورڈ ایک ویڈیو یا ٹی وی مونیٹر سے جڑا ہوتا ہے۔ جب کی بورڈ پر کوئی کی دبائی جاتی ہے تو اس کی پڑ دیے ہوئے حرف یا نشان کا بائی نری کوڈ کمپیوٹر کی مے موری میں چلا جاتا ہے اور اس کی پر دیا ہوا حرف یا نشان ویڈیو ٹرمنل یا ٹی وی مونیٹر کے اسکرین پر چھپ جاتا ہے اس طرح یہ بھی پتہ چلتا رہتا ہے کہ جو اِن پُٹ کمپیوٹر کو دیا گیا ہے وہ وہی ہے جو ہم کمپیوٹر کو دینا چاہتے ہیں یا غلطی سے کوئی دوسری کی تو نہیں دب گئی۔ اس طرح کمپیوٹر کو دیے جانے والے اِن پُٹ کی جانچ بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہتی ہے۔ اِن پُٹ میں غلطی ہو جانے پر کی بورڈ کے ذریعے اس غلطی کا سدھار بھی کیا جا سکتا ہے۔

آؤٹ پُٹ یونٹ کمپیوٹر اس حصے کے ذریعہ ہمارے سوالوں کے حل ہم تک پہنچاتا ہے۔ یہ یونٹ کئی طرح کی ہوتی ہے جیسے ان میں کچھ حرف آؤٹ پُٹ کا کام کرتی ہیں جیسے ٹی وی مونیٹر، پرنٹر وغیرہ۔ کچھ اِن پُٹ اور آؤٹ پُٹ دونوں کا کام کرتی ہیں جیسے ویڈیو ٹرمنل، فلوپی، ڈسک ڈرائیو، کیسٹ، ٹیپ ریکارڈ، ہارڈ ڈسک ڈرائیو اور ٹیپ ڈرائیو۔

ویڈیو اور ٹی وی مونیٹر آج کل آؤٹ پُٹ کے لیے ویڈیو یا ٹی وی مونیٹر کا استعمال ہوتا ہے۔ جب ہم پروگرام کا مستقل ریکارڈ اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں تو پرنٹر کا استعمال کرتے ہیں نہیں تو زیادہ تر مونیٹر ہی سے کام چل جاتا ہے۔ آج کل کالے اور رنگین مونیٹر بن رہے ہیں۔

www.taemeernews.com

ویڈیو ٹرمنل کی بورڈ خالص ان پٹ آلہ ہے۔ جب کہ ویڈیو مونیٹر خالص آؤٹ پٹ آلہ ہے۔ جب ان دونوں آلوں کو آپس میں جوڑ دیا جاتا ہے تب ویڈیو ٹرمنل بنتا ہے۔ آج کل ان پٹ اور آؤٹ پٹ آلات کی شکل میں ویڈیو ٹرمنل کا استعمال ہوتا ہے۔

فلوپی ڈسک ڈرائیو اس کے ذریعہ فلوپی ڈسک پر لکھے کمپیوٹر پروگرام، اعداد اور پروگرام سے حاصل ہونے والے نتائج لکھے اور پڑھے جاسکتے ہیں۔ فلوپی ڈسک ریکارڈ کی طرح فلوپی ڈرائیو میں گھومتی رہتی ہے۔ فلوپی ڈرائیو میں لگا ریڈ، رائٹ، ہیڈ فلوپی ڈسک پر اطلاع لکھ اور پڑھ سکتا ہے۔ یہ آکسلری یادداشت کا ایک آلہ ہے۔ فلوپی ڈسک عام ریکارڈ کی طرح ہوتی ہے جس پر مقناطیسی مادے کی تہہ چڑھی ہوتی ہے۔ عام ریکارڈ کی طرح ہی اس پر اطلاع لکھی اور پڑھی جاسکتی ہے۔ یہ دو ناپوں میں بنائی جاتی ہے (۱) ۵٫۲۵ انچ اور (۲) ۳٫۵ انچ۔ ایک فلوپی ڈسک پر ۱٫۲ میگا بائٹ ڈاٹا محفوظ رکھے جاسکتے ہیں۔

سافٹ ویر انسان کے ذریعہ کمپیوٹر کو دیئے جانے والے ڈاٹا اور ہدایت سے مل کر کمپیوٹر کا سافٹ ویر بنتا ہے۔ سافٹ ویر کو تین حصوں میں بانٹا جاسکتا ہے:

۱۔ آپریٹنگ سسٹم۔ یہ ایک بہت بڑا پروگرام ہے جو پورے کمپیوٹر کو چلاتا ہے۔ کسی کمپیوٹر کا آپریٹنگ سسٹم کمپیوٹر بنانے والی کمپنی کے ذریعہ فراہم کرایا جاتا ہے۔

۲۔ یوٹیلیٹیز پروگرام۔ یہ پروگرام کمپیوٹر کے عام کاموں کے ساتھ ساتھ اس کے رکھ رکھاؤ پر عمل در آمد کراتا ہے۔ اسے بھی کمپیوٹر بنانے والی کمپنی کمپیوٹر کے ساتھ فراہم کراتی ہے۔

۳۔ اپلیکیشن پروگرام۔ کمپیوٹر پر کام کرنے والے ہر انسان کو آپریٹنگ سسٹم اور یوٹیلیٹیز پروگرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کا کام ہر کمپیوٹر کے لیے مقرر ہوتا ہے۔ اسی لیے یہ دونوں پروگرام کمپیوٹر بنانے والی کمپنیوں کے ذریعہ ہی فراہم کرائے جاتے ہیں۔ اس طرح کے پروگرام جو کمپیوٹر پر کام کرنے والے شخص کے کچھ خاص مسئلوں کے حل کے لیے بنائے جاتے ہیں، اپلیکیشن پروگرام کہلاتے ہیں۔ کچھ اپلیکیشن پروگرام ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا استعمال بہت سے لوگ کر سکتے ہیں۔ ان پروگراموں کو لائبریری پروگرام کہتے ہیں۔

www.taemeernews.com

جاوید وششٹ

رکشابندھن

ہندوؤں کے چار بڑے تیوہار ہیں۔ دسہرہ، دیوالی، ہولی اور رکشابندھن۔ ہر تیوہار کی اپنی اہمیت اور خصوصیت ہوتی ہے۔ رکشابندھن بھائی بہن کے مقدس پیار کا تیوہار ہے۔ اسے راکھی کا تیوہار بھی کہتے ہیں۔ یہ تیوہار ساون کے مہینے کی پورنیما (پورے چاند کا دن) کو منایا جاتا ہے، بہن بھائی کی کلائی پر راکھی باندھ کر اپنی حفاظت کا عہد کراتی ہے۔ رکشا سنسکرت کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی ہیں حفاظت۔ گویا بہن اپنے بھائی کے ہاتھ میں راکھی باندھ کو اسے اپنی حفاظت کے لیے پابند کر لیتی ہے۔ اس طرح بہن بھائی کا مقدس اٹوٹ پیار اور گہرا ہو جاتا ہے۔

راکھی باندھتے وقت بہن بھائی کے ماتھے پر تلک لگاتی ہے۔ پھل، مٹھائی سے تواضع کرتی ہے، بھائی راکھی بندھوا کر اپنی حیثیت کے مطابق بہن کو تیوہاری دیتا ہے اور اپنی کلائی میں بندھی راکھی کو دیکھ خوش ہوتا ہے:

کرن میں گوندھ کر غنچوں کی تازگی لے کر
بہن کی چاہ نے کیا کیا سجائی ہے راکھی
کنول کا رنگ سحر کی چمک، شفق کی پھوار
میری کلائی پہ کیا جگمگائی ہے راکھی

اس تیوہار کا آغاز کب ہوا؟ یہ بتانا مشکل ہے کیونکہ ہندو دیومالا میں ایسی کتھائیں ملتی ہیں جن میں رکشابندھن کا ذکر ہے۔ مثلاً شنکر آچاریہ نے اسروں (راکشش) کے ہاتھ

www.taemeernews.com

میں راکھی باندھی تھی۔ شنکر آچاریہ اسروں کے گرو تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی دیوتاؤں کے گرو برہسپت نے دیوتاؤں کو رکشا سوتر (دھاگا) باندھے تھے۔ راجا اندر کے ہاتھ پر اندرانی کے راکھی باندھنے کی روایت بھی موجود ہے۔ یہ واقعات ست یگ کے ہیں۔ برہمن بھی رکشابندھن پر اپنے یجمانوں (چیلوں) کے راکھی باندھتے ہیں اور آشیرواد (دعا) دے کر دکشنا (نذرانہ) وصول کرتے ہیں۔

مغل دور کی ایک دلچسپ تاریخی روایت ہے کہ میواڑ راج کی رانی کرم وتی نے بڑے اعتماد کے ساتھ اپنی مدد کے لیے ہمایوں کے لیے راکھی بھیجی تھی۔ ہمایوں نے راکھی کا احترام کرتے ہوئے پرانی دشمنی بھلا کر میواڑ راج کی حفاظت کی۔

پہلے راکھیاں کچے دھاگے کی ہوتی تھیں، اب زرق برق اور نئے نئے ڈیزائن کی ہوتی ہیں:

برادرانہ محبت کی آنکھ پرنم ہے
اٹھا ہے رنگ کا طوفاں حسین راکھی ہے
بہت لطیف ہیں رشتے یہ کتنے محکم ہیں
بندھے ہیں دل کسی نازک مہین راکھی سے

دوسرے تیوہاروں میں کوئی نہ کوئی بری رسم رواج پا گئی ہے۔ مثلاً دیوالی کے موقعہ پر جوا کھیلنا یا ہولی میں رنگ کے علاوہ کیچڑ کا استعمال، بھنگ، چرس، شراب وغیرہ پی کر ہڑبونگ مچانا۔ لیکن رکشابندھن کا تیوہار بڑا پاکیزہ اور ہر مذموم رسم سے پاک ہے۔

گاؤں میں رکشابندھن کو ''سلونا'' کہتے ہیں۔ ایک دن پہلے گھر کے دروازوں کے دونوں طرف کھریا مٹی سے تھوڑی جگہ چوکور شکل میں پوتی جاتی ہے پھر اس پر گیرو کے رنگ سے ''سونا'' دھرے جاتے ہیں سلونے کے دن ان کی پوجا ہوتی ہے اور ان پر بھی راکھی سویوں سے چپکائی جاتی ہے پھر اس کے بعد راکھی باندھنے کی رسم ادا کی جاتی ہے۔۔۔ ڈاک کے ذریعہ بھی راکھیاں بھیجی جاتی ہیں ایسی صورت میں جب بہن یا بھائی پردیس میں ہوں:

مہک ہے پیار کی خوشبو ہے یاد کی بر سو
تیرا خیال ہے راکھی میں اک اجالا ہے
تمام رنگ محبت تمام رنگ وفا
جھکاؤ سر کہ یہ راکھی بھی اک شوالہ ہے

www.taemeernews.com

خسرو متین

کلوروفارم

آج سے تقریباً ایک سو چالیس سال پہلے کی بات ہے۔ انگلینڈ کے ایک مشہور ہسپتال ایڈ منبرا کے صدر دروازے پر ایک کار آکر رکی۔ اس کار سے ایک زخمی نوجوان کو اتارا گیا۔ نوجوان بری طرح خون میں لت پت تھا۔ ڈاکٹروں نے فوری طور پر اسے طبی امداد فراہم کی۔ آپسی صلاح و مشورہ کے بعد ڈاکٹروں نے ضروری سمجھا کہ نوجوان کی داہنی ٹانگ کاٹ دی جائے ورنہ پورے جسم میں زہر پھیل جائے گا اور نوجوان کا بچنا ناممکن ہو جائے گا۔

زخمی نوجوان کو فوراً آپریشن تھیٹر میں پہنچا دیا گیا۔ اس وقت تک آپریشن سے پہلے مریض کو بے ہوش کرنے کی کوئی دوا ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ بڑے سے بڑے آپریشن مریض کو بے ہوش کیے بغیر ہی کئے جاتے تھے۔ آپریشن تھیٹر میں جیسے ہی مریض کی ٹانگ کاٹنے کا کام شروع ہوا ویسے ہی درد سے تڑپتے اس کی دل کو دہلا دینے والی چیخیں آپریشن تھیٹر کے باہر گونجنے لگیں۔ درد سے تڑپتے زخمی نوجوان کی کرب ناک چیخوں نے آپریشن تھیٹر کے باہر کھڑے نوجوان ڈاکٹر جیمسن ینگ کو سر سے پاؤں تک لرزہ دیا۔ وہ بے چین ہو گئے۔ جب بے چینی حد سے بڑھی تو آپریشن تھیٹر سے دور ہسپتال سے باہر نکل گئے۔

ڈاکٹر جیمسن آپریشن تھیٹر سے دور تو چلے گئے تھے مگر اس زخمی نوجوان کی کرب ناک چیخیں مسلسل ان کا پیچھا کر رہی تھیں۔ آخر انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ مریضوں کو اس درد انگیز تکلیف سے نجات دلا کر ہی رہیں گے۔ جس وقت یہ نوجوان ڈاکٹر اپنے گھر پہنچا تو اس

www.taemeernews.com

کے ساتھ اعتماد ویقین کی بے پناہ قوت تھی، اس دن سے ڈاکٹر جیمسن ایک ایسی دوا کی تلاش میں لگ گئے جس کے ذریعہ آپریشن سے پہلے مریض کو بے ہوش کیا جاسکے تاکہ مریض کو اس جان لیوا درد کے احساس سے نہ گزرنا پڑے۔

یوں تو ڈاکٹر جیمسن نے جلد ہی ایسی دوا ایجاد کرلی تھی۔ مگر وہ اس سے پوری طرح مطمئن نہیں تھے۔ وہ دوا کے بعد کے برے اثرات کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے۔ جیمسن پھر اپنی کوشش میں لگ گئے۔ انھیں دن رات کا ہوش نہ تھا۔ ان کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد تھا اور اپنے مقصد کو پانے کے لیے انھوں نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

ایک رات جیمسن اپنی تجربہ گاہ میں کسی رقیق سے بھری بوتل کی کاگ کھول رہے تھے۔ کاگ کھولتے ہوئے انھوں نے اس رقیق کو سونگھ لیا۔ اس رقیق کو سونگھتے ہی جیمسن کے ذہن کو ایک جھٹکا لگا۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ اس کا جیمسن کو بھی پتہ نہیں چلا۔ سویرے جب جیمسن کا نوکر تجربہ گاہ میں آیا تو ڈاکٹر کو زمین پر بے حس وحرکت پڑا دیکھ کر گھبرا گیا۔ اس نے چیخ چیخ کر آس پڑوس کے لوگوں کو جمع کر لیا۔ تمام لوگ ڈاکٹر جیمسن کو زمین پر پڑے ہوئے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ شور وغل سن کر ڈاکٹر کی بے ہوشی ٹوٹی۔ اس نے اپنے آپ کو اتنے لوگوں کے درمیان اس حالت میں پایا تو اسے بڑا تعجب ہوا۔ مگر جلد ہی رات کا واقعہ اس کے ذہن میں پوری طرح ابھر آیا۔ وہ تیزی سے اٹھا اور جلدی جلدی اپنی ڈائری میں کچھ نوٹ کرنے لگا۔ وہ خوشی کے مارے پاگل ہوا جارہا تھا اور بری طرح چلا رہا تھا۔ بھیڑ میں موجود کئی لوگوں نے ڈاکٹر کو پکڑنا چاہا۔ وہ سمجھے شاید ڈاکٹر کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، اسے طبی امداد کی ضرورت ہے۔ بھیڑ میں کسی بھی شخص کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ جسے ہم سنکی سمجھ رہے ہیں دراصل اس سنکی آدمی نے نسلِ انسانی کے لیے کتنا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔

نوجوان ڈاکٹر جیمسن ینگ نے آخر کار وہ دوا ایجاد کرلی تھی جس کی تلاش میں اس نے اپنی نوجوانی کے کئی برس لگادئے تھے۔ اس دوا کا نام دیا گیا۔ ''کلوروفارم۔'' کلوروفارم کی ایجاد نے آپریشن کے میدان میں دھوم مچادی۔

نومبر ۱۸۴۷ء کا وہ دن میڈیکل سائنس کی دنیا میں ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا جب ایک نوجوان ڈاکٹر جیمسن ینگ نے اپنی انتھک کوششوں سے کلوروفارم کی ایجاد کی۔

ڈاکٹر جیمسن کا یہ کارنامہ نسلِ انسانی پر ایک احسانِ عظیم ہے۔

www.taemeernews.com

سر سید احمد خاں

تعلیم و تربیت

ایک مصنف کی ایک بات کو ہم اپنی طرز پر اپنے لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

تعلیم اور تربیت کو ہم معنی سمجھنا بڑی غلطی ہے بلکہ وہ جدا جدا دو چیزیں ہیں۔ جو کچھ کہ انسان میں ہے اس کو باہر نکالنا انسان کو تعلیم دینا ہے اور اس کو کسی کام کے لائق کرنا اس کا تربیت کرنا ہے۔ مثلاً جو قوتیں کہ خدا تعالیٰ نے انسان میں رکھی ہیں ان کو تحریک دینا اور شگفتہ و شاداب کرنا انسان کی تعلیم ہے اور اس کو کسی بات کا مخزن اور مجمع بنانا اس کی تربیت ہے۔

انسان کو تعلیم دراصل کسی چیز کا باہر سے اس میں ڈالنا نہیں ہے بلکہ اس کے دل کے سوتوں کا کھولنا اور اندر کے سرچشمہ کے پانی کو باہر نکالنا ہے۔ جو صرف اندرونی قویٰ کو حرکت میں لانے اور شگفتہ و شاداب کرنے سے نکلتا ہے اور انسان کو تربیت کرنا اس کے لیے سامان کا مہیا کرنا اور اس سے کام کا لینا ہے۔ جیسے جہاز تیار ہونے کے بعد اس پر بوجھ لادنا اور حوض بنانے کے بعد اس میں پانی کا بھرنا۔ پس تربیت پانے سے تعلیم کا بھی پانا ضروری نہیں ہے۔ تربیت جتنی چاہو کرو۔ اور اس کے دل کو تربیت کرتے کرتے منہ تک بھر دو۔ مگر اس سے دل کی سرچی سوتیں نہیں کھلتیں بلکہ بالکل بند ہو جاتی ہیں۔ اندرونی قویٰ کو حرکت دیئے بغیر تربیت ہو جاتی ہے مگر تعلیم کبھی نہیں ہوتی اس لیے ممکن ہے کہ ایک شخص کی تربیت تو بہت اچھی ہو اور تعلیم بہت بری ہو۔ یہی ٹھیک حال ہم مسلمانوں کے عالموں اور تربیت یافتہ لوگوں کا ہے کہ تربیت تو نہایت اچھی اور تعلیم کچھ بھی نہیں۔ ظاہر میں دیکھو تو

www.taemeernews.com

طمطراق بہت کچھ مگر جب اصلیت ڈھونڈو تو کچھ نہیں۔ بھاری بھرکم تو عمامہ ودستار جبہ اور کرتہ سے بہت کچھ مگر دل کی اور اندرونی قویٰ کی شگفتگی دیکھو تو کچھ بھی نہیں۔ نہایت عمدہ قول ہے کہ کتابوں کا پڑھادینا تو تعلیم کا نہایت ادنیٰ اور سب سے زیادہ حقیر جزو ہے۔ بلکہ اس قسم کے بہت سے پڑھنے سے جس میں اندرونی قویٰ کی تحریک اور شگفتگی نہ ہو، جس قدر دل کے قویٰ کمزور اور ناکارہ ہو جاتے ہیں اور صرف زبانی بک بک اور تکبر وغرور اور اپنے آپ کو بے مثل وبے نظیر وقابلِ ادب سمجھنے کے اور کچھ باقی نہیں رہتا، زندہ ہوتے ہیں مگر دلی اور روحانی قویٰ شگفتگی کے اعتبار سے بالکل مردہ ہوتے ہیں۔ کتابیں پڑھتے ہیں اور جس قدر عمدہ کتابیں افراط سے بہم پہنچیں ان کو اور زیادہ پڑھتے ہیں اور ان سے تربیت حاصل کرتے ہیں اور ایسے بیل کی مانند ہو جاتے ہیں جو برابر چرتا ہے اور پھر بھی چراگاہ ہی میں رہنے کی خواہش کرتا ہے۔ پس کتابیں پڑھ لینے سے انسانیت نہیں آجاتی بلکہ وہ کتابی علم خود ان پر بوجھ ہوتا ہے۔

اس تقریر سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ تمام خرابیوں کی جڑ جو ہم پر نازل ہے یہی ہے کہ ہم نے اپنے دل کو اور اپنے اندرونی قویٰ کو بالکل خراب کر دیا ہے۔ علم جو حاصل کرتے ہیں وہ بھی بعوض اس کے کہ روحانی قویٰ کو شگفتہ وشاداب کرے ان کو پژمردہ کر دیتا ہے اور ہمارے قویٰ کو جو درحقیقت سرچشمے تمام نیکیوں کے ہیں بالکل کمزور اور ناکارہ کر دیتا ہے اور ہماری حالت تمام معاملات میں کیا دین کے اور کیا دنیا کے خراب ہوتی چلی جاتی ہے۔ پس ہم کو اپنے پر رحم کرنا چاہیے اور ایسی تعلیم کو اختیار کرنا چاہیے جو اندرونی قویٰ کو شگفتہ وشاداب کرے اور دل کے سوتوں کو کھول کر سرچشمہ سے پانی باہر نکالے جس سے ہماری زندگی سرسبز وشاداب ہو۔

www.taemeernews.com

سکندر صدیقی

کیسے ہوتا ہے سورج گرہن؟

سورج آگ کے جلتے ہوئے گولے کی طرح نظر آتا ہے۔ اس کی روشنی اتنی تیز ہوتی ہے کہ ہم اس سے نظر نہیں ملا سکتے۔ صرف صبح اور شام ہی سورج کی طرف دیکھ کر یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس میں کتنی گرمی ہوگی۔ یہ کتنا گرم ہے۔ اس کا پتہ صرف سائنس داں ہی لگا سکتے ہیں۔ اس کا درجہ حرارت اتنا زیادہ ہے کہ وہاں تک پہنچنا ناممکن ہے۔ اس کی سطح کا درجہ حرارت ۶۰۰۰ سینٹی گریڈ ہے۔ اس درجہ حرارت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ لوہے جیسی دھات بھی ۱۴۳۰ سینٹی گریڈ پر پگھل جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی بھی دھات ایسی نہیں ہے جو سورج کی سطح پر ٹھوس حالت میں رہ سکتی ہو۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سورج گیسوں سے مل کر بنا ہے۔ جیسے جیسے سورج کی سطح سے اندر کی طرف جایا جائے ویسے ویسے درجہ حرارت بڑھتا جاتا ہے۔ سائنس دانوں نے یہ پتہ لگایا ہے کہ سورج کا مکمل درجہ حرارت ۱۵۰ لاکھ ڈگری سینٹی گریڈ ہے۔ سورج سے کتنی گرمی زمین پر آتی ہے اس کا پتہ لگانے کے لیے کچھ تجربات کیے گئے ہیں۔ ان تجربات سے یہ پتہ لگا ہے کہ ہماری زمین کے فی مربع گز حصے پر ایک منٹ میں دو کیلوری شمسی توانائی آتی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اتنی بڑی زمین پر سورج سے کتنی شمسی توانائی آتی ہوگی۔

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہماری زمین سورج خاندان کا ہی ایک گرہ ہے۔ اور یہ سورج کے گرد گھومتی ہے۔ اس طرح چاند زمین کے گرد گھومتا ہے۔ زمین اور چاند خلا میں

www.taemeernews.com

سورج کی روشنی کو روک کر اپنی لمبی لمبی پرچھائیاں بناتے ہیں۔ گھومتے گھومتے جب کبھی سورج زمین اور چاند کی سیدھ میں آجاتا ہے اور چاند سورج اور زمین کے بیچ میں آجاتا ہے تو چاند کی پرچھائی جو سورج کی مخالف سمت میں ہوتی ہے زمین پر پڑتی ہے۔ اور چاند سورج سے آنے والی روشنی کی کرنوں کو زمین کے کسی حصہ پر آنے سے روک لیتا ہے۔ زمین کے اس حصے پر رہنے والے لوگوں کو ایسا لگتا ہے کہ زمین پر اندھیرا ہو گیا ہے۔ اسی کو سورج گرہن لگنا کہتے ہیں۔ سورج چاند اور زمین ایک سیدھ میں صرف اماوس کے دن ہی آتے ہیں۔ اس لیے سورج گرہن اماوس کے دن ہی پڑتا ہے۔

سورج گرہن ہر اماوس کو نہیں پڑتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین اور چاند دونوں ایک دوسرے کے ساتھ پانچ ڈگری پر نیچے کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔ اس جھکاؤ کی وجہ سے گھومتا ہوا چاند زمین کے خط سے کبھی نیچے ہوتا ہے تو کبھی اوپر۔ صرف کبھی کبھی تینوں ایک سیدھ میں آپاتے ہیں۔

زمین، سورج اور چاند کی سمتیں جان کر یہ پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ سورج گرہن کب اور کس وقت تک پڑے گا۔ اگر چاند سورج کی روشنی کو پوری طرح روک لیتا ہے تو سورج گرہن پورا پڑتا ہے اور اگر چاند سورج کے تھوڑے حصہ کو ڈھکتا ہے تو سورج کے کچھ حصہ پر سورج گرہن ہوتا ہے۔ پورے سورج گرہن میں بھی سورج کے کنارے دکھائی دیتے ہیں۔

www.taemeernews.net

گوپی چند نارنگ

اردو ہماری زبان

اپنی زبان کس کو پیاری نہیں لگتی۔ اس بارے میں طرف داری برحق، لیکن "سخن فہمی" بھی ضروری ہے۔ اردو کی زلفِ گرہ گیر کے ہم سب اسیر ہیں۔ اردو کے حسن و خوبی کا تذکرہ کون نہیں کرتا۔ اس کے لطف و اثر اور شیرینی اور دلنشینی کی کشش کون محسوس نہیں کرتا، کون نہیں جانتا کہ اردو ہندوستان کی، بلکہ اس برصغیر یا جنوبی ایشیا کی ایسی زبان ہے جس میں اخذ و قبول کا حیرت انگیز ملکہ ہے، اور جس کا دامن طرح طرح کے پھولوں سے بھرا ہے، اور جس کی جادو اثری میں "شکوہِ ترکمانی، ذہنِ ہندی، نطقِ اعرابی" تینوں کا ہاتھ ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اردو نے ہند آریائی کا دودھ پیا ہے اور اسی دھرتی پر پلی بڑھی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ جب نئی تاریخی حقیقتیں ابھرتی ہیں تو نئے سماجی تقاضے پیدا ہوتے ہیں، اور نئی سچائیاں وجود میں آتی ہیں۔ اردو ایسی ہی ایک سچائی ہے۔ لسانی، سماجی اور تہذیبی سچائی جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے صدیوں کے سابقے اور اختلاط وارتباط سے وجود میں آئی۔ اس وقت اس کا کوئی نام نہیں تھا۔ کوئی بھی سچائی جب جنم لیتی ہے، اس کا کوئی نام نہیں ہوتا۔ سچائیوں کو نام تو اس وقت ملتا ہے جب وہ خانہ زاد ہو جاتی ہیں۔ پراکرتوں کی دھرتی سے جب نیا اکھوا پھوٹا اور اس میں عربی، فارسی، ترکی اثرات کا پیوند لگا تو اس کا کوئی بھی نام نہیں تھا۔ ہند یعنی ہندوستان کی ہر چیز ہندی تھی، فارسی یائے نسبتی کے ساتھ، اس طرح ہر زبان ہندی تھی۔ امیر خسرو نے اسے ہندوی بھی کہا اور دہلوی بھی۔ اسی زمانے میں جب راگ رنگ کی محفلوں میں اس کے

www.taemeernews.com

نغمے سماں باندھنے لگے تو اسے 'ریختہ' بھی کہا گیا۔ دکن اور گجرات پہنچی تو دکنی اور گجری کہلائی پھر کسی نے اردو کہا، کسی نے ہندی، کسی نے کھڑی۔ بنیاد وہی ایک، راہیں الگ الگ ہو گئیں۔ نام سے کیا ہوتا ہے، لیکن یہاں نام ہی سے فاصلے بڑھے اور دوریاں ہوتی گئیں۔

اس امر کے تسلیم کرنے میں شاید ہی کسی کو تامل ہو کہ اردو زبان ہماری پچھلی کئی صدیوں کی تہذیبی کمائی ہے۔ ایسی کمائی جس سے کوئی انصاف پسند نظریں نہیں چرا سکتا۔ تاریخ کے سیل میں جب تہذیبیں بہہ جاتی ہیں، اور نسلیں پگھل جاتی ہیں، جب چہرے کے نقوش، لباس، پہناوا، رہن سہن، طور طریقے، نئی شاداہیوں سے ہم کنار ہوتے ہیں، جب گل وبلبل کا رشتہ نئی رنگینیوں کی خبر دیتا ہے، جب کوئل کوکتی اور آم کے پیڑوں پر بور آتا ہے، جب دلوں کے دروازے وا ہوتے ہیں، فصل کے فاصلے دھل جاتے ہیں اور وصل کے در کھلتے ہیں، ایسے میں زبان قوموں اور نسلوں کے دلوں کو جوڑنے کا کام کرتی ہے، اور محبت و یگانگت کے رشتے استوار ہوتے ہیں۔ تاریخ کے ایسے لمحوں میں جب تہذیب کی ہوا میں شراب کی تاثیر اور لطافت اور رس پیدا ہو جاتا ہے تو محبت کے دو بول سننے اور قلب و روح کو سرشار کرنے کے لیے کوئی اردو زبان پیدا ہوتی ہے۔ اردو کو محض اردو کہنا، اسے محض ایک زبان، اسے آٹھویں شیڈول کی درجہ بندی تک محدود رکھنا، اردو کے ساتھ بے انصافی ہی نہیں، پوری ہندوستانی تہذیب، ایک ہزار برس کی تاریخ، باہمی میل ملاپ، اور نئے ہندوستان اور اس کی تعمیر کے خوابوں اور امنگوں اور امیدوں اور ولولوں کی توہین بھی ہے۔ اہلِ نظر جانتے ہیں کہ اردو جینے کا ایک سلیقہ، سوچنے کا ایک طریقہ بھی ہے۔ اردو محض زبان نہیں، ایک طرزِ زندگی، ایک اسلوبِ زیست بھی ہے، اور مشترکہ تہذیب کا وہ ہاتھ بھی جس نے ہمیں گھڑا، بنایا، اور سنوارا ہے، اور وہ شکل دی ہے جسے ہم آج اپنی پہچان کی ایک منزل سمجھتے ہیں۔

درباروں سے اردو کا رشتہ بڑا معنی خیز ہے۔ اردو نے درباروں سے نہیں، بلکہ خود درباروں نے اردو سے رشتہ پیدا کیا اور دو اصلاً بازاروں، گلیوں، کوچوں، میلوں ٹھیلوں، جوگیوں، سنتوں، فقیروں اور صوفیوں کی زبان ہے۔ انھیں فقیروں، سنتوں اور صوفیوں نے اسے قریہ قریہ، اور شہر شہر پھیلایا، اور سورج کی کرنوں کی طرح یہ جہاں جہاں پہنچی، آنکھوں میں بستی اور دلوں کو شاداب کرتی گئی۔ اس کی پشت پر ہمیشہ انسان دوستی، وسیع النظری اور

www.taemeernews.com

محبت و یگانگت کا وہ تصور رہا جس سے قومیں عروج پاتی ہیں اور تاریخ میں ان کے کارناموں کے نقش جگمگاتے رہتے ہیں۔ یہی وہ زبان ہے، جس کی ملتی جلتی شکلوں میں بھگتوں، سنتوں اور صوفیوں نے توحید کے ترانے گائے۔ خواجہ معین الدین اجمیری چشتی ہوں یا حضرت بابا فرید الدین گنج شکر، حضرت نظام الدین اولیاء ہوں یا خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، دادو دیال ہوں یا ریداس، رامانند ہوں یا تکارام، کبیر ہوں یا نانک، سیکڑوں صوفیوں، سنتوں اور اولیاء اللہ نے اس زبان کے سر پر شفقت اور دعاؤں کا ہاتھ رکھا، اور مذہبوں کی ظاہرداری سے ہٹ کر باطنیت کے جوہر کو دیکھا، اور روحانیت اور سچی انسانیت کے پیغام سے لاکھوں کروڑوں انسانوں کے دلوں کو آباد کیا۔ حضرت نظام الدین اولیاء سے منسوب وہ روایت کس نے نہیں سنی کہ ایک دن چھت سے وہ جمنا کا منظر دیکھ رہے تھے، نیچے کچھ ہندو اپنے طریقے سے پوجا پاٹھ کر رہے تھے۔ معاً یہ مصرعہ زبان سے نکلا:

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

انسانیت اور رواداری کا یہ وہ درس ہے جس سے اردو کا مے خانہ ہمیشہ آباد رہا ہے۔

صدیوں کے اس تاریخی عمل میں جب کوئی محمد قلی قطب شاہ کہتا ہے:

میں نہ جانوں کعبہ و بت خانہ و مے خانہ کوں
دیکھیا ہوں ہر کہاں دستا ہے تجھ مکھ کا صفا

یا جب کوئی میر تقی میر کہتا ہے:

دیر و حرم کو دیکھا اللہ رے فضولی
یہ کیا ضرور تھا جب دل سا مکاں بنایا

گوش کو ہوش کے ٹک کھول کے سن شور جہاں
سب کی آواز کے پردے میں سخن ساز ہے ایک

تو محسوس ہوتا ہے کہ کوئی عظیم الشان سچائی گنبدِ افلاک کا سینہ چیرتی ہوئی ابھر رہی ہے۔ اردو کے ایوانِ شعر میں اس حقیقت کی گونج بار بار سنائی دیتی ہے۔ اس میں ہندو یا مسلمان کی کوئی تخصیص نہیں ہے:

وہی یک ریسماں ہے جس کو ہم تم تار کہتے ہیں

www.taemeernews.com

کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں

(ٹیک چند بہار)

دیر و مسجد پر نہیں موقوف کچھ اے غافلو
یار کو سجدے سے مطلب ہے کہیں سجدہ کیا

(مادھو رام جوہر)

دل بہ دل آئینہ ہے دیر و حرم
حق جو پوچھو ایک در ہے دو طرف

(دیا شنکر نسیم)

اپنا تو سر جھکے ہے دونوں طرف کہ اس کی
تصویر بت کدے میں اور ہے حرم میں خاکہ

(پیارے لال آشوب)

یا جس زبان میں غالب جیسے عظیم المرتبت شاعر نے اپنا مسلک یوں بیان کیا:

ہم موحد ہیں، ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

اس کی انسان دوستی کے پیچھے صدیوں کا جو فشار ہے، اُسے آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہندوستان کے ملے جلے سماج کی شیرازہ بندی میں جس زبان میں یہ منظم بالشان روایت رہی ہو، جس نے انسان دوستی، محبت اور یگانگت کے رشتوں کو اس طور پر مضبوط کیا ہو، اسے کسی ایک مذہب یا فرقہ سے وابستہ کرنا یا اس پر بدیسی ہونے کا الزام لگانا، یا غیر سمجھنا کہاں کا انصاف ہے۔ یہ نہ جمہوریت کے بھی خلاف ہے اور نہ ہی ہندوستانیت کے بھی۔

ہندوستانی زبانوں میں اردو، ہندی سے سب سے زیادہ قریب ہے اور ہندی اور اردو میں اٹوٹ رشتہ ہے

اس بات کو بھی اچھی طرح خاطر نشان کرنے کی ضرورت ہے کہ ہندوستان کی تمام ہند آریائی زبانوں میں اردو زبان ہندی سے سب سے زیادہ قریب ہے، اور ان دونوں میں

www.taemeernews.com

اٹوٹ رشتہ ہے۔اسے صدیوں کے سامراج کی سازش کہیے یا حالات کی ستم ظریفی، یا برصغیر کی سیاست کا دباؤ کہ وہ دو زبانیں جن میں سگی بہنوں کا رشتہ ہے انھی دونوں میں افتراق اور عدم اعتماد کی فضا پیدا کر دی گئی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے ہم سب صدق دل سے ہندی کا احترام کرتے ہیں۔ ہندی ہماری قومی زبان ہے، ہم ہندی کی ترقی چاہتے ہیں کیونکہ ہندی کی ترقی ہماری ترقی اور ہندی کا فروغ اصلاً ہمارا فروغ ہے۔ایک اندازے کے مطابق اردو کے ستر فی صدی الفاظ پراکرتوں کے ذریعہ سے آئے ہیں، یعنی ہندی ہیں۔ جتنا اشتراک اردو اور ہندی میں پایا جاتا ہے، شاید ہی دنیا کی کسی دو زبانوں میں پایا جاتا ہو۔ اردو کی تقریباً چھتیس (۳۶) آوازوں میں صرف چھ ایسی ہیں جو فارسی و عربی سے لی گئی ہیں، باقی سب کی سب ہندی اور اردو میں مشترک ہیں۔ خاص طور سے ہکار آوازیں، بھ پھ، تھ دھ، چھ جھ، کھ گھ، ہندی اور اردو میں ایک سی ہیں۔اسی طرح معکوسی آوازیں یعنی ٹ، ڈ، ڑ اور ان کے ہکار روپ ٹھ، ڈھ، ڑھ بھی ہندی اور اردو میں مشترک ہیں۔ یہ چودہ آوازیں اردو کا رشتہ پراکرتوں سے جوڑتی ہیں، اور نہ عربی میں ہیں اور نہ فارسی میں۔ گویا گنتی کی چند آوازوں کو چھوڑ کر اردو اور ہندی کے مصمتوں CONSONANTS کا ڈھانچہ تقریباً ایک جیسا ہے مصوتوں VOWELS میں اشتراک اس سے بھی زیادہ ہے یعنی صوتی ہم آہنگی سو فی صدی ہے۔ تفصیل کی گنجائش نہیں، مختصر یہ کہ جو دس بنیادی مصوتے اردو کے ہیں وہی ہندی کے ہیں، اور ان میں ذرہ برابر فرق نہیں۔

صرف و نحو کا یہ عالم ہے کہ کوئی جملہ بولیے ہندی میں یا اردو میں، لفظوں کا فرق ہو سکتا ہے لیکن جملے میں لفظوں کی ترتیب بالکل ایک جیسی ہے۔ تذکیر و تانیث یا روزمرے یا محاورے کا فرق کہیں کہیں جھلک دکھاتا ہے لیکن اتنا فرق تو اردو کے مختلف روپوں میں بھی مل جاتا ہے۔ جملے میں فعل کی بڑی اہمیت ہے۔ اردو فعل کا ہمارا سارا سرمایہ ہندی سے جڑا ہوا ہے، اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، لینا، دینا، آنا، جانا، رہنا، سہنا، سونا، جاگنا سیکڑوں ہزاروں فعل جیسے ہندی میں ہیں، ویسے ہی اردو میں ہیں۔ اردو نے بہت سے فعل عربی و فارسی سے لیے اور انھیں بھی ہندی وضع پر ڈھال لیا۔ مثلاً فرمانا، آزمانا، خریدنا، شرمانا، گزرنا، نرمانا، گرمانا، لرزنا، ترسنا، رنگنا، نوازنا، بخشنا یہ سب ہندی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

محاوروں کا معاملہ بھی اتنا ہی دلچسپ ہے۔ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔

www.taemeernews.com

صرف آنکھ، ناک، کان، منہ یا ہاتھ سے بننے والے محاوروں ہی کو دیکھ لیجئے۔ آنکھ سے بننے والے محاوروں اور ترکیبوں میں چند یہ ہیں:

آنکھ آنا، آنکھ اٹھانا، آنکھ لڑنا، آنکھ بچانا، آنکھ بدلنا، آنکھ بنوانا، آنکھ پتھرانا، آنکھ پھڑکنا، آنکھ پھوٹنا، آنکھ پھوڑنا، آنکھ پھیرنا، آنکھ جھکنا، آنکھ چرانا، آنکھ ہلنا، آنکھ لجانا، آنکھ لگنا، آنکھ مارنا، آنکھ ملانا، آنکھ نکالنا، آنکھیں بچھانا، آنکھیں بھر آنا، آنکھیں ٹھنڈی ہونا، آنکھیں روشن ہونا، آنکھیں موند لینا، آنکھوں میں دھول ڈالنا، آنکھوں میں رات کاٹنا، آنکھوں میں سمانا، آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا، آنکھوں میں پھرنا، آنکھوں میں جچنا، آنکھوں میں چڑھنا، آنکھوں سے لگالینا، آنکھوں کا پانی ڈھلنا، آنکھوں کے آگے اندھیرا آنا، آنکھوں پر قدم لینا، آنکھوں میں لہو اترنا، آنکھوں سے اوجھل ہونا، آنکھوں سے گر جانا، آنکھیں نیلی پیلی کرنا، آنکھیں کھل جانا، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا، آنکھیں چار ہونا، آنکھیں دکھانا، آنکھیں مٹکانا، آنکھوں پر بٹھانا، آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لینا، آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنا، آنکھ اونچی نہ ہونا، آنکھ بند کر کے کچھ دیکھنا، آنکھ بھر کر نہ دیکھنا، آنکھوں پر پردہ پڑنا، آنکھیں ٹھنڈی کرنا، آنکھ سے آنکھ ملانا، آنکھ سے لہو ٹپکنا، آنکھ کا پانی ڈھلنا، آنکھ کا کاجل چرانا، آنکھ کی پتلی کا پھرنا، آنکھ میلی نہ کرنا، آنکھ نہ جمنا، آنکھ نیچی کرنا، آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل، آنکھ کا اندھا گانٹھ کا پورا، آنکھ مچولی، آنکھوں آنکھوں میں، آنکھوں کے اندھے، نام نین سکھ، آنکھوں کی سوئیاں رہ گئی ہیں، آنکھوں کے ناخن تو لو، یہ صرف ایک جھلک ہے۔ مکمل گوشوارہ اس سے کئی گنا ہوگا۔ اس طرح کے محاورے، کہاوتیں اور ترکیبیں ہندی اور اردو دونوں کا مشترک سرمایہ ہیں۔

اردو نے فارسی، عربی الفاظ کو ہندی لفظوں کے ساتھ ملا کر سیکڑوں نئے مرکب بنائے۔ اب یہ ہندی اردو دونوں زبانوں میں یکساں رائج ہیں۔ کون ہے جو ڈاک خانہ، عجائب گھر، چٹھی رساں، گلاب جامن، جگت استاد، شرمیلا، رنگیلا، سبزی منڈی، گھوڑ سوار، دل دگی، گھر داماد، گھڑی ساز، تھانے دار یا لنگوٹیا یار کا استعمال نہیں کرتا۔ یا بے گھر، بے سمجھ، بے کل، بے بس، بے چین، بے ڈول، سدا بہار، دیوانہ پن، چوبے دان، کنوارا دان، یا سنگار دان سے واقف نہیں۔ یا کون ہے جس نے "امام باڑے" نہیں دیکھے یا "نوچندی" کے میلے کا ذکر نہیں سنا، یا دل لگی باز، اکڑ باز، دھوکے باز، بٹیر باز، پتنگ باز، چوسر بازی اور پھکڑ بازی سے واقف نہیں۔ ہندوستانی سماج سے بھڑکدار کپڑے، بلدار دوپٹے، اور بیل دار پلنگ پوش ابھی غائب

www.taemeernews.com

نہیں ہوئے ہیں۔ فارسی، عربی اور ہندی کے یہ ملے جلے لفظ، یا گنگا جمنی لفظ کتنی بڑی تعداد میں ہیں، اور اردو اور ہندی دونوں میں آج بھی کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔ دھاری دار، جالی دار اور پھول دار چادریں آج بھی بچھائی جاتی ہیں، اور چوڑی دار پاجامے آج بھی پہنے جاتے ہیں۔ "موتی مسجد" اور "موتی محل" آج بھی موجود ہیں۔ "عید ملاپ" تو ہونا ہی چاہیے اور کون ہے جو "روزی روٹی" کو الگ کر سکتا ہے۔ اگر اردو اور ہندی کی کوئی بنیادی لفظیات BASIC LEXICON تیار کی جائے، تو وہ بڑی حد تک ایک ہوگی۔

کہاوتوں اور تلمیحوں میں دونوں زبانوں کا اشتراک اور زیادہ کھل کر سامنے آتا ہے۔ اگرچہ اردو میں اسلامی روایات کا گہرا اثر ہے، اور ہندی میں مقامی روایات کا، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ ہندی اور اردو میں سیکڑوں کہاوتیں ایک ہی طرح کی استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً مفت کی شراب قاضی کو بھی حلال، لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہونا، گھر کی مرغی دال برابر، ملا کی دوڑ مسجد تک، دو ملاؤں میں مرغی حرام، یہ منہ اور مسور کی دال، گھی کے چراغ جلانا، آنکھوں کے اندھے، نام نین سکھ، چور کی داڑھی میں تنکا، میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی، نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی، یہ ان سیکڑوں ہزاروں میں سے چند ہیں جو ہندی اور اردو کے مشترک سرمائے کا کثرت سے استعمال ہونے والا حصہ ہیں۔ یہ اگر سچ ہے تو پھر اردو اور ہندی کی خلیج کیسی اور اردو کی حق تلفی کیوں؟

اردو نے عربی فارسی عناصر کی تہنید کی ہے اور انھیں ہندوستانی مزاج کی خراد پر اتارا ہے

اس غلط فہمی کو اب دور ہونا چاہیے کہ اردو عربی فارسی کا ظلِ ثانی ہے یا اس کی اپنی کوئی آزادانہ حیثیت نہیں۔ اوپر ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ اردو ہند آریائی زبان ہے اور ہندی سے اس کا اٹوٹ رشتہ ہے۔ یہ اگر صحیح ہے تو اردو کسی بھی دوسری زبان کا نقشِ ثانی کیسے ہو سکتی ہے۔ اردو لفظیات کا بمشکل ایک تہائی حصہ فارسی، عربی، ترکی سے مستعار ہے لیکن ان لفظوں کو بھی اردو نے کس طرح اپنی خراد پر اتارا، اور کس طرح انھیں اپنایا، اس کی تفصیل کی

www.taemeernews.com

گنجائش نہیں لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ تہنید اور تارید کا یہ عمل صرف آوزوں کے ساتھ ہی نہیں ہوا ہے، لفظوں اور ترکیبوں کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ طوالت کے خوف سے صرف ایک مثال دی جائے گی، اردو میں 'ذ'، 'ز'، 'ض'، 'ظ' چار الگ الگ حرف ہیں لیکن آواز ایک رہ گئی ہے عربی میں ان کی مختلف آوازیں ہیں۔ اردو میں یہ سب آوازیں ایک ہو گئیں۔ ایسا کئی دوسرے حروف کے ساتھ بھی ہوا ہے جن کی نوعیت یکسر بدل گئی ہے۔ یہ سب اردُوانے کے ہندوستانی عمل کا کرشمہ ہے۔ ایسا گرامر میں بھی ہوا ہے، مثلاً ہم امیر، وزیر، فقیر کی جمع امیروں، وزیروں اور فقیروں یعنی ہندی طریقہ سے بناتے ہیں، اور ان کی مستعار جمع امرا، وزرا، فقرا بھی استعمال میں لاتے ہیں، لیکن ہر عربی فارسی لفظ پر اس قاعدے کا اطلاق نہیں ہوتا۔ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی نے لکھا ہے کہ صندوق عربی لفظ ہے لیکن اس کی عربی جمع صنادیق ہم استعمال نہیں کرتے، اور ہمیشہ ہندی صندوقوں ہی لکھتے پڑھتے ہیں۔ اسی طرح شمس عربی میں مونث ہے، اسے اردو میں ہندی سورج کی وضع پر مذکر بولا جاتا ہے۔ ہندیانے کے عمل کا اثر گرامر کے علاوہ معنی کی تبدیلیوں پر بھی پڑا ہے۔ مثلاً امیر کے اصل معنی حاکم یا سردار کے تھے اور غریب کے اجنبی، اب ان لفظوں کو روپیہ پیسہ والے اور بغیر پیسے والے کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ خفا کے معنی گلا گھونٹنا ہے، ہم ناراض ہونے کے لیے بولتے ہیں۔ تیغ ہمارے یہاں تلوار ہے، اور ایران میں اُسترے کے معنی میں رہ گیا ہے۔ سید سلیمان ندوی نے ایک پُرلطف مثال "ظریف و متین" کی پیش کی ہے۔ "ظریف" ہم اس شخص کو کہتے ہیں جس کی طبیعت میں مذاق ہو، "متین" ہم سنجیدہ آدمی کو کہتے ہیں۔ لیکن ایک ترکی اخبار میں سید سلیمان ندوی نے ایک جوتا بیچنے والے کا اشتہار دیکھا جو کہتا تھا کہ اس کے جوتے "ظریف و متین" ہیں، تو کیا اس کا مطلب یہ تھا کہ جوتے مذاق بھی کریں گے اور متانت سے بھی پیش آئیں گے۔ نہیں، وہ تو یہ اعلان کر رہا تھا کہ "ظریف" بمعنی خوبصورت بھی ہیں اور "متین" یعنی مضبوط بھی۔ آپ نے دیکھا اردو میں ان لفظوں کے معنی کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔

یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ ضروری ہے کہ اردو نے دیسی اور بدیسی عناصر میں جیسا اعتدال پیدا کیا ہے اس کی نظیر دوسری زبانوں میں آسانی سے نہیں ملتی۔ صرف روز مرہ ہی کو لیجیے آتش آگ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن "چولہے میں آتش جلادو" اردو

www.taemeernews.com

میں کہا ہی نہیں جا سکتا۔ اردو روزمرہ کی رو سے یہ غلطِ محض ہے۔ اردو میں ہمیشہ "چولہے میں آگ جلادو" کہا جائے گا۔ اگر دیسی یعنی ہندی لفظ کا محل ہے تو ہندی لفظ ہی استعمال ہوگا، عربی فارسی لفظ اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔ یہ اردو کی خوش امتزاجی کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ مثلاً:

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

میں لفظ آگ استعمال ہوا ہے، اور

دہکا ہوا تھا آتشِ گل سے چمن تمام

میں لفظِ آتش۔ ایک جگہ پر دوسرے کا استعمال 'قطع نظر بحر کی ضرورتوں کے ممکن ہی نہیں۔ اردو استعمالِ عام کے معاملے میں مستعار اور ہندی لفظوں سے برابر کا سلوک کرتی ہے اور جہاں جس کا محل ہوتا ہے اسے استعمال کرتی ہے۔ اردو کی یہ خوش مذاقی لسانی انصاف و اعتدال پر مبنی ہے' اور معمولی بات نہیں۔

اردو رسمِ خط بدیسی نہیں۔ اردو نے اس کو اپنی ضرورتوں کے مطابق ڈھالا ہے

اب مختصراً ایک نظر اردو رسمِ خط پر بھی ڈال لی جائے، کیونکہ بہت سی غلط فہمیاں رسمِ خط کی وجہ سے پھیلائی جاتی ہیں۔ اردو رسمِ خط میں چھتیس حروف ہیں، (ہمزہ ملا کر سینتیس) چودہ ہکار اور معکوسی آوازوں کی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے۔ ان کی وجہ سے اردو رسمِ خط میں جو کایا پلٹ ہوئی ہے، وہ معمولی نہیں۔ یعنی اردو رسمِ خط میں ایک تہائی سے زیادہ حروف کا اضافہ اردو کی ہند آریائی ضرورتوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ اردو بولتے لکھتے ہوئے ان آوازوں سے ہم بچ نہیں سکتے۔ لب ولہجہ، لفظوں کے بل اور سُر لہروں کا اضافہ ان سے الگ ہے۔ غرض اس رسمِ خط کی، جو ہم نے صدیوں پہلے اردو کے لیے لیا تھا، اردو والوں کے عمل کے دوران اتنی کایا پلٹ ہو چکی ہے کہ نہ صرف اس کی اصل آوازوں میں سے بہت سوں کو ہم نے بدل دیا، بلکہ اس میں ایسی آوازوں اور علامتوں کا اضافہ بھی ہو چکا ہے جو نہ عربی میں ہیں اور نہ فارسی میں۔ یہ حقیقت ہے کہ اردو کا ایک صفحہ تو کیا، ایک پیرا بھی ان آوازوں کے بغیر لکھا نہیں جا سکتا۔ مثال کے طور پر کسی اردو اخبار یا کتاب کا ایک صفحہ بھی اگر کسی ایرانی یا عرب

www.taemeernews.com

کے سامنے رکھا جائے تو وہ اسے صحیح نہیں پڑھ سکے گا۔ اس سے انکار نہیں کہ اس رسم خط کو ہم نے عربی، فارسی سے لیا ہے اور مشرقِ وسطیٰ سے ہمارے ثقافتی رشتوں میں اس رسم خط سے مدد ملتی ہے، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ یہ رسمِ خط اردوائے جانے کے دوران تنسیخ و توسیع کے زبردست نامیاتی عمل سے گزر چکا ہے اور خاصی حد تک بدل چکا ہے۔ چنانچہ اب اس کو بدیسی کہنا اور اس کی بنا پر ہندی اور اردو کی خلیج کو وسیع کرنا انصاف کا خون کرنا ہے۔ یہ رسمِ خط اب اردو کا رسمِ خط ہے، اور جس طرح دوسری ہندوستانی زبانوں کے اپنے اپنے رسمِ خط ہیں اور وہ سب ہندوستان کے رسمِ خط ہیں، اردو رسمِ خط بھی ہندوستان کا رسمِ خط بن چکا ہے اور بدیسی نہیں ہے۔ غرض اردو ہندوستانی زبان ہے، اور اس کا رسمِ خط بھی ہندستانی آوازوں کی ضرورتوں کے مطابق ڈھالا جا چکا ہے۔ چنانچہ اب اردو رسمِ خط کو بدیسی نہیں بلکہ ہندوستان کا ایک رسمِ خط سمجھنا چاہیے۔

www.taemeernews.com

مبارز الدین رفعت

اجنتا اور ایلورا

آپ نے پہاڑ تو دیکھے ہوں گے لیکن ایسے پہاڑ بہت کم ہیں جن کے اندر انھیں سے تراشی ہوئی مورتیاں ہوں اور چاروں طرف تصویریں بھی بنی ہوں اور ان کی شکل بھی غار کی سی ہو۔ مہاراشٹر میں اورنگ آباد کے قریب اجنتا اور ایلورا کے غار ایسے ہی ہیں۔ یہ غار قدرتی نہیں ہیں بلکہ چٹانوں کو کاٹ کر بنائے گئے ہیں۔ یہ غار بہت پرانے ہیں لیکن دیکھنے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں آج ہی بنایا گیا ہے۔

اجنتا کے غار بڑی خوبصورت جگہ پر ہیں یہاں قدرتی آبشار ہیں۔ یہیں پر ایک پُر فضا وادی میں یہ غار چٹانوں کو تراش کر بنائے گئے ہیں۔ ان علاقوں کے قدیم راجاؤں نے اس کام کے لیے بہترین فنکاروں کو جمع کیا۔ یہ غار بدھ مت کے ماننے والوں ہی نے بنائے تھے۔ انھیں اپنے مذہب سے سچی محبت تھی اور انھوں نے یہ کام دل و جان سے کیا۔

اجنتا میں سب سے پرانے غار تو وہ ہیں جو آج سے تقریباً بائیس سو سال پہلے بنائے گئے تھے۔ پھر آخری غار وہ ہیں جو چھٹی صدی عیسوی میں بنے تھے۔ اس طرح یہ غار تقریباً آٹھ سو سال میں بنے ہیں۔ ان غاروں کے بنانے میں کئی نسلوں نے حصہ لیا۔

ایک وسیع ہال میں مہاتما بدھ کا ایک بڑا مجسمہ بنا ہوا ہے۔ دیواروں پر مہاتما بدھ کے پچھلے جنموں کی کہانیاں تصویروں کی زبانی بیان کی گئی ہیں۔ چھتوں پر نازک بیل بوٹوں کے نقش و نگار ہیں۔ یہاں ایک استوپ ہے جس میں مہاتما بدھ کا مقدس بال اور چِتا کی

www.taemeernews.com

راکھ محفوظ ہے۔ یہاں بھکشو عبادت کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ تصویریں بنانے کا کام بھی کرتے رہتے تھے۔ غاروں میں اندھیرا تو تھا ہی۔ اس لیے تصویریں بنانے میں خاصی مشکل پیش آتی تھی۔ چنانچہ غار کے منہ پر فولاد پر صیقل کیے ہوئے بڑے بڑے آئینے رکھ دیے جاتے۔ جب ان پر سورج کی کرنیں پڑتیں تو ان کا عکس غاروں کے اندر پڑتا۔ اور یہی نہیں بلکہ غار کے اندر بھی اس طرح اور آئینے رکھ دیے جاتے پھر ان پر باہر کے آئینوں کا عکس پڑتا اور یوں غار میں ہر طرف روشنی ہی روشنی ہو جاتی تھی۔ یوں تو مشعل جلا کر بھی روشنی کی جاسکتی تھی۔ لیکن مشعل کا دھواں نئی نئی بنی ہوئی تصویروں پر بیٹھ جاتا۔ اس لیے انھوں نے مشعلیں استعمال نہیں کیں۔

اجنتا میں تقریباً ایک ہزار برس تک بڑی پُر سکون زندگی رہی۔ بھکشوؤں کی کئی نسلیں آئیں اور گزر گئیں۔ اجنتا میں غار بنتے گئے۔ مشہور چینی سیاح ہیون سانگ ساتویں صدی عیسوی میں یہاں آیا تھا۔ اس نے ان غاروں کی بہت تعریف کی ہے۔

زمانہ سدا ایک حال پر نہیں رہتا۔ دھیرے دھیرے ہندوستان سے بدھ مت کا خاتمہ ہونے لگا اور اس کے نام لیوا بھی باقی نہیں رہے۔ یہاں تک کہ اجنتا میں بھی کوئی باقی نہیں رہا۔ لوگوں کے دلوں سے بھی آہستہ آہستہ اس کی یاد مٹ گئی اور سیکڑوں برس تک لوگوں کو ان غاروں کے بارے میں کچھ بھی پتہ نہ چل سکا۔ جب انگریز ہندوستان آئے اور ۱۸۱۹ء میں انگریزوں اور مرہٹوں کے درمیان انھیں پہاڑیوں کے آس پاس لڑائی چھڑی تو انگریزی فوج کے سپاہی اس وادی کو ایک اچھا مورچہ جان کر اس کے اندر اتر گئے۔ یہاں پہنچے تو انھیں غاروں کا بیرونی حصہ نظر آیا۔ یہ غار مٹی سے اٹے پڑے تھے۔ کچھ سپاہی ان غاروں میں گھس گئے اور ان کے اندر تصویریں دیکھ کر حیران ہوئے اور پھر جلدی ہی ان کی شہرت پھیل گئی۔ بڑے بڑے مصوروں نے ان کی تصویریں تیار کیں۔ ان تصویروں کی لندن اور پیرس میں نمائش ہوئی۔ غاروں کو صاف کیا گیا تاکہ ان کو دیکھنے کے لیے آسکیں۔ ایلورا کے غار بنانے والوں کو اجنتا کے غاروں جیسا دلکش منظر تو نہ مل سکا۔ تاہم قدرتی مناظر کے لحاظ سے یہ مقام بھی اچھا ہے۔ ایلورا میں کل ملا کر ۳۴ غار ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایلورا کے غار بنانے والوں کے ہاتھ میں پتھر بھی موم ہو گیا تھا۔ پتھر کو انھوں نے جس طرح چاہا تراش، بنایا، سنوارا اور اپنے جذبے کی آنچ اس میں شامل کر دی، کیلاش کا مندر ایلورا کے غاروں کی

www.taemeernews.com

جان ہے۔ یہ مندر راشٹر کوٹ کے راجا کرشنا کی سرپرستی میں بنا تھا۔ اس کے پرکھوں نے یہاں ایک مندر بنایا تھا۔ راجا کرشنا کو یہ بہت پسند آیا۔ اس نے حکم دیا کہ ایسا ہی مندر بنایا جائے۔ چنانچہ ایک بہت بڑی چٹان کاٹ کر اس میں کیلاش کے مندر کو بنانے میں کوئی دو لاکھ ٹن پتھر باہر نکالنا پڑا۔

ایلورا کے مندر بھی کئی سو برس میں بن پائے۔ یہ غار اجنتا کی طرح نظروں سے اوجھل تو نہیں ہوئے لیکن ان کی اہمیت ختم ہو گئی تھی۔ جگہ جگہ مورتیاں ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔ لیکن محکمۂ آثارِ قدیمہ نے ان کی طرف توجہ کی اور اب اس جگہ کی رونق بھی بڑھ گئی ہے۔

www.taemeernews.net

محمد بدیع الزماں

سنیما، ریڈیو اور ٹیلی ویژن

تحقیق اور دریافت کی ترغیب اقبال نے درج ذیل اشعار میں دی ہے:

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

سنیما: سب سے پہلی فلم آگسٹن پرنس نے تیار کی۔ اس سے قبل پرنس نے ۱۸۸۵ء اور ۱۸۸۸ء کے درمیان نیویارک (امریکہ) کے بہرے لوگوں کے ادارے میں ایک دیوار پر سفیدی دے کر تصویر دکھائی۔ دنیا کی جو سب سے پہلی فلم ابھی بھی دستیاب ہے وہ سفید کاغذ پر انگلینڈ کے شہر لیڈس میں اکتوبر ۱۸۸۸ء میں پرنس کے کیمرے سے تیار کی گئی۔ سب سے پہلی تجارتی فلم امریکہ کے نیویارک شہر میں اپریل ۱۸۹۴ء میں تیار کی گئی۔ پردہ پر دکھائی جانے والی سب سے پہلی فلم فرانس کے شہر لیون میں ستمبر ۱۸۹۴ء میں تیار کی گئی جس کی نمائش اسی شہر لیون میں ۱۸۹۴ء ہی میں ہوئی۔

اب تک سنیما کے سلسلے میں تذکرہ بالا ایجاد میں صرف تصویر پردہ پر آتی تھی مگر آواز نہیں۔ تصویر اور آواز کے ساتھ سب سے پہلی فلم لوٹے نامی ایک فرانسیسی نے ۱۹۱۰ء میں ایجاد کی۔ اس فلم کو جس میں تصویر اور آواز دونوں ہیں ۱۹۲۲ء میں جرمنی کے شہر برلن

www.taemeernews.com

میں دکھایا گیا۔ دنیا میں جس فلم پر سب سے زیادہ خرچ آیا اسے ۱۹۷۹ء میں واشنگٹن میں دکھایا گیا۔ جس میں ساڑھے چار کروڑ ڈالر سے کچھ زیادہ خرچ ہوا۔ سب سے کم خرچ میں تیار ہونے والی فلم ۱۹۰۵ء کی ہے جس پر کل ۳۸ ڈالر خرچ آیا۔ دنیا کی سب سے لمبی فلم ۱۹۷۰ء میں انگلینڈ میں تیار کی گئی جو ۴۸ گھنٹے لگاتار دیکھنے پر ختم ہوتی ہے۔

پہلے پہل "سینما گھر" دنیا میں ۱۸۸۵ء میں امریکہ میں بنایا گیا۔ برطانیہ میں سب سے پہلا سینما گھر ۱۸۹۶ء میں تیار ہوا۔ سینما گھر کا سب سے بڑا پردہ جس پر تصویر دکھائی جاتی ہے انڈونیشیا کے شہر جکارتہ میں ۱۹۸۴ء سے ہے۔ سب سے زیادہ فلم دیکھنے والا امریکہ کا ایک شخص البرٹ شمس ہے جس نے ۳۲ سال (۱۹۴۹ء سے ۱۹۸۲ء) کے درمیان ۱۶۹۴۵ فلمیں دیکھیں۔

بیسویں صدی کی پہلی تین دہائیوں میں ہندوستان کے چھ بڑے بڑے شہروں میں سینما گھر قائم کیے جا چکے تھے مگر یہاں سائلنٹ یعنی خموش فلمیں ہی تیار کی جاتی تھیں جن میں آواز نہیں ہوتی تھی۔ تیسری دہائی کے آخری سالوں میں ہندوستان میں تصویر کے ساتھ آواز والی فلمیں بھی تیار کی جانے لگیں اور سب سے پہلی ایسی فلم "عالم آرا" ہے۔

ریڈیو : ریڈیو کے ذریعہ آواز بھیجنے کے آلات ۱۸۶۴ء میں تیار کیے گئے۔ اور اس کی نمائش امریکہ میں ۱۸۶۶ء میں کی گئی۔ جو نمائش چودہ میل میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک تھی اور دونوں سرے پر پتنگ لگی تھی۔ اسے ڈاکٹر نومس نے تیار کیا۔ ۱۸۹۶ء میں اٹلی کے باشندے مارکونی کو باضابطہ براڈکاسٹ کرنے کی اجازت دی گئی مگر اس کا مظاہرہ اس سے قبل امریکہ کے شہر کنٹکی میں کیا جا چکا تھا۔

اشتہار کے طور پر ریڈیو کے ذریعہ سب سے پہلا اشتہار ۱۹۰۶ء میں چار سو فٹ اونچا مستول نشر کرنے کے لیے لگایا گیا۔ ۱۹۲۲ء کے قریب ریڈیو کے ذریعہ دنیا کے بہت سے حصوں میں ریڈیو براڈکاسٹ کی مشین لگائی گئی تھی۔ دنیا میں سب سے زیادہ ریڈیو براڈکاسٹنگ اسٹیشن امریکہ میں ہیں جن کی تعداد دس ہزار ہے۔ ہندوستان میں ریڈیو بھی ناکی سینما کی طرح اس صدی کی تیسری دہائی میں آیا۔

ٹیلی ویژن : ریڈیو کی آواز دنیا میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جا ہی رہی تھی مگر اس میں تصویر نہیں آتی تھی۔ یہ تصویر آواز کے ساتھ جسے ٹیلی ویژن کہتے ہیں اسکاٹ

www.taemeernews.com

لینڈ کے بیئڈ نامی ایک شخص نے ایجاد کیا۔ اس کا مظاہرہ پہلے پہل انگلینڈ میں ۱۹۳۶ء میں کیا گیا۔

سب سے پہلے ٹیپ ریکارڈ اور ویڈیو کیسٹ پونیٹوف نامی شخص نے ایجاد کیا۔ دنیا میں سب سے زیادہ ٹی وی سیٹ امریکہ میں ہیں۔ سب سے چھوٹا ٹی وی سیٹ جاپان میں ۱۹۸۲ء میں تیار کیا گیا جو ہاتھ کی گھڑی میں ہے اور جس کا وزن اسی گرام ہے۔

www.taemeernews.com

محمد عارف نیاز

لوہے کی پتی کا کھیل

66

سامان: لوہے کی سوئی، لوہے کی پتی یا اسٹرپ، لوہے، کا باٹ، دو برابر گٹکے اور اسٹوو۔

عمل ہم سب کو معلوم ہے کہ لوہا گرم ہونے پر پھیلتا یا بڑھتا ہے اور ٹھنڈا ہونے پر سکڑتا ہے۔ اس بات کا مشاہدہ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں کر سکتے ہیں۔ کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ ریل کی پٹری کے بیچ میں خالی جگہ کیوں چھوڑی جاتی ہے۔ دریاؤں پر بنے پلوں کے گرڈروں کے بیچ میں کچھ خالی جگہ کیوں رکھی جاتی ہے۔ ایسا اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ یہ گرمی پاکر آسانی کے ساتھ پھیل سکیں۔ اگر اسکول میں تمھارے ٹیچر اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کہیں تو تم کیا کروگے؟

دو برابر گٹکے آمنے سامنے رکھو۔ اب ان کے اوپر لوہے کی پتی اس طرح رکھو کہ یہ ۵ سینٹی میٹر تک دونوں طرف باہر نکلی رہے۔ پتی کے ایک کونے پر لوہے کا باٹ رکھ دو اور دوسری طرف لوہے کی سوئی جو زاویہ قائمہ (۹۰ ڈگری) پر مڑی ہو گٹکے پر رکھ کر پتی سے دبادو۔ اب گٹکے پر لوہے کی سوئی کی ناک کے ٹھیک نیچے نشان بنادو۔ اس کے بعد اسٹوو جلا کر لوہے کی پتی کے نیچے رکھ دو۔ کیونکہ تم نے پتی کا ایک کونا لوہے کے باٹ سے دبادیا ہے۔ اس لیے اس طرف پتی گرم ہونے پر نہیں بڑھے گی۔ جبکہ دوسرا کونا آزاد ہونے کی وجہ سے پتی اسی طرف بڑھے گی۔ کچھ دیر بعد تم دیکھوگے کہ پتی کے نیچے رکھی ہوئی سوئی دھیرے

www.taemeernews.com

دھیرے دھیرے گھومنے لگتی ہے اور دوسرے مقام پر پہنچ جاتی ہے۔ سوئی کے پہلے اور دوسرے مقام کے بیچ کی دوری پتی کے گرم ہونے پر بڑھی ہوئی لمبائی کے برابر ہے۔ اب سٹوو بند کر دو۔ تم دیکھو گے کہ سوئی اپنے پہلے مقام پر آ گئی اور پتی بھی ٹھنڈی ہو گئی۔

لوہے کی پتی کے گرم ہونے پر لوہے کے اندر موجود جوہروں اور سالموں کی تحرکی توانائی بڑھ جاتی ہے اور پتی بھی بڑھ جاتی ہے۔

www.besturdubooks.net

پلس پولیو

پولیو، وائرس کی وجہ سے ہوتا ہے۔ وائرس طفیلی (پیراسائٹ) جاندار ہیں۔ ماہرین کے مطابق وائرس کو جاندار اور غیر جاندار کے درمیان رکھا گیا ہے کیونکہ ان میں نہ تو جاندار کی مکمل صفتیں پائی جاتی ہیں اور نہ ہی غیر جاندار کی۔ وائرس کی ساخت نہایت سادہ ہوتی ہے۔ ان کے مرکز میں نیوکلیائی مادہ موجود ہوتا ہے۔ یہ نیوکلیائی مادہ پروٹین کے غلاف سے ڈھکا رہتا ہے۔ ان کا نیوکلیائی مادہ ڈی این اے (DNA) یا آر این اے (RNA) ہوتا ہے۔ ایک بات غور طلب یہ ہے کہ نیوکلیائی مادے میں ڈی این اے اور آر این اے ساتھ ساتھ نہیں ہوں گے البتہ ماہرین کے مطابق کینسر کے ذمہ دار وائرس کے نیوکلیائی مادہ میں آر این اے اور ڈی این اے موجود ہوتے ہیں۔ وائرس کا جینی مادہ یعنی ڈی این اے یا آر این اے پروٹین سالموں کے ذریعہ چاروں طرف سے گھرا رہتا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے کہ وائرس پیراسائٹ جاندار ہے۔ یہ اپنی زندگی کا مکمل حصہ دوسرے خلیوں کے اندر گزارتے ہیں۔ پولیو وائرس کے نیوکلیائی مادے میں ڈی این اے موجود ہوتے ہیں۔ وائرس دوسرے زندہ چیزوں کے سہارے خود مہمان بن کر زندہ رہتا ہے۔ ان میں تولیدگی (REPRODUCTION) کی صلاحیت نہیں ہوتی لیکن دوسرے جانداروں کے ساتھ مل کر یہ اپنے جیسے لاکھوں وائرس کو وجود میں آنے کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ وائرس جب زندہ خلیے کے قریب آتے ہیں تو اس سے پوری طرح چپک جاتے ہیں اور

www.taemeernews.com

وقت کی مناسبت سے خلیے کے اندر داخل ہونے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ خلیے کے اندر داخل ہونے میں کامیابی حاصل کرتے ہی خلیے کی جینی مشینری پر قبضہ جما لیتے ہیں اور اس طرح خلیے کے ڈی این اے اور آر این اے کو ہضم کر کے اپنے ڈی این اے کی زنجیر کو خلیے کے پورے حصے میں پھیلا دیتے ہیں۔ اس طرح خلیے کے اندر پولیو وائرس کے ڈی این اے کا جال بچھ جاتا ہے۔ ڈی این اے یا آر این اے خلیے کے لیے حاکم کی سی ہوتی ہے جو رائبو سوم (RIBOSOME) کو حکم دینے کا کام کرتے ہیں۔ یہ رائبو سوم پیغامات وصول کر کے پروٹین تیار کرنے کا کام انجام دیتا ہے۔ اس طرح حملہ آور وائرس خلیے کے جینی مادے سے اپنے جیسے نئے وائرس بنا لیتا ہے۔ مرض کی علامت ظاہر ہونے تک ایک ماہ سے ڈیڑھ ماہ کا وقفہ لگ جاتا ہے۔ مرض کی علامت تیز بخار کے ساتھ پٹھوں میں سخت درد شروع ہوتا ہے جو فالج کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ فالج کا حملہ ایک بار ہو جانے پر اسے مکمل طور سے ختم نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اب نئے وائرس مریض کے پاخانہ کے ساتھ خارج ہوتے ہیں۔ صفائی اور فضلے کے ضائع کرنے کا مناسب انتظام نہ ہونے کی وجہ سے پولیو جراثیم پانی میں پہنچ جاتے ہیں۔ پانی کے ساتھ دوسرے بچوں کے جسم میں داخل ہو کر ان کی آنتوں میں اپنا مقام بناتے ہیں۔ لیکن آنتوں میں زیادہ دنوں تک قیام نہیں کرتے بلکہ کچھ دن آرام پا لینے کے بعد دورانِ خون کے ذریعہ حرام مغز میں پہنچ کر بچے کو اپاہج بنا ڈالتے ہیں۔

www.taemeernews.com

نہال احمد

چاکلیٹ

چاکلیٹ دراصل کوکو سے بنائی گئی چوسنے والی ایک قسم کی مٹھائی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ لیمن چوس میں چینی کا شیرہ تیار کر کے اس میں مزے کے لیے لیمو، آم، گلاب کی خوشبو کا ایسنس دے دیتے ہیں اور شیرہ کو سخت کر کے گول یا ٹکیہ کی شکل میں کاٹ لیتے ہیں۔ لیکن چاکلیٹ میں چینی کے علاوہ کوکو پاؤڈر پڑتا ہے اور مزے کے لیے لیمو یا کریم دیتے ہیں۔

یہ کوکو کیا ہے؟ ایک درخت کے پھل کا بیج ہے۔ اس بیج کو بھون کر اس کا پاؤڈر بنایا جاتا ہے جسے کوکو یا چاکلیٹ پاؤڈر کہتے ہیں۔ یہ کوکو کا درخت میکسیکو میں پایا جاتا ہے۔ ۱۵۲۸ء میں میکسیکو پر ہسپانیوں کی حکومت تھی۔ وہاں کے حاکم کا نام برونڈو کورنس تھا۔ اس نے دیکھا کہ میکسیکو کے لوگ کوکو کا بیج پانی میں ابال کر اس میں ذائقے دار مسالے ملاتے ہیں۔ اور بڑے شوق سے پیتے ہیں۔ اس کے پینے سے لوگوں کے جسم میں توانائی آجاتی ہے اور بدن میں چستی پیدا ہوتی ہے۔ اس مشروب کو میکسیکو والے چاکلیٹ کہتے تھے۔ چونکہ کوکو مشروب کا مزہ ذرا تیکھا ہوتا تھا اس لیے اسے مزہ دار بنانے کے لیے اس میں شکر ملانے لگے۔ برونڈو کورنس نے اس کی مقبولیت اور افادیت کو دیکھ کر چاکلیٹ شربت اسپین بھجوایا۔ وہاں پر یہ بہت پسند کیا گیا اور اس کی مانگ ہونے لگی۔ لیکن ہسپانوی تاجر بڑے چالاک تھے۔ اس لیے اس کے بنانے کا راز کسی کو جاننے نہیں دیا اور طریقہ کو پوشیدہ رکھا۔ اس کی مقبولیت اور افادیت کو دیکھ کر ۱۶۰۶ء میں اٹلی والوں نے کوکو بیج اپنے ملک میں منگوایا اور اس کا درخت اُگایا۔ پھر اٹلی سے

www.taemeernews.com

آسٹریلیا اور فرانس اس کا بیج لے جایا گیا۔ ۱۶۵۷ء میں ایک فرانسیسی نے کوکو سے موجودہ یعنی ٹھوس چاکلیٹ تیار کرنے کا طریقہ نکالا اور چاکلیٹ بنا کر لندن کے بازاروں میں بھاری قیمت پر فروخت کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت تک یورپ میں چاکلیٹ مشروب بہت مشہور ہو چکا تھا، اس لیے چاکلیٹ کی ٹکیہ کی مانگ خود بخود بڑھ گئی۔ مگر اس کی باضابطہ کوئی فیکٹری ایسی نہیں تھی جو تجارتی پیمانے پر تیار کرے۔ ۱۸۱۹ء میں ایک فرانسیسی نے ایسی فیکٹری لگائی جہاں چاکلیٹ گولی کی شکل میں بڑے پیمانے پر بنایا جانے لگا۔ ابتدا میں یہ گولیاں مزے دار نہیں تھیں لیکن بہتر سے بہتر بنانے کا سلسلہ چل رہا تھا لہٰذا بنانے کے طریقے بدلے گئے اور مزے دار بنانے کے لیے اس میں دوسری کئی چیزیں اور بھی ڈالی گئیں۔ ملک چاکلیٹ، ڈینئل پیٹر نے پہلی بار بنایا۔

کوکو بیج سے پاؤڈر بنانے کے لیے پہلے اس کے بیج کو بھونا جاتا ہے بھوننے کے بھی خاص طریقے ہوتے ہیں۔ نہ اتنا بھونا جائے کہ جل کر تلخ ہو جائے اور نہ اتنا کم کہ سیلا پن رہ جائے۔ اچھی بھونائی کے لیے اس کے بھورے رنگ ہونے تک بھونتے ہیں پھر چکی میں پیس کر پاؤڈر بناتے ہیں اور اس پاؤڈر کو مزے دار، نرم اور فوراً تحلیل ہو جانے والا بنانے کے لیے ۲۷ گھنٹے تک گونچ نام کی مشین میں رکھ کر اسے ٹریٹ کیا جاتا ہے۔

کوکو پاؤڈر سے نہ صرف چاکلیٹ یا ٹافی بناتے ہیں بلکہ اس کی لئیس (پیسٹ) بنا کر آئس کریم اور مٹھائیوں پر لیپ دیتے ہیں۔ لیپ دینے اور کوکو پاؤڈر کا استعمال کرنے میں بڑے احتیاط سے کام لیا جاتا ہے۔ اس کی مقدار اگر ذرا بھی زیادہ ہو گئی تو چیزیں مزے دار ہونے کے بجائے بدمزہ اور تلخ ہو جائیں گی۔

www.taemeernews.com

نیناجوگن

گاندھی جی کے اصول

70

گاندھی جی کی تعلیمات کی روح یہ تھی کہ ہندوستان کے تمام باشندوں میں مذہب وملت، رنگ ونسل کے امتیاز کے بغیر اتفاق واتحاد کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ سب سے زیادہ انھوں نے اس چیز پر زور دیا کہ کسی قیمت پر بھی اخلاق کی قوت کو کمزور نہ ہونے دیا جائے۔

گاندھی جی نے جو اصول بتائے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) سچائی (۲) عدم تشدد (۳) ضبط نفس (۴) ترک لذت (۵) چوری نہ کرنا (۶) بے ضرورت جمع کرنا (۷) بے خوفی (۸) اچھوت پن کا خاتمہ (۹) جسمانی مشقت (۱۰) مذہبی یگانگت (۱۱) سودیشی۔

(۱) **سچائی:** جملہ اصولوں کی جڑ سچائی ہے۔ زندگی کی بنیاد سچائی پر ہے۔ یہ ایک بہت بڑی طاقت ہے۔ اسی سے شانتی، خوشی اور ترقی حاصل ہوتی ہے۔ خدا کی بندگی اور عبادت کا یہی ایک ذریعہ ہے۔

(۲) **عدم تشدد:** یہ صفت دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی چیز ہے۔ ایسی نہیں کہ جو پیدا کی جاسکے۔ عدم تشدد کا عہد ایک بھاری عہد ہے۔ تلوار کی دھار سے زیادہ تیز اور بندوق کی گولی سے زیادہ سخت۔

(۳) **ضبط نفس:** دل، زبان اور جسم سے تمام نفسانی خواہشات پر مکمل قابو

www.taemeernews.com

پاناضبطِ نفس کہلاتا ہے۔اور جس شخص کا نفس پر قابو ہے وہی بے خوف ہے اور وہی آزادی کی جنگ میں بہادری سے لڑ سکتا ہے۔

(۴) **ترکِ لذّت:** اس کے عہد پر عمل کرنے سے ضبطِ نفس آسان ہو جاتا ہے کیونکہ ان دونوں کا باہمی گہرا تعلق ہے۔

(۵) **چوری نہ کرنا:** ہم جان بوجھ کر یا انجان بن کر چوری کا گناہ ہمیشہ کرتے ہیں۔ دوسرے کی اجازت کے بغیر اس کی چیز لے لینا چوری ہے۔ جس طرح چیز کی چوری ہوتی ہے اس طرح خیال کی بھی چوری ہوتی ہے۔ دوسرے کی ایجاد کی چوری کرنا بھی بالکل اسی قسم کی چوری ہے۔ چوریوں میں عام طور پر جھوٹ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

(۶) **بلا ضرورت جمع کرنا:** خواہ کوئی چیز چرائی ہوئی نہ ہو، بے ضرورت جمع کر کے رکھنے سے چوری کا مال بن جاتی ہے۔ جو شخص حق یعنی پرماتما کو ڈھونڈنے والا ہے وہ بے ضرورت کوئی چیز جمع نہیں کیا کرتا۔

(۷) **بے خوفی:** بے خوفی کے بغیر حق وصداقت کی تلاش ناممکن ہے۔ اگر مالک نہ رہ کر ہم خادم بن جائیں، بے لوث بن کر رہیں تو خوف کو بہت آسانی سے جیت سکتے ہیں اور پھر اپنے معبود، ایشور کو پا سکتے ہیں۔

(۸) **اچھوت پن کا خاتمہ:** کسی سچے دھرم یا مذہب میں چھوت چھات کو جائز نہیں مانا گیا۔ اگر آتما ایک ہے۔ پرماتما بھی ایک ہے تو اچھوت کوئی نہیں۔ چھوت چھات ایک بدبو ہے اس لیے اس کو مٹا دینا ہی بہتر ہے۔

(۹) **جسمانی مشقت:** روٹی کے لیے محنت کرنا ہر انسان کا فرض ہونا چاہیے۔ ہاتھ پاؤں ہلانے چاہئیں۔ جسمانی مشقت کے اصول کو تسلیم کر لینے سے اونچ نیچ چھوٹے بڑے کا فرق مٹ جاتا ہے۔

(۱۰) **مذہبی یگانگت:** مذہبی تعصب اور روحانیت میں بہت بڑا فرق ہے۔ دھرم کی سچائی معلوم ہونے پر آپس کا فرق اور نفرت ختم ہو جاتی ہے۔ اس میل ملاپ

www.taemeernews.com

کو بڑھا کر ہم مذہب کو زیادہ پہچان سکتے ہیں۔

(۱۱) **سودیشی:** اپنے دیش کی بنی ہوئی چیز کا استعمال اور محبت و دلچسپی کا دوسرا نام سودیشی ہے!

یہ بیش بہا اور قیمتی اصول یاد رکھنے اور عمل کرنے کے لیے ہیں۔

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

کہانیاں

www.taemeernews.com

پریم چند

نادان دوست

کیشو کے گھر میں ایک کارنس کے اوپر چڑیا نے انڈے دیے تھے۔ کیشو اور اس کی بہن شیاما دونوں بڑے غور سے چڑیا کو وہاں آتے جاتے دیکھا کرتے۔ صبح دونوں آنکھیں ملتے ہوئے کارنس کے پاس پہنچ جاتے۔ چڑیا اور چڑا دونوں کو وہاں بیٹھا پاتے۔ ان کو دیکھنے میں دونوں بچوں کو نہ جانے کیا مزہ ملتا ہے۔ دودھ اور جلیبی کی بھی سدھ نہیں رہتی تھی۔ دونوں کے دلوں میں طرح طرح کے سوال اٹھتے۔ انڈے کس رنگ کے ہوں گے؟ وہ کیا کھاتے ہوں گے؟ ان کے بچوں کے پر کیسے ہوں گے؟ گھونسلہ کیسا ہوگا؟

لیکن ان باتوں کا جواب دینے والا کوئی نہ تھا۔ نہ اماں کو گھر کے کام سے فرصت۔ نہ بابو جی کو پڑھنے لکھنے سے۔ دونوں بچے آپس میں سوال جواب کر کے اپنے دل کو تسلی دے لیا کرتے تھے۔ شیاما کہتی، کیوں بھیا، انڈوں سے بچے نکل کر اڑ جائیں گے؟

کیشو نے کہا "اری پگلی، پہلے پر نکلیں گے۔ بغیر پروں کے بے چارے کیسے اڑ جائیں گے۔" شیاما نے پوچھا "بچوں کو کیا کھلائے گی بے چاری چڑیا۔" کیشو اس پیچیدہ سوال کا جواب دیتا۔

اس طرح تین چار دن بیت گئے۔ دونوں بچوں کا تجسس دن بہ دن بڑھتا گیا۔ انڈوں کو دیکھنے کے لیے وہ بے تاب ہو اٹھے۔ انھوں نے اندازہ لگایا "اب بچے ضرور نکل آئے ہوں گے" بچوں کے چارے کا سوال ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ چڑیا بے چاری اتنا دانا

www.taemeernews.com

کہاں سے لائے گی کہ سارے بچوں کا پیٹ بھر سکے۔ غریب بچے بھوک کے مارے چوں چوں کر کے مر جائیں گے۔ اس مصیبت کا اندازہ لگا کر دونوں گھبرا گئے۔ اور دونوں نے فیصلہ کیا کہ کارنس پر تھوڑا سا دانا رکھ دیا جائے۔ شیاما خوش ہو کر بولی "تب تو چڑیا کو چگنے کے لیے کہیں اڑ کر نہیں جانا پڑے گا۔"

کیشو: "نہیں کیوں جائے گی"

شیاما: "کیوں بھیا، بچوں کو دھوپ نہ لگتی ہو گی؟"

کیشو کی توجہ اس پریشانی کی طرف نہیں گئی تھی۔ بولا "ضرور پریشانی ہوئی ہو گی۔ بے چارے پیاس کے مارے تڑپتے ہوں گے۔ اوپر سایہ بھی تو نہیں۔"

آخر میں یہ فیصلہ ہوا کہ گھونسلے کے اوپر کپڑے کی چھت بنا دینی چاہیے۔ پانی کی پیالی اور چاول رکھ دینے کی بات مان لی گئی۔

کیشو: "دکھادوں گا۔ پہلے ذرا وہ ٹوکری تو دے، اوپر سایہ تو کردوں۔"

شیاما نے ٹوکری نیچے سے تھما دی اور بولی "اب تم اتر آؤ، میں بھی دیکھوں۔"

کیشو نے ٹوکری کو ایک ٹہنی سے لگا کر کہا "جا نہ، دانا اور پانی کی پیالی لے آ۔ میں اتر جاؤں تو تجھے بھی دکھادوں گا۔"

شیاما پیالی اور چاول بھی لے آئی۔

کیشو نے ٹوکری کے نیچے دونوں چیزیں رکھ دیں اور دھیرے سے اتر آیا۔ شیاما نے گڑگڑا کر کہا "اب ہم کو بھی چڑھا دو بھیا۔"

"تو گر پڑے گی۔"

"نہ گروں گی۔ بھیا تم نیچے سے پکڑے رہنا۔"

"کہیں گر گرا گئی تو اماں جی میری چٹنی ہی بنا ڈالیں گی۔ کہیں گی کہ تو نے ہی چڑھایا تھا۔ کیا کرو گی دیکھ کر؟ اب انڈے بڑے آرام سے ہیں۔ جب بچے نکلیں گے تو ان کو پالیں گے۔"

دونوں پرندے کارنس پر آتے تھے اور بغیر بیٹھے اڑ جاتے تھے۔ کیشو نے سوچا "شاید ہم لوگوں کے خوف سے نہیں بیٹھے۔ اسٹول اٹھا کر کمرے میں آیا۔ چوکی جہاں تھی، وہیں رکھ دی، شیاما نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا "تم نے مجھے نہیں دکھایا۔ اماں جی سے کہہ

www.taemeernews.net

دوں گی۔"

کیشو: "اماں جی سے کہو گی تو بہت ماروں گا۔ کہہ دیتا ہوں۔"

شیاما: "تو تم نے مجھے دکھایا کیوں نہیں؟"

کیشو: "اگر گر پڑتی تو خون نکلتا۔"

شیاما: "نکلتا تو نکلتا خون، دیکھ لینا، میں کہہ دوں گی۔"

اتنے میں کوٹھری کا دروازہ کھلا اور ماں نے دھوپ سے آنکھوں کو بچاتے ہوئے کہا "تم دونوں باہر نکل آئے؟ میں نے کہا تھا' دوپہر کو نہ نکلنا۔ کس نے یہ کواڑ کھولا؟"

کواڑ کیشو نے کھولا تھا۔ لیکن شیاما نے ماں سے یہ بات نہیں کہی۔ اسے ڈر تھا کہ بھیا پٹ جائیں گے۔ کیشو دل میں کانپ رہا تھا کہ شیاما کہیں کہہ نہ دے۔ انڈے نہ دکھائے تھے اس وجہ سے اب اس کو شیاما پر بھروسہ نہ تھا۔ شیاما صرف پیار کے مارے چپ تھی۔ اس قصور میں حصہ دار ہونے کی وجہ سے اس کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ شاید دونوں ہی باتیں تھیں۔

ماں نے دونوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر پھر کمرے میں بند کر دیا اور دھیرے دھیرے انھیں پنکھا جھلنے لگی۔ ابھی صرف دو بجے تھے۔ باہر تیز لو چل رہی تھی۔ اب دونوں کو نیند آگئی۔ چار بجے تھے کہ اچانک شیاما کی آنکھ کھلی۔ کواڑ کھلے ہوئے تھے۔ وہ دوڑتی ہوئی کارنس کے قریب آئی۔ اوپر کی طرف دیکھنے لگی۔ ٹوکری کا پتہ نہ تھا۔ اچانک اس کی نگاہ نیچے گئی اور وہ الٹے پیر دوڑتی ہوئی کمرے میں جاکر زور سے بولی "بھیا انڈے تو نیچے پڑے ہیں۔ بچے اڑ گئے۔"

کیشو گھبرا کر اٹھا اور دوڑتا ہوا باہر آیا۔ دیکھتا ہے کہ تینوں انڈے ٹوٹے پڑے ہیں۔ پانی کی پیالی بھی ایک طرف ٹوٹی پڑی ہے۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ سہمی ہوئی آنکھوں سے زمین کی طرف دیکھنے لگا۔ شیاما نے پوچھا "بچے کہاں اڑ گئے بھیا۔"

کیشو نے رنجیدہ ہو کر کہا "انڈے تو پھوٹ گئے۔"

شیاما: "اور بچے کہاں گئے؟"

تبھی ماں نے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں دھوپ میں کیا کر رہے ہو؟"

شیاما نے کہا "اماں جی! چڑیا کے انڈے ٹوٹے پڑے ہیں۔"

ماں نے آکر ٹوٹے ہوئے انڈوں کو دیکھا اور غصے سے بولیں "تم لوگوں نے انڈوں

www.taemeernews.com

کو چھوا ہو گا۔"

اب تو شیاما کو بھیا پر ذرا بھی ترس نہ آیا۔ اس نے شاید انڈوں کو اس طرح رکھ دیا کہ وہ نیچے گر پڑے۔ اس کی سزا انھیں ملنی چاہیے۔

"انھوں نے انڈوں کو چھیڑا تھا اماں جی۔"

ماں نے کیشو سے پوچھا "کیوں رے کیشو! بھیگی بلّی بنا کھڑا ہے۔ تو وہاں کیسے پہنچا؟"

شیاما: چوکی پر اسٹول رکھ کر چڑھے تھے اماں جی۔"

کیشو: "تو اسٹول پکڑ کر نہیں کھڑی تھی۔"

شیاما: "تم ہی نے تو کہا تھا۔"

ماں: "تو اتنا بڑا ہو گیا۔ تجھے نہیں معلوم کہ چھونے سے چڑیا کے انڈے گندے ہو جاتے ہیں۔ چڑیا پھر انھیں نہیں سیتی۔"

شیاما نے ڈرتے ڈرتے پوچھا "تو کیا چڑیا نے ہی انڈے گرائے ہیں ماں جی۔"

ماں: "اور کیا کرتی۔ کیشو کے سر اس کا گناہ ہو گا۔ تین جانیں لیں ظالم نے۔"

کیشو رونی صورت بنا کر بولا "میں نے تو صرف انڈوں کو گدی پر رکھ دیا تھا اماں۔"

اماں کو ہنسی آ گئی۔

لیکن کیشو کو کئی دن تک اپنی غلطی کا افسوس رہا۔ انڈوں کی حفاظت کرنے کے خیال سے اس نے ان کا ستیاناس کر دیا۔ اس کو یاد کر کے کبھی کبھی وہ رو پڑتا۔

دونوں چڑیا پھر وہاں نظر نہ آئیں۔

www.taemeernews.com

جیلانی بانو

جھوٹے سچے خواب

ننھے ماموں میں دنیا کا ہر کمال موجود تھا۔ دنیا کا کون سا کام تھا جو ننھے ماموں نہ کر سکتے ہوں۔ ایک کمال ہو تو گنوایا جائے۔ کاغذ کو موڑ کر ناؤ اور بکس بنانا انھیں آتا تھا۔ دونوں ہتھیلیوں کے بیچ میں اکنی رکھ کر غائب کر سکتے تھے۔

بیٹھے بیٹھے نانی کے پاندان میں سے روپیہ نکال کر دکھا دیتے۔ جن اور بھوتوں کو قابو میں کرنے میں طاق۔ کہتے تھے 'نیم پر رہنے والے جمے شاہ ان کے کہنے میں ہیں۔ ننھے ماموں ہر کام ان سے کروا لیتے تھے۔ اور پھر چٹپٹی مزے دار کہانیوں کا وہ عظیم الشان اسٹاک کہ ہر رات ایک نئی اور تعجب خیز کہانی لے لیجیے۔ کہتے تھے یہ سب جمے شاہ کی کرامات ہیں۔ سارے محلے کے بچے ان کے گرویدہ تھے۔ اور ان کے کمالوں کے معترف۔ مگر ننھے ماموں کی یہ بات ذرا اچھی نہ لگتی تھی کہ وہ ہمیں بہلا پھسلا کر پیسے ہتھیا لیتے تھے۔ مشکل یہ تھی کہ کوئی جھوٹا بہانہ بھی نہ مانتے۔ جھٹ بتا دیتے کہ "جمے شاہ دیکھ آئے ہیں، بانو کی جیب میں ایک چونّی پڑی ہے۔"

ایسے انکشاف پر جمے شاہ کے ساتھ ساتھ ننھے ماموں سے دلچسپی بڑھ جاتی تھی۔ پھر جادوگروں کے قصے اور نئی نئی کہانیوں کی لالچ بھی بری بلا ہے۔

لیکن آپ تو جانتے ہی ہیں کہ بچے جس چیز کو پسند کریں، بڑوں کو اس بات سے اللہ واسطے کا بیر ہو جاتا ہے۔ وہ نہ جانے کس رشتہ ناتے سے ہمارے ماموں کہلاتے تھے، مگر حال یہ

www.taemeernews.com

تھا کہ جب کبھی ہمارے نصیبوں کے جاگنے پر وہ گھر آتے تھے تو انھیں نوکروں کی کوٹھریوں کی طرف ہانک دیا جاتا۔ سب کے کھانے کے بعد انھیں علیحدہ بھجوا دیا جاتا۔ کبھی اندر آکر ابا اور نانی سے بات کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ ہم سب مل کر جب یہ مژدۂ جانفزا سناتے تھے کہ بنّے ماموں آئے ہیں تو اماں سب الماریوں، صندوقوں کے قفل جانچنے لگتیں۔ نانی عینک صاف کر کے دالان میں آ بیٹھتیں کہ چاروں طرف نگاہ ڈال سکیں۔ مگر اتنی احتیاط کے باوجود جس دن وہ اچانک غائب ہوتے تو جے شاہ کبھی ابا کے جوتے غائب کر دیتے اور کبھی نانی کا پاندان اڑا لے جاتے۔

اللہ جانے ماموں کیا کام کرتے تھے۔ مگر اتنا یاد ہے کہ بے چارے ہمیشہ چیتھڑوں میں لپٹے رہے۔ کہتے تھے ہمیں خود ہی یہ لباس پسند ہے۔ ورنہ جے شاہ چاہیں تو آج ہمارے لیے ہیرے جواہرات جڑے ہوئے کپڑے لے آئیں۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے سب پیسے ان کی مٹھی میں دینے کے بعد بھی ان سے پیچھا چھڑانے کو جی نہ چاہتا تھا۔ کبھی کہتے تھے ہمارے گھر میں مایا ہے۔ زمین تلے دوڑتی پھرتی ہے۔ کسی ترکیب سے نکالنا چاہیے۔ کبھی دھمکیاں دیتے کہ جے شاہ کی بات مت ٹالا کرو ورنہ وہ اڑن کھٹولے پر بٹھا کر کوہ قاف لے جائیں گے۔

ایک بار بنّے ماموں نے اماں کی کھوئی ہوئی ساری جے شاہ سے منگوا دی تو ہم سب حیران رہ گئے۔ مگر اماں نے ان پر چوری کا الزام لگا کر اتنی صلوٰتیں سنائیں کہ وہ کھسیا گئے۔

"تمھاری اماں جے شاہ سے دشمنی مول لے کر اچھا نہیں کر رہی ہیں۔ دیکھنا کسی دن وہ گھر کا صفایا کر جائیں گے۔" انھوں نے دھمکی دی۔ اور ہم سب نے اپنی چھپی دبی دولت بنّے ماموں کو بخش دی تاکہ جے شاہ کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہو جائے۔ جب ہم ان کی کوٹھری میں گھس کر جادو سیکھنے کی کتابیں، ہرے نیموں، سندور، کھوپڑیاں اور جانوروں کے ڈھانچے دیکھتے تھے تو نانی اچھی طرح خبر لیتیں۔ اتنی پٹائی کے بعد ہمیشہ توبہ کرتے کہ اب کبھی ماموں کے جھانسے میں نہ آئیں گے۔ نانی گھنٹوں سمجھاتیں کہ بنّے ماموں پاگل ہیں۔ یہ منگل اور جے شاہ سب فرضی قصے ہیں۔ وہ ہمیں بے وقوف بناتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

شاید یہی وجہ تھی کہ کئی مہینے کے بعد بنّے ماموں آئے تو ہم میں کسی نے ان کا اچھل اچھل کر استقبال نہ کیا۔ وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئے تھے۔ سب کہانیاں اور کمال بھول گئے تھے۔ ہر وقت کوٹھری میں پڑے ہائے ہائے کرتے اور ہم سب کو لوٹنے کی فکر میں

www.taemeernews.com

رہتے تھے۔ اب ہم پر بھی رفتہ رفتہ یہ حقیقت کھل رہی تھی کہ بنے ماموں کو جادو وادو کچھ نہیں آتا۔ اب ہم پیسے جیبوں میں ڈال کر بجانے کی بجائے آپا کے پاس جمع کرنے لگے تھے۔ مگر بنے ماموں سے پیچھا چھڑانا مشکل تھا۔ وہ زبردستی اپنی کوٹھری میں پکڑ کر لے جاتے تھے اور اماں کی صندوقچی میں سے پیسے نکالنے کی ترکیبیں بتاتے۔

ایک دن میں ان کے تقاضوں سے جھنجھلا گئی "بنے ماموں آپ زمین کے نیچے سے مایا کیوں نہیں نکلوا لیتے جیسے شاہ سے؟"

"ارے بی بی، مایا اتنی آسانی سے تھوڑی نکلتی ہے۔" انھوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "پہلے تو وہ کسی کے خواب میں آکر کہتی ہے کہ مجھے نکالو۔ پھر سات دن تک اس جگہ پر مٹھائی وغیرہ رکھ کر منتر پڑھنا پڑتا ہے، تب کہیں جاکر وہ بتاتی ہے کہ کس رات کو نکلے گی۔"

"میرے خواب میں ایک دن آئی تھی۔" میں نے گپ لگائی۔

"اچھا کب؟" انھوں نے چونک کر کہا۔

"پرسوں۔"

"پرسوں! یعنی جمعرات کو؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ "کیسی تھی؟"

اب میں ذرا چکرائی۔ مدد کے لیے مہر کو دیکھا اور وہ فوراً مجھے دھکیل کر آگے بڑھی۔ "یہ بڑی تھی بنے ماموں۔ کالی کالی۔ بیچا کی صورت۔"

"ہاں ہاں ایسی ہی ہوتی ہے۔" وہ اپنی مسرت چھپا کر بولے "کیا کہہ رہی تھی؟"

"کہہ رہی تھی۔ آج مجھے نکالو۔" احمد جلدی سے بولا۔

"ارے واہ، خواب میں نے دیکھا اور کہا تم سے۔" میں نے برا مان کر کہا، کیونکہ اس طرح مٹھائی کی بات کھٹائی میں پڑ رہی تھی۔ "ماموں! وہ کہہ رہی تھی، روز رات کو کنوئیں کے پاس مٹھائی رکھ جایا کرو۔"

"سچ مچ! احمق لڑکی تو نے مجھے اسی وقت کیوں نہیں بتایا۔ میں فوراً جھے شاہ کی مدد سے نکال لیتا۔"

پھر وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ ہم سب بھی گم سم بیٹھے تھے، کیونکہ بچے جھوٹ بولیں تو ان کے چہرے پر نہ تو پشیمانی جھلکتی ہے نہ حواس غالب ہوتے ہیں۔ شاید اس

www.taemeernews.com

لیے کہ اپنے جھوٹ کو ہم خود ہی سچ سمجھنے لگتے ہیں۔ پھر ننھے ماموں جلدی سے اٹھے اور لپائیں جھپائیں ٹوپی شیروانی سنبھال کر چل دئے۔

ان کے جانے کے بعد ہم سب نے باجماعت قہقہے لگائے۔ آج ہم بھی ننھے ماموں کو الو بنانے کے قابل ہو گئے۔

شام کو وہ واپس آئے تو ہاتھ میں مٹھائی کا ایک بڑا سا دونا تھا اور پھول، اگر بتیاں، لوبان وغیرہ۔

"بچوں کے خواب کبھی جھوٹے نہیں ہوتے۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ اب میری قسمت ہی بدل جائے گی۔" وہ خوشی کے مارے کانپتے پھر رہے تھے۔ انھوں نے ہم سے پکا وعدہ لے لیا کہ اب کبھی ہمارے پیسے نہیں چھینا کریں گے۔ مگر اس بات کا ذکر گھر میں کسی سے نہ کریں۔ اور ہم نے بھی نانی کی طرح خوب اللہ رسول کی قسمیں کھا ڈالیں کیونکہ گھر میں کسی سے اس بات کا ذکر کر کے اپنی شامت بلوانا تھوڑی تھی۔

اسی طرح کئی دن گزر گئے۔ ابا ننھے ماموں کی دوا کے لیے جو پیسے دیتے تھے، ہم سب اس کی مٹھائیاں کھاتے رہے۔ ہر روز صبح اٹھ کر جب وہ مٹھائی کا خالی دونا دیکھتے تھے تو بڑی دیر تک انگلیاں اٹھا اٹھا کر چپکے چپکے کوئی منتر پڑھتے۔ پھر بڑی عقیدت کے ساتھ اس جگہ کو چومتے۔

"تم نے دیکھا بچو۔" وہ مسرت کے مارے کھلے جا رہے تھے۔ "یہ جمے شاہ کی کرامات ہیں کہ مٹھائی آپ ہی آپ غائب ہو جاتی ہے۔ یہ مایا کے نیک ہونے کی نشانی ہے، ورنہ مایا بری ہو تو آدمی کا خون پی لیتی ہے۔" یہ سن کر ہم کو ہنسی آجاتی تھی۔

"تمھیں یقین نہیں آتا۔ خیر دیکھتی جاؤ۔ ایک دن جمے شاہ اشرفیوں سے بھرا ہوا گھڑا لے کر آئیں گے۔ بس ایک آدھ دن میں کوئی خواب دیکھے گا کہ مجھے نکالو۔"

انھیں ہر وقت کھانستے دیکھ کر فریدہ کو بڑا رحم آنے لگا تھا۔ اور مٹھائی کھاتے وقت خوب تو تو میں میں ہوتی۔ فریدہ کہتی تھی کہ ننھے ماموں کو غشی کے دورے پڑنے لگے ہیں اس لیے ان کی دوا کے پیسوں کی مٹھائی نہیں کھائیں گے اور ننھے ماموں سے کہہ دیں گے کہ ہم نے جھوٹ کہا تھا۔ مگر کوئی نہ مانا۔ واہ ننھے ماموں جو ہم سے جھوٹ کہہ کر پیسے چھین لیتے ہیں۔

www.taemeernews.com

مگر ایک دن جب ان کی حالت اتنی بگڑ گئی کہ وہ صبح کو اتنی سردی میں خالی دونا بھی دیکھنے نہ آسکے تو فریدہ نے اماں سے شکایت کی دھمکی دی۔ اس لیے مجبوراً بدبودار کوٹھری میں جانا پڑا۔ لیکن مایا نکالنے کا خواب سنانے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ کیونکہ ننھے ماموں ہزار بار بتا چکے تھے کہ وہیں بیٹھ کر رات بھر منتر پڑھنا پڑتا ہے۔ مگر ان دنوں بلا کی سردی پڑ رہی تھی۔ سرِ شام کوئی آنگن میں نکلنے کی ہمت بھی نہ کر سکتا تھا۔ شاید اس لیے ننھے ماموں نے میری بات کو بڑے تحمل سے سنا۔ بار بار کھانسی کے پھندے انھیں بھٹکائے دے رہے تھے۔ اس لیے بعد میں اپنی حماقت پر افسوس ہوا۔ کوئی لحاف میں دبک کر مایا نکالنے کی ترکیب بتا دیتے۔ اب بھلا اتنی سردی میں اور اتنی بیماری میں ماموں کیوں الو بنیں گے۔

سونے سے پہلے جب ہم آتش دان کے پاس بیٹھے آگ تاپ رہے تھے تو میں نے چپکے سے مہر کے کان میں کہا "اب صبح کو مٹھائی نہیں ملا کرے گی۔"

"اور ماموں سمجھ گئے تھے کہ ہم نے ان سے جھوٹ کہا ہے۔ اب دیکھنا جنے شاہ ہم سے انتقام لیں گے۔" مہر بولی۔

پھر جنے شاہ کے ڈر سے بڑی رات گئے تک ہم جاگتے رہے۔

صبح اجالا ہونے سے پہلے ہی چیخ پکار سن کر آنکھ کھل گئی۔ جسے دیکھو آنگن کی طرف دوڑا جا رہا تھا۔

"مہر جلدی اٹھو۔ معلوم ہوتا ہے کہ جنے شاہ کی کرامات سے ننھے ماموں نے مایا نکال لی۔"

آنگن میں گھر والوں اور محلے والوں کا ہجوم تھا اور کنویں سے ٹیک لگائے ننھے ماموں بیٹھے تھے۔ ان کے آگے جانے کیا کیا چیزیں بکھری پڑی تھیں۔ ان کی مٹھیاں بند تھیں اور وہ منہ کھولے، آنکھیں پھاڑے نیم کو تکے جا رہے تھے جیسے جنے شاہ کا انتظار کر رہے ہوں۔

ان سیاہ بھیانک صورت دیکھ کر ہم سب ڈر کے مارے رو پڑے۔ اماں، نانی اور محلے کی عورتیں بھی ہمارا ساتھ دے رہی تھیں۔

"نہ جانے کس نے جھوٹے سچے خواب دکھائے ہوں گے۔"

www.taemeernews.com

حامدی کاشمیری

پتھر کی مورتی

سمندر نیلا تھا۔

سمندر کی پری کا نام نیلم پری تھا۔

نیلم پری۔

ہاں نیلم پری۔ دادی اماں نے کہا۔ ان کی دونوں آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ کھو سا گیا۔ دادی اماں کتنی اچھی ہیں۔ انھیں کتنی اچھی اچھی کہانیاں یاد ہیں۔ پیاری سی کہانیاں۔ شام ہوتے ہی جب وہ، چنو اور پنکی کو ان کے لان پر چھوڑ کر آتا ہے تو کھانا کھاتے ہی وہ دادی اماں کے پاس آکر بیٹھ جاتا ہے۔ اور نئی کہانی سنانے کے لیے اصرار کرتا ہے۔ دادی اماں کہانی۔ دادی اماں کہانی۔

وہ سمندر کی پری تھی۔ دن بھر سمندر کے ساتھ کھیلتی رہتی۔ رات کو چمکتے تاروں سے باتیں کرتی، خوش رہتی۔ لیکن۔

پھر کیا ہوا؟

وہ بڑی ہوتی گئی تو اداس رہنے لگی۔

کیوں اداس رہنے لگی؟ کمرے کی دیواروں پر اداسی چھا گئی۔

وہ اکیلی رہ گئی تھی۔ اس کی ماں مچھلی کا روپ دھار چکی تھی۔ اور باپ۔ اسے باپ سے بے حد ڈر لگتا تھا۔ یوں سمجھو کہ اس کے ماں باپ نہیں تھے۔

www.taemeernews.com

سمجھا۔ جس بچے کے ماں باپ نہیں ہوتے وہ بے چارا روتا رہتا ہے۔ منو کی طرح۔ وہ منو سے کھیلے گا۔ اسے بہت سی ٹافیاں دے گا اور پھر دونوں گڈا گڈی کا بیاہ رچائیں گے۔

ایک دن نیلم پری لہروں پر چل کر سمندر کے کنارے آئی۔ کنارے پر چمکتی ریت پر اسے ایک گٹھری سی نظر آئی۔ وہ چونک گئی۔ اس کے پاس آئی تو اس نے دیکھا۔ کیا دیکھا؟

وہ ایک خوبصورت شہزادہ تھا۔ بے ہوش پڑا ہوا۔

پھر؟

دادی اماں کھانس دیں۔ مچھر بھی بھنبھنا رہے تھے۔ کچن سے برتن کے الٹنے پلٹنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ پری نے کئی جتن کیے تاکہ شہزادہ ہوش میں آئے۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ بہت بے چین ہوئی۔ اچانک اسے ایک خیال آیا۔

کیا؟ وہ شہزادے کو سمندر کی لہروں پر سوار کر کے اپنے شیشے کے گھر میں لے آئی۔ شہزادہ وہاں ہوش میں آیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو حیران رہ گیا۔

میں کہاں ہوں۔ اور تم۔ تم کون ہو؟

یہ میرے شیشے کا گھر ہے۔ اور میں نیلم پری ہوں۔

وہ سمندری جہاز میں سفر کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ لاؤ لشکر تھا۔ اچانک سمندر میں طوفان آیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے جہاز ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ وہ جہاز کے ایک تختے پر تیرتے ہوئے کنارے آلگا۔ اور بے ہوش ہو گیا۔ شہزادے کا لہجہ اداس تھا۔

نیلم پری کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے پیار کرنے لگے۔ ایک دن شہزادے نے کہا۔ کیا کہا؟

نیلم پری، میں اپنے وطن لوٹنا چاہتا ہوں اور تم کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ میں تمھیں اپنی ملکہ بنانا چاہتا ہوں۔

ملکہ۔ نیلم پری خوشی سے ناچنے لگی۔

میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔

اتنے میں زور کی آندھی چلی۔ شیشے کے گھر پر زلزلہ آگیا۔ نیلم پری سر سے پیر تک کانپنے لگی۔

www.taemeernews.com

نیلم پری۔ یہ۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟

شہزادے، میں خود بھی چاہتی ہوں کہ تم شادی کروں۔ لیکن۔ وہ رک گئی۔

تو آؤ، یہاں سے بھاگ چلیں۔

لیکن سمندر کا دیوتا غصّے میں آ رہا ہے۔ اس کا غصہ بہت خطرناک ہے۔ وہ انسانوں سے نفرت کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے، انسان بے وفا ہوتے ہیں۔ وہ سمندر کی بیٹیوں کو بہلا پھسلا کر لے جاتے ہیں۔ اور پھر انھیں دھوکا دیتے ہیں۔ انھیں چھوڑ دیتے ہیں۔

لیکن میں ایسا نہیں ہوں نیلم پری۔ میں تمھیں بے حد چاہتا ہوں۔

بس بس۔ آندھی تیز ہوتی گئی۔ اور دوسرے لمحے شیشے کا گھر چکنا چور ہو گیا۔

اور پھر کیا ہوا۔ دادی اماں۔ گڈو کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔

پھر جب شہزادے کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ اس کے سرہانے پتھر کی ایک مورتی پڑی ہے۔

مورتی؟

ہاں، ہاں، مورتی۔ اسے یاد آیا۔ وہ نیلم پری یہیں پر ملی تھی۔ اور یہ مورتی۔ وہی چہرہ۔ وہی نازک سا جسم۔ نازک سے سفید پر۔

نیلم پری پتھر بن چکی تھی۔

سمندر شانت تھا۔

اور شہزادہ اکیلا تھا۔ وہ اکیلا رو رہا تھا۔

اور گڈو سوچ رہا تھا کہ شہزادہ اکیلا ہے۔ لیکن وہ رو رہا ہے! اس کی پلکوں پر آنسو تھرتھرا رہے تھے!

www.taemeernews.net

حیات اللہ انصاری

دم کٹ گئی، پر جھڑ گئے، پھرتے ہیں لنڈورے

جنگل میں ایک اسکول تھا۔ وہاں دو مور پڑھتے تھے۔ ہرا مور اور لال مور۔ دونوں بڑے خوبصورت تھے۔

اسکول میں طوطا، مینا، کوا اور جگنو بھی پڑھتے تھے۔ لال مور کی ان سب سے دوستی تھی۔ جب اسکول میں چھٹی ہو جاتی تھی تو یہ پانچوں چھلی چھلیا کھیلتے۔

لال مور کا کوئی دوست اگر بیمار پڑ جاتا تو وہ اس کے گھر جاتا اور اپنا ناچ دکھا دکھا کر اس کا جی ایسا بہلاتا کہ وہ اچھا ہو جاتا۔

ہرے مور سے کسی کی دوستی نہیں تھی نہ تو وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ چھلی چھلیا کھیلتا اور نہ کسی بیمار کے گھر آتا جاتا!

ایک دن سب چڑیوں نے ہرے مور سے کہا "آج تم کو بھی کھیلنا پڑے گا۔"

بہت کہنے سننے سے وہ راضی ہو گیا۔

کھیل ہونے لگا۔ تھوڑی دیر میں ہرا مور چور بن گیا۔ داؤں جو دینا پڑا تو یہ دل ہی دل میں بہت بگڑا۔ کہیں مینا کا پاؤں اس کی دم پر پڑ گیا۔ پھر تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ لگا مینا کو اندھا

www.taemeernews.com

اور بد تمیز کہنے اور دوڑا مارنے۔ سب نے بڑی مشکل سے اس کو روکا۔ وہ خفا ہو کر چلا گیا۔

اس دن سے ہرا مور بالکل الگ تھلگ رہنے لگا!

تھوڑے دنوں کے بعد لال مور، ہرا مور، طوطا، مینا، کوا اور جگنو سب پڑھ سیکھ کر اسکول سے چلے گئے اور اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے۔

ہرے مور اور لال مور کے بھاری بھاری چمکدار دمیں نکل آئیں۔ وہ خوب ناچنے لگے اور باغوں میں گھومنے لگے۔

ایک دن ہرے مور اور لال مور دونوں نے باغ میں مورنی کو دیکھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں تھیں۔ نازک چونچ تھی۔ پر ملائم ملائم تھے۔ دیکھتے ہی دونوں کی طبیعت آ گئی۔

ہرے مور نے مورنی سے کہا "مورنی! مورنی! ہم سے شادی کر لو۔"

لال مور نے بھی کہا "نہیں، ہم سے شادی کر لو۔"

پھر دونوں نے مورنی کو اپنا اپنا ناچ دکھایا۔ مورنی نے دیکھا کہ دونوں مور بہت خوبصورت ہیں۔ اور دونوں بہت اچھا ناچتے ہیں۔۔۔۔۔ وہ بڑی چکرائی کہ میں کس سے شادی کروں اور کس سے نہ کروں۔ کہنے لگی "جاؤ، میں تم دونوں کا امتحان لوں گی۔ جو اس میں پورا اترے اسی کے ساتھ شادی کروں گی۔"

مورنی کی ایک سہیلی تھی۔ چوہیا۔ وہ شہر میں رہتی تھی۔ مورنی نے اس کو بلا بھیجا۔ جب وہ آئی تو مورنی نے اس سے کہا "اری بہن چوہیا، تم تو آدمیوں میں رہتی ہو، ان کی باتیں جانتی ہو۔ تب جانوں، کوئی ایسی تدبیر کرو جس سے پتہ چل جائے کہ لال مور اچھا یا ہرا۔"

چوہیا نے جواب دیا۔ "سہیلی! تم ذرا بھی فکر نہ کرو۔ میں ایسی ہی تدبیر کرتی ہوں۔ تمھیں کیا، ساری دنیا کو پتہ چل جائے گا کہ کون سا مور اچھا ہے۔"!

جب آدھی رات ادھر، آدھی رات ادھر ہوئی اور سارا سنسار سو گیا تب چوہیا کالا کمبل اوڑھ کر نکلی۔ دبے پاؤں ہرے مور کے گھونسلے میں آئی۔ دیکھا کہ وہ پڑا بے خبر سو رہا ہے۔ یہ چپکے چپکے اس کے پر کترنے لگی۔

ہرا مور سوتے کا سوتا رہ گیا اور چوہیا اس کی دم تک کتر گئی۔

پر جو کٹ گئے تو مور اندر سے لال گوشت کا لوتھڑا رہ گیا۔

صبح سویرے ہرے مور کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ میں بالکل لنڈ منڈ ہوں۔ وہ بہت

www.taemeernews.com

گھبرایا کہ اب کیا کروں۔ کوئی دوست تو اس کا تھا ہی نہیں جو راہ بتاتا۔ وہ گھونسلے میں اکیلا پڑا رہا۔

ہرے مور کے پنکھ کٹ گئے تھے۔ اس لیے آج دانا چگنے بھی نہیں جا سکا۔ جب سارا دن بیت گیا اور بھوک پیاس سے بری حالت ہو گئی تب کسی نہ کسی طرح پیڑ سے نیچے اترا اور کھیت کی طرف چلا۔

راستے میں اسے بطخیں اور مرغیاں ملیں جو ہرے مور کو اس حالت میں دیکھ کر ہنسنے لگیں۔ اور بطخیں کہنے لگیں "قرا قرا! قرا قرا! کیسی بے شرم چڑیا ہے۔ اپنے پر اتارے بازار میں ننگی گھوم رہی ہے۔"

مرغیاں کہنے لگیں۔ "کٹا کٹ کٹا کٹ! مارو تو اس ننگ دھڑنگ کو۔"

چوزوں نے جو دیکھا تو لگے تالیاں بجا بجا چڑانے۔ "دم کٹ گئی، پر جھڑ گئے، پھرتے ہیں لنڈورے۔ ہے ہے میاں چڑ کٹ! ہے ہے میاں چڑ کٹ!۔"

کہیں گشت لگاتے ہوئے ادھر آ نکلے سپاہی بن بلاؤ۔ انھوں نے دیکھا مور کو تو سمجھے کہ بوٹی ہے۔ پھر تو وہ اس پر جھپٹ پڑے اور یہ بھاگا اپنی جان لے کر۔

سپاہی بلاؤ چلانے لگے "ارے بوٹی بھاگتی جا رہی ہے۔"

ہرے مور نے بھاگ کر بڑی مشکل سے اپنی جان بچائی۔ اور بلاؤ کے ڈر سے ادھر ادھر دبکتا پھرنے لگا۔ آخر جب بھوک پیاس سے مرنے لگا اور بہت عاجز آ گیا تو ایک گدھ کے دروازے پر جا کر کہنے لگا "تو مجھے کھا لے۔"

پھر گدھ کو اس پر ترس آ گیا۔

ہرا مور وہیں دن گزارنے لگا۔ اس کا دیا ہوا سڑا ہوا گوشت کھاتا، سنڈاس کا پانی پیتا اور غلاموں کی طرح اس کا کام کاج کرتا رہتا۔!

دوسری رات چوہیا نے لال مور کے پر بھی کاٹ ڈالے۔ لال مور نے جب دیکھا کہ میرے سب پر غائب ہیں تو رونے لگا کہ بھلا اب مورنی میرے ساتھ شادی کیوں کرنے لگی۔

مینا اور کوا اس دن جو اپنے دوست لال مور سے ملنے آئے تو ان کو اس کی مصیبت کا پتہ چلا۔ وہ دونوں اسے سمجھانے لگے کہ ایسی بیماریاں آتی ہی رہتی ہیں۔ گھبراؤ نہیں کوئی نہ

www.taemeernews.com

کوئی راہ نکل ہی آئے گی۔ مینا جاکر کہیں سے دانے بٹور لائی۔ کوا ایک چپاتی اٹھا لایا۔ پھر تینوں نے مزے سے بیٹھ کر کھانا کھایا اور آپس میں ایسی ہنسی کی باتیں ہوئیں کہ لال مور اپنی مصیبت بھول گیا۔ جب تینوں کھاپی چکے اور لال مور کی ڈھارس بندھ گئی تب مینا اور کوا بیٹھ کر سوچنے لگے کہ کیا کیا جائے کہ لال مور کے پر پھر سے نکل آئیں۔

کوے نے کہا ”حکیم کی دوا سے پر پھر نکل سکتے ہیں۔ مگر اس کے گھر کا راستہ بہت مشکل ہے۔ راہ میں دو بڑے بھیانک میدان پڑتے ہیں۔ پیلا میدان اور کالا میدان۔ پیلے میدان میں رات کو اولے پڑتے ہیں اور کالے میدان میں دن کو۔ اس لیے پیلا میدان دن بھر میں پار کر لینا ہوگا۔ نہیں تو اولوں سے سر پھٹ جائے گا۔ پھر بلا دم لیے رات میں کالا میدان پار کرنا ہوگا۔“

لال مور نے کہا۔ ”میں پیدل بڑا تیز بھاگ سکتا ہوں۔ پار کر لوں گا۔“

کوے نے کہا ”ایک مشکل اور ہے۔ زمین پر ایک بڑا بھاری سانپ رہتا ہے جو پیدل جانے والوں کو نگل جاتا ہے۔“

لال مور نے کہا۔ ”میں تو جاؤں گا۔ سانپ نگل جائے تو نگل جائے۔ مورنی کے بغیر جینے سے مر جانا اچھا۔“

مینا بولی ”بھائی کوے چلو ہم دونوں بھی لال مور کے ساتھ ساتھ چلیں۔ جہاں سانپ نکلا میں تم کو بتادوں گی پھر دونوں مل کر اس کو مار ڈالیں گے۔“

تینوں نے دوسرے دن چلنے کی ٹھان لی۔

دوسرے دن لال مور، کوا اور مینا بھی حکیم کے گھر کو چلے۔ لال مور نیچے نیچے بھاگ رہا تھا اور کوا اور مینا اس کے اوپر اوپر اڑ رہے تھے۔

سانپ راستے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے مور کو آتے دیکھا تو بدبدایا ”اہا! کیسی اچھی بوٹی بھاگی جارہی ہے۔ میں ابھی اس کو کھاتا ہوں۔“

سانپ لال مور پر جھپٹا۔ لیکن اس کو اس کی سخت سزا ملی۔

مینا نے ٹیں ٹیں کر کے کوے کو خبر دی کہ سانپ آرہا ہے۔ کوے نے پیچھے سے آکر ایک چونچ سانپ کی دم پر مار دی۔ سانپ جو پلٹا کوا کی طرف تو مینا نے پیچھے سے آکر ایک دوسری چونچ رسید کر دی اس کی دم پر۔ پھر دونوں نے مل کر سانپ کے اتنی چونچیں ماریں،

www.taemeernews.com

اتنی چونچیں ماریں کہ اس کا کچومر نکل گیا۔ اور وہ مر گیا۔

سانپ کو مار کر پھر تینوں اپنی منزل کی طرف چل کھڑے ہوئے اور سورج ڈوبتے ڈوبتے پیلا میدان پار ہو گیا اور کالا میدان آ گیا۔ ایک تو میدان کالا اس پر رات کا گھپ اندھیرا۔ لال مور گھبرا کر کہنے لگا۔ "بہن مینا اور بھائی کوے مجھے تو راستہ نہیں سوجھتا۔"

مینا بولی "بھیا! گھبراؤ نہیں، وہ سامنے جو روشنی دکھائی دے رہی ہے، یہ میاں جگنو کا گھر ہے۔ چلو ان سے کہیں کہ ہم کو روشنی دکھا دیں۔"

تینوں پہنچے جگنو کے گھر۔ ان تینوں کی بڑی خاطر کی۔ چائے پلائی، کھانا کھلایا اور پھر ان کے ساتھ چل کھڑا ہوا۔ بھیانک اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس کے آگے آگے میاں جگنو روشنی دکھاتے جا رہے تھے۔ پیچھے پیچھے زمین پر لال مور بھاگ رہا تھا اور اس کے اوپر مینا اور کوا اڑ رہے تھے۔

چاروں بھاگتے رہے، بھاگتے رہے۔ جیسے جیسے صبح قریب آتی جاتی مینا اور کوا جگنو سے کہتے "بھائی جگنو، اور تیز۔ اور تیز۔ نہیں تو اگر صبح ہو گئی تو اولے پڑنے لگیں گے اور ہم لوگوں کے سر پھوٹنے لگیں گے۔"

میاں جگنو کہتے "ہم تھکے جا رہے ہیں۔ اتنا تیز نہیں چل سکتے۔"

مینا اور کوا کہتے "بھائی ذرا ہمت سے کام لو تو ہمارا کام بن جائے گا۔"

صبح ہوتے ہوتے کالا میدان بھی پار ہو گیا۔

لال مور نے حکیم کے دروازے پر پہنچ کر کہا "میں آؤں۔ میں آؤں۔"

اندر سے حکیم صاحب کا کتا نکلا۔ اس نے کہا "بھاگ! میں تجھے اندر نہیں گھسنے دوں گا۔ تیرے پر نہیں ہیں تو کوڑھی ہے۔"

یہ کہہ کر کتا بھونکنے لگا۔ "بھوں۔ بھوں۔ بھوں۔ بھوں۔"

اتنے میں کسی نے اوپر سے کہا "بھائی لال مور، تم کہاں۔"

اوپر ایک پنجرے میں بھائی طوطے مٹھو میاں بیٹھے ہوئے تھے۔

لال مور نے ان کو اپنی بپتا کہہ سنائی۔

طوطا بولا "بھائی مور، گھبراؤ نہیں۔ میں آدمی کی بولی جانتا ہوں۔ ابھی حکیم صاحب سے دوا دلاتا ہوں۔"

www.tabeeernews.com

پھر طوطے نے "دت!دت۔" کر کے کتے کو بھگایا۔جب حکیم صاحب باہر آئے تو طوطے نے لال مور کو دوا دلوا دی۔

دوا کھاتے ہی لال مور کے پر اور دم نکل آئی جو پہلے سے زیادہ خوبصورت اور چمکدار تھے۔

لال مور کے اچھا ہونے کی مینا، کوا، جگنو اور طوطا چاروں نے بڑی خوشیاں منائیں۔ پھر مینا، کوا، جگنو اور لال مور طوطے سے رخصت ہو گئے اور اڑ کر میدانوں کو پار کر کے جنگل آ گئے۔

مورنی نے لال مور کا سارا قصہ سنا تو وہ بھی اس پر عاشق ہو گئی۔دل میں چوہیا کے امتحان کی تعریف کرنے لگی۔

اس طرح صاف پتہ چل گیا کہ کون سا مور اچھا تھا، کون سا برا۔

پھر بڑی دھوم دھام سے لال مور اور مورنی کی شادی ہو گئی۔

www.taemeernews.com

خواجہ احمد عباس

تین لڑکے، تین کتابیں

بہت جلد امتحان کا موسم آنے والا ہے۔

سب طالب علم اپنے اپنے امتحانوں کی تیاری کر رہے ہیں۔ مگر الگ الگ طریقے سے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ایک کتاب ہے۔ لیکن یہ وہ کتاب نہیں ہے جو دوسروں کے ہاتھ میں ہے۔

کچھ طالب علم تو وہ ہیں جو بڑے بڑے بنگلوں یا فلیٹس میں رہتے ہیں۔ ہر لڑکے یا لڑکی کا الگ کمرہ ہوتا ہے، وہ بھی ایئر کنڈیشنڈ، آرام دہ پلنگ پر مسہری لگی ہوئی، کچھ کتابیں، کاپیاں، قلم، دوات، پنسلیں، مہنگے فونٹن پن، اخبار، رسالے، گراموفون، ریکارڈ میز پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ٹیبل لیمپ کی روشنی عین کتاب کے اوپر پڑ رہی ہے۔

پہلی کتاب

اس کمرے میں لڑکا آرام کرسی پر لیٹا ہوا کتاب پڑھ رہا ہے۔ پاس ہی کافی کی پیالی رکھی ہوئی ہے۔ ایک پلیٹ میں سینڈوچز رکھی ہیں۔ کبھی وہ سنڈوچ کھاتا ہے، کبھی کافی کا ایک گھونٹ پیتا ہے، کبھی دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھتا ہے۔

کمرہ خاموش ہے۔ صرف ایئر کنڈیشنر کی ہلکی نرم آواز سنائی دیتی ہے۔ کتنے اطمینان کے ماحول میں پڑھائی ہو رہی ہے۔ ماں باپ نے نوکروں تک کو ہدایت کر دی ہے کہ برآمدے میں بھی آہستہ سے گزریں تاکہ لڑکے کا دھیان نہ بٹے۔

www.taemeernews.com

لیکن کہتے ہیں کہ اطمینان تو انسان کے من میں ہوتا ہے۔ اس لڑکے کی آنکھوں کے سامنے تو کورس کی کتاب ضرور ہے مگر اس کے من میں اس وقت بھی فزکس، کیمسٹری، ہندی، ساہتیہ، انگریزی لٹریچر، حساب، تاریخ، جغرافیہ، اکنامکس یا پولیٹیکل سائنس نہیں ہے، بلکہ انگریزی سنگیت کے ریکارڈ بج رہے ہیں۔ نائٹ کلب کی ادھ ننگی ڈانسرز ناچ رہی ہیں۔ ریس کورس کے گھوڑے دوڑ رہے ہیں۔ نئے نئے فیشن کے لباس، کڑھے ہوئے "ہپی" کرتے، پتلی مہری کی اور شوخ رنگ کی پتلونیں، چوڑی چکلیلی پیٹیاں، رنگین اسکارف لہرا رہے ہیں۔ انگریزی سنگیت کی دھن جو لڑکے کے من کے ٹرانسسٹر سے ابھر رہی ہے، تیز ہوتی جاتی ہے۔ لڑکے کی انگلیاں کتاب کی جلد پر تال دینے لگتی ہیں۔ کتنی مزے دار ہے یہ دھن۔ جہنم میں جائے یہ پڑھائی لکھائی، کتاب، کورس، فزکس، کیمسٹری، حساب، تاریخ، جغرافیہ، اکنامکس، انگریزی لٹریچر، ہندی ساہتیہ۔

رات کے بارہ بجے جب لڑکے کا باپ کمرے میں دبے پاؤں داخل ہوتا ہے تو بڑا خوش ہوتا ہے کہ ہونہار لڑکا اتنی دیر تک کورس کی کتاب پڑھ رہا ہے۔ لیکن جب قریب جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ لڑکے کی آنکھیں کتاب پر ضرور ہیں لیکن ہاتھ میں کتاب الٹی پکڑی ہوئی ہے۔ اکنامکس کی کتاب کا نام ہے THE VALUE OF MONEY (روپے پیسے کا مولیہ)

دوسری کتاب

دوسری کتاب بھی ایک لڑکے کے ہاتھ میں ہے۔

یہ لڑکا بڑے دھیان سے پڑھ رہا ہے، لیکن اس کمرے کے ہنگامہ بھرے ماحول میں دھیان سے کتاب پڑھنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

کمرے میں ایک چھت کا پرانا پنکھا ہے جو روں روں کر کے لنگڑی چال سے چل رہا ہے۔ نہ جانے کب گر پڑے۔ کمرے کے ایک کونے میں ماں بیٹھی پرائمس اسٹوو پر کھانا پکا رہی ہے۔ اسٹوو اونچی آواز میں 'شوں شوں' کر رہا ہے۔ دوسرے کونے میں باپ قمیص اتارے چٹائی پر بیٹھا ہوا ہے۔ کمرے کے بیچ میں دو چھوٹے بھائی فری اسٹائل کشتی لڑ رہے ہیں۔ ایک بہن پہاڑے یاد کر رہی ہے۔ "آٹھ پنجے چالیس، آٹھ چھکے اڑتالیس، آٹھ نوے بہتر۔" اس سے چھوٹی بچی گڑیا سے کھیل رہی ہے۔ اوپر الگنی پر دھلے ہوئے کپڑے پنکھے کی ہوا میں لہرا رہے ہیں۔ کھلے ہوئے دروازے میں سے پڑوس کے ریڈیو اور ٹرانزسٹر سنائی دیتے

www.taemeernews.com

ہیں۔ کہیں پکا گانا تو کہیں فلمی گیت، کہیں سے "کورا کاغذ ہے من میرا۔" کی آواز آرہی ہے اور کتاب پڑھنے والے کو لگ رہا ہے کہ اس کی کتاب اور اس کا دماغ ہی پورا کاغذ بن گیا ہے۔

پھر بھی لڑکا اپنی قوتِ ارادی کا زور لگا کر اپنی توجہ کتاب پر لگا دیتا ہے۔ تھوڑی دیر میں اسٹوو کی 'شو شو' پنکھے کی 'روں روں'، بچوں کی چیخ پکار، ریڈیو اور ٹرانسسٹروں کے گانے سب دھیرے دھیرے شور کے پسِ منظر میں چلے جاتے ہیں اور لڑکا کتاب میں کھو جاتا ہے۔ سائیکالوجی کی کتاب کا نام ہے HUMAN WILL POWER (انسان کی قوتِ ارادی)

تیسری کتاب

آسمان میں چاند چمک رہا تھا۔

چاندنی میں بمبئی کی بلڈنگیں دھندلی دھندلی نظر آرہی ہیں۔

اتنی بلڈنگوں میں ایک بلڈنگ سنٹرل لائبریری کی ہے جو کبھی بمبئی کا ٹاؤن ہال ہوا کرتی تھی۔ کبھی یہاں انگریزی گورنر گھوڑا گاڑی پر بیٹھ کر آیا کرتے تھے۔ خان بہادر، رائے بہادر، خطاب یافتہ، پنشن یافتہ قسم کے لوگ سرکار انگلشیہ سے وفاداری کا اعلان کیا کرتے تھے۔ نوجوان باغی، قوم پرست کبھی کبھی اپنی گستاخانہ تقریروں اور حرکتوں سے انگریزوں اور ان کے وفاداروں کا مزا کرکرا کر دیا کرتے تھے۔

اب یہ سنٹرل (یا مرکزی) لائبریری ہے۔ یہاں کتابوں کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔ صبح سے شام تک یہ لائبریری کھلی رہتی ہے اور سیکڑوں نوجوان، ادھیڑ، بوڑھے کتابوں کے کیڑے یہاں پائے جاتے ہیں۔ لیکن اس وقت لائبریری بند ہے۔ اس کے برآمدے میں اونچے اونچے ستون خاموش کھڑے ایک عجیب نظارہ دیکھ رہے ہیں۔

لائبریری اونچائی پر ہے۔ اس تک پہنچنے کے لیے درجنوں پتھر کی لمبی لمبی سیڑھیاں ہیں۔ اس وقت ان سیڑھیوں پر نوجوانوں کا ایک ہجوم ہے۔ یہ نوجوان آدھی رات کے وقت یہاں کیا کر رہے ہیں۔

کوئی ہنگامہ کر رہے ہیں؟ نہیں۔

لڑکیوں کو چھیڑ رہے ہیں؟ نہیں۔

کسی سنیما کے باہر کیو لگائے ہوئے ہیں؟ نہیں۔

وائس چانسلر یا رجسٹرار یا کسی پروفیسر کا گھیراؤ کر رہے ہیں؟ نہیں۔ یہ بھی نہیں۔

www.taemeernews.com

پھر کیا کر رہے ہیں؟

یہ سب پڑھ رہے ہیں۔ سڑک کی روشنیوں میں، لائبریری کی پتھریلی سیڑھیوں پر بیٹھے کورس کی کتابیں پڑھ رہے ہیں۔ امتحانوں کی تیاری کر رہے ہیں۔ ہر شخص خاموش ہے۔ اس کی نگاہیں کتاب کے ورقوں پر ہیں۔ کوئی بات نہیں کر رہا۔ کسی کے پاس سینڈوچز کی پلیٹ نہیں رکھی۔ کافی کی پیالی نہیں رکھی۔ ایک بڑے میاں اپنا ساوار لیے انھیں سیڑھیوں پر اپنی چائے کی دکان لگائے بیٹھے ہیں۔ تھوڑی دیر میں کوئی ان کے پاس جاتا ہے اور چپکے سے ایک چائے کی پیالی لے لیتا ہے۔

چھوٹے لڑکے پڑھ رہے ہیں۔

بڑے لڑکے پڑھ رہے ہیں۔

میٹرک، انٹرمیڈیٹ، بی اے، بی ایس سی، تاریخ، ہندوستان کی تاریخ، دنیا کی تاریخ۔

جغرافیہ، مہاراشٹر کا جغرافیہ، ہندوستان کا جغرافیہ، دنیا کا جغرافیہ۔ بلگام کہاں ہے؟ بلگریڈ کہاں ہے؟ مغربی گھاٹ کی پہاڑیاں کہاں ہیں؟ سائبیریا کے جنگل کہاں ہیں؟ امریکہ اور کنیڈا کی سرحد پر نیاگرا کا جھرنا کہاں ہے؟

اکنامکس، سرمایہ داری کیا ہوتی ہے؟ روپے کی کتنی طاقت ہوتی ہے؟ مزدوری اور محنتانہ کے کیا اصول ہوں؟ پیداوار روپے سے ہوتی ہے یا محنت سے؟ محنت کی اجرت کیا ہے؟ سوشلزم کیا ہے؟ لڑکے پڑھ رہے ہیں۔ یہ غریبوں کے لڑکے ہیں جن کے گھر میں بجلی کی روشنی نہیں ہے۔ پڑھنے لکھنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ اکثر ایسے بھی ہیں جن کے کوئی گھر ہی نہیں ہے، پھر بھی وہ پڑھ رہے ہیں۔ امتحانوں کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ میٹرک، انٹرمیڈیٹ، بی اے، بی ایس سی لیکن ایک امتحان کا نام "زندگی" بھی ہے۔

لڑکے پڑھ رہے ہیں۔

لڑکا پڑھ رہا ہے۔

اس کے ہاتھ میں ایک کتاب ہے۔ اس کی نگاہیں اس کتاب پر ہیں۔ اس کا دماغ اس کتاب کو جذب کرتا جا رہا ہے۔ اس کتاب کا نام ہے THE COMING REVOLUTION (آنے والا انقلاب)۔

www.taemeernews.com

خواجہ حسن نظامی

خاک بیتی

جمادات ہیں، پہاڑ ہیں اور ہر قسم کے جواہرات ہیں۔ مگر وہ سب مجھ سے ہیں اور میں ان سب کی ماں ہوں۔ نباتات میں ہر قسم کی اگنے والی چیزیں ہیں۔ مگر وہ بھی سب مجھ خاک سے نکلتی ہیں اور فنا ہو جانے کے بعد خاک ہو جاتی ہیں۔ حیوانات بھی سب خاک سے بنتے ہیں اور مرنے کے بعد خاک ہو جاتے ہیں۔ ان چاروں میں سب سے اعلیٰ انسان ہے۔ وہ بھی مجھ خاک سے نکلتا ہے اور پھر خاک میں سما جاتا ہے۔ تو کیا میں نہ کہوں کہ جمادات بھی خاک، نباتات بھی خاک، حیوانات بھی خاک اور انسان بھی خاک۔ وہ سب مجھ میں اور میں ان سب میں۔ نہ وہ غیر نہ میں پرائی۔ نہ وہ اور، نہ میں اور۔ بھول بھلیاں صورتوں کی ہیں اور صورتیں سب خاک ہیں۔

میری سرگزشت اتنی طویل ہے اور میری زندگی کے اتنے زیادہ واقعات ہیں کہ اگر میں ان سب واقعات کو لکھواؤں تو دنیا کی ہر طاقت لکھتے لکھتے تھک جائے۔

ذرا خیال کرو۔ پہلے تمام کائنات میں پانی تھا اور میں خاک اس کی تہہ میں چھپی ہوئی تھی۔ پھر اس پانی کو سمندر میں ہٹا دیا گیا۔ مگر اس کی تہہ میں اب بھی موجود ہوں اور پانی کے اندر بے شمار جانور ہیں اور ہر جانور مجھ خاک سے بنتا ہے۔ اور جب مرتا ہے تو پھر میرے اندر سما جاتا ہے۔ سمندر کے اندر پہاڑ بھی ہیں اور درخت بھی ہیں اور دریائی انسان بھی ہیں۔ وہ سب بھی مجھ خاک سے بنتے ہیں اور پھر میرے ہی اندر جذب ہو جاتے ہیں۔ میں خاک

www.taemeernews.com

کبھی سمندر کی تہہ میں پاؤں جما کر بیٹھتی ہوں اور کبھی سمندر کے چہرے پر موجوں میں لہراتی ہوں۔ جتنے کنارے سمندر کے ہیں وہ بھی سب مجھ ہی سے کہتے ہیں اور کناروں کے باہر لاکھوں میل کی حد تک زمین میں سوائے میرے اور کوئی چیز موجود نہیں۔ خوبصورت پھل مجھ سے نمودار ہوتے ہیں۔ بلبل ان سے عشق بازیاں کرتے ہیں۔ کہیں وہ پھول خوبصورت گردنوں کے ہار بنتے ہیں اور کہیں وہ پھول مرنے والوں کے مزار پر چڑھتے ہیں۔ اور خیال کرو کہ ہر ایک واقعے میں ایک زندگی ہے اور ایک بیتی ہے۔

سانپ اور سب موذی جانور میرے اندر سوراخ کر کے گھر بناتے ہیں۔ انسانی گھروں میں رہنے والے چہرے بھی جنگل میں بل بنا کر مجھ میں رہتے ہیں۔ جنگلی جانوروں کا بادشاہ شیر بھی میرے اندر رہتا ہے اور میں ان سب کو اپنے اندر پناہ دیتی ہوں۔

انسان بڑے بڑے محل اور قلعے بناتا ہے۔ کس چیز سے؟ مجھ خاک سے۔۔۔ کہ اینٹ خاک سے بنی۔ چونا خاک سے بنا۔ لوہا لکڑی خاک سے نکلے۔ جس چیز پر بھی تو خیال کرے گا میں تجھ کو نظر آؤں گی۔ میں بہروپیا ہوں۔ ہر مقام پر ایک نیا روپ اور نرالی صورت ہو گی۔ پیپل کہے گا میں پیپل ہوں۔ املی کہے گی میں پیپل نہیں ہوں۔ امرود، انار، آم، کیلا، ناشپاتی، سیب، انگور ہر ایک پھل کو اپنی یکتائی کا دعویٰ ہو گا۔ یہ کبھی بھی خیال نہیں کرے گا کہ پیپل بھی خاک، املی بھی خاک، امرود، انار، آم، کیلا بھی خاک۔ سیب، ناشپاتی، انگور بھی خاک۔ دھوکا فقط عارضی شکلوں کا ہے جو بدلتی رہتی ہیں اور مٹتی رہتی ہیں۔

ایک بھولی بھالی نور کے سانچے میں ڈھلی، ناز کی گود میں پلی چاند سی صورت، منموہنی مورت نور جہاں نامی لڑکی باغ میں کھڑی تھی۔ شہنشاہِ اکبر کا ولی عہد نونہال خوش اخلاق مرزا سلیم جو بعد میں شہنشاہِ جہانگیر مشہور ہوا وہ کبوتر ہاتھ میں لیے ہوئے آیا اور نور جہاں کو کبوتر دئے کہ ان کو پکڑے رہو میں پھول توڑلوں۔ "نور جہاں کے ہاتھ سے ایک کبوتر پھڑ پھڑا کر چھوٹ گیا اور اڑ گیا۔ سلیم پھول توڑ کر آیا اور اپنے ایک کبوتر کو نہ پایا تو پوچھا۔ وہ کیا ہوا؟ نور جہاں بولی، صاحب عالم وہ اڑ گیا۔ جہانگیر نے کہا "کیونکر اڑا۔ "نور جہاں نے دوسرا کبوتر اڑا دیا اور بولی، صاحب عالم یوں اڑ گیا۔ جہانگیر اس ادا سے بے تاب ہو گیا۔ اور اس کے دل پر اس بات کا ایسا زخم لگا کہ بادشاہ ہونے کے بعد نور جہاں کو بیوی بنایا اور ساری سلطنت اس کے حوالے کر دی۔

www.taemeernews.com

جہانگیر کون تھا؟ خاک۔ نور جہاں کون تھی؟ خاک۔ کبوتر کون تھے؟ خاک۔ وہ مہین اور سریلی آواز جو نور جہاں کے حلق سے نکلی خاک سے پیدا ہوئی تھی اور وہ آنکھیں جنھوں نے نور جہاں کو دیکھا اور اس سے خود بھی زخمی ہوئیں اور جہانگیر کے دل کو بھی زخمی کیا وہ کس سے بنی تھیں؟ خاک سے!

www.taemeernews.com

ذاکر حسین

آخری قدم

آؤ، آج تمھیں ایک بہت اچھے آدمی کا حال سنائیں جسے اس کے جیتے جی بہتیرے لوگ برا برا کہتے تھے اور مرنے کے بعد بھی اس کی نیکی کا حال بس وہی جانتے ہیں جن کے ساتھ اس نے بھلائی کی تھی اور شاید بعضے تو ان میں سے بھول گئے ہوں گے۔

اس نیک آدمی کے پاس بڑی دولت تھی مگر یہ ان لوگوں میں تھا جو اپنے دھن دولت کو اپنا نہیں سمجھتے بلکہ اللہ میاں کی امانت جانتے ہیں جو بس اس لیے ان کے سپرد کی جاتی ہے کہ اسے اس کے بندوں پر صرف کریں۔ خود ان کی اجرت یہ ہے کہ اس میں سے یہ بھی بس موٹا جھوٹا پہن لیں اور دال دلیا کھا کر گزر کرلیں۔

ہاں تو یہ نیک آدمی بھی اپنی دولت سے خود بہت کم فائدہ اٹھاتا تھا۔ ایک صاف سے مگر بہت چھوٹے مکان میں رہتا تھا۔ گزی گاڑھے کے بہت معمولی کپڑے پہنتا تھا۔ اور کھانے کا کیا بتاؤں۔ کبھی چنے چاب لیے، کبھی مکا کی کھلیں کھالیں۔ ایک وقت ہنڈیا چڑھی تو تین وقت کھانے کا انتظام ہو گیا۔ دوست احباب جنھیں اس کے حال کی خبر تھی طرح طرح سے اسے کھیل تماشوں میں، رنگ رلیوں میں گھسیٹنا چاہتے تھے مگر یہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ بہانہ کر کے ٹال دیتا تھا۔ آخر کو سب میں بڑا کنجوس مشہور ہو گیا۔ اس کے دوست اسے "میاں مکھی چوس" کہا کرتے تھے۔ بعض دوست اس کی دولت کی وجہ سے جلتے بھی تھے۔ وہ اسے اور بھی چھیڑتے اور بدنام کرتے تھے مگر یہ دھن کا پکا تھا۔ برابر چھپ چھپ کر چپ چپاتے اپنی

www.taemeernews.com

دولت سے کسی نہ کسی مستحق کی مدد کرتا ہی رہتا تھا اور اس طرح کہ سیدھے ہاتھ سے دیتا تو لئے کو خبر نہ ہوتی اور زبان پر ذکر آنے کا تو ذکر ہی کیا۔

نہ جانے کتنی بیوائیں اس کے روپے سے پلتی تھیں۔ کتنے یتیم اس کی مدد سے پڑھ پڑھ کر اچھے اچھے کاموں سے لگ گئے تھے۔ کتنے مدرسے اس کی سخاوت سے چل رہے تھے۔ کتنے قومی کام کرنے والوں کو اس نے روٹی کپڑے سے بے فکر کر دیا تھا اور وہ یکسوئی سے اپنی اپنی دھن میں لگے ہوئے تھے۔ کئی شفاخانوں میں دوا کا سارا خرچ اس نے اپنے سر لے لیا تھا اور ہزاروں دکھی بیماروں کو بے جانے اس کے روپے سے روز آرام پہنچتا تھا لیکن یہ مشہور تھا وہی ''کنجوس مکھی چوس، دنیا کا کتا نہ اپنے کام آئے نہ اور کسی کے۔'' کوئی اس پر ہنستا تھا، کوئی خفا ہوتا تھا۔ سب اسے برا سمجھتے تھے۔

آدمی کتنا ہی نیک ہو دوسروں کے ہر دم برا کہنے سے جی دکھتا ہی ہے۔ اس کے دل کو بھی کبھی کبھی بڑی ٹھیس لگتی تھی، جھنجھلاتا تھا۔ آنکھوں میں آنسو بھر بھر آتے تھے۔ مگر پھر صبر کر لیتا تھا۔

اس کے پاس ایک خوبصورت سی کتاب تھی۔ چکنا چکنا موٹا کاغذ، نیلے کپڑے کی سبک سی جلد، پشتے پر سنہرے حرفوں میں لکھا ہوا ''حساب امانت۔'' اس کتاب میں یہ اپنا پیسے پیسے کا حساب لکھا کرتا تھا جس کو کبھی کچھ دیا تھا۔ سب اس میں درج تھا۔ کہیں کہیں کیفیت کے خانے میں بڑی دلچسپ باتیں لکھی تھیں۔ یہ سب بعد کو لکھی گئی تھیں۔ کسی یتیم کو پڑھنے کے لیے وظیفہ دیا ہے۔ پندرہ سال بعد کی تاریخ دے کر کیفیت کے خانے میں درج ہے ''اب احمد آباد میں ڈاکٹر ہیں۔ اور وہاں کے یتیم خانے کے ناظم۔'' کتابوں کے ایک کاروباری کو سخت پریشانی کے عالم میں دو ہزار روپے دیے ہیں۔ کئی سال بعد کیفیت کے خانے میں لکھا ہے ''آج خط آیا ہے کہ انھوں نے رسول اکرم ﷺ کی سیرت پاک نہایت صاف اور سادہ زبان میں لکھوا کر ایک لاکھ نسخے طلبہ میں مفت تقسیم کیے ہیں۔ خدا اجزائے خیر دے۔'' دہلی کے ایک مدرسے کو ایسے وقت میں کہ اس کا کوئی مددگار نہ تھا دس ہزار روپے دیے تھے۔ اندراج رقم کے سامنے کیفیت میں لکھا تھا ''سالانہ رپورٹ پڑھی۔ ہر صوبے میں اس کی ایک ایک شاخ قائم ہو گئی ہے۔ اس صوبے میں تو گاؤں گاؤں میں تعلیمی مرکز قائم کر دیے ہیں۔ یہ کام نہ ہوتا تو اس ملک میں مسلمانوں کی تمدنی ہستی کبھی کی ختم ہو چکی تھی۔'' اسی قسم کی بے شمار

www.taemeernews.com

اندراجات تھے۔

اس کتاب کو یہ اکثر اٹھا کر پڑھنے لگتا تھا۔ خصوصاً جب کسی نادان دوست کی زبان سے دل دکھتا تو ضرور اس کتاب کی ورق گردانی کی جاتی تھی۔ اسے دیکھ کر کبھی کبھی مسکراتا بھی تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ مرتے وقت یہ کتاب ان لوگوں کے لیے چھوڑ جاؤں گا جو عمر بھر مجھے پہچانے بغیر میرا دل دکھاتے رہے۔ اس ارادے سے اسے بڑی تسکین ہوتی تھی۔ سو سنار کی ایک لوہار کی۔ انھوں نے ہزار دفعہ میرا جی خون کیا ہے۔ میں ایک دفعہ انھیں ایسا شرماؤں گا کہ بس سر نہ اٹھے گا۔ یہ سوچتا تھا اور خوش ہوتا تھا۔ ہوتے ہوتے بڑھاپا آن پہنچا۔ بدن جواب دینے لگا۔ روز کوئی نہ کوئی بیماری کھڑی ہے۔ ایک دفعہ دسمبر کا مہینہ تھا۔ سخت بیمار ہوا۔ بخار اور کھانسی۔ ایک دن، دو دن، تیسرے دن سینے میں سخت درد شروع ہوا۔ کوئی دو پہر غفلت رہی۔ ہوش آیا تو سانس لینے میں بھی تکلیف ہوتی تھی۔ نمونیہ کا حملہ تھا اور سخت حملہ۔ شام سے حالت غیر ہونے لگی۔ بار بار غفلت ہو جاتی۔ تھوڑی دیر کو ہوش آتا پھر غفلت۔ کوئی چار بجے کے قریب ہوش آیا تو اس کی سمجھ میں آگیا کہ اب وہ وقت آن پہنچا ہے جو سب کے لیے آتا ہے۔ اور جس سے کوئی بھاگ کر بچ نہیں سکتا۔ چارپائی کے پاس ہی میز پر وہ نیلی خوبصورت کتاب "حساب امانت" رکھی تھی جسے ابھی دو دن پہلے بیماری میں بھی اٹھا کر پڑھا تھا۔ چند لمحے اس کی طرف غور سے دیکھا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ایسے کہ تھمتے ہی نہ تھے۔ کتاب کی طرف ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھانا چاہا۔ کئی مرتبہ کی کوشش میں اسے مشکل سے اٹھا پایا۔ پھر کچھ سوچ میں پڑ گیا۔ "یہ عظیم الشان گھڑی اور یہ چھوٹا خیال۔۔۔۔ ان کو شرما کر تجھے کیا ملے گا۔۔۔۔ تو اپنا کام کر چلا۔۔۔۔ اپنے کام سے کام۔۔۔۔ منزل آ پہنچی۔۔۔۔ آخری قدم کیوں ڈگمگائے؟۔۔۔۔" دونوں ہاتھوں میں کتاب تھامی۔ ہاتھ تھرتھرا رہے تھے۔ جیسے کوئی بہت بڑا بوجھ اٹھایا ہو۔ بڑی مشکل سے تکیے پر سے سر بھی کچھ اٹھایا اور ناتواں جسم کی ساری آخری قوت صرف کر کے کتاب کو اس پاس والی بڑی انگیٹھی میں پھینک دیا جس میں کوئی ڈھائی بجے نوکر نے بہت سے کوئلے ڈالے تھے اور میاں کو سوتا جان کر دوسرے کمرے میں جا کر سو گیا تھا۔

کتاب جلنے لگی۔ اس کی نظر اسی پر جمی تھی۔ جلد کے جلنے میں دیر لگی۔ پھر اندر کے کاغذوں میں آگ لگی تو ایک شعلہ سا اٹھا۔ اس کی روشنی میں اس کے ہونٹوں پر ایک خفیف

www.Paksociety.com

سی مسکراہٹ دکھائی دی اور چہرے پر ایک عجیب اطمینان۔ ادھر موذن نے اشہد ان محمد رسول اللہ کہا اور نیکیوں کے اس کاروان سالار کی رسالت کے ساتھ ساتھ اس کی امت کے اس نیک راہرو نے ہمیشہ کے لیے آنکھیں موند لیں۔

www.taemeernews.com

رام لعل

کہانی کا ہیرو کون تھا؟

ایک روز ہمارے پڑوس کا ایک بچہ منّی جو بیحد موٹا اور گول مٹول ہے۔ میرے پاس یہ شکایت لے کر آیا" انکل آپ نے میرے بارے میں ایک کہانی لکھ کر چھپوا دی ہے اور اب سب لڑکے مجھ پر ہنستے ہیں۔"

یہ سنتے ہی میرے کان کھڑے ہو گئے۔ مجھے اپنی کہانیوں سے ہمیشہ یہی ڈر لگا رہتا ہے کہ میری کہانیوں میں گھومنے پھرنے والے کردار کہیں اصلی نہ سمجھ لیے جائیں۔ کیونکہ اکثر لوگ میری کہانیوں میں خود کو تلاش کر کے مجھے بتا چکے تھے۔ اس بات پر کچھ لوگوں کو تو کوئی اعتراض نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ کہانی کے آئینے میں اپنے چہرے دیکھ کر اتنا خوش ہوتے تھے۔ لیکن سب لوگوں کے بارے میں یہ بات کیسے کہی جا سکتی ہے۔ پسند اپنی اپنی، مزاج اپنا اپنا۔ بعض لوگوں کو تو اس بات پر بھی اعتراض ہے کہ میں سرے سے کہانیاں ہی کیوں لکھتا ہوں، جیسے ان کے خیال میں کہانی لکھنا یا نہ لکھنا اپنے بس کی بات ہے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ بھلے آدمی تم کھانا ہی کیوں کھاتے ہو یا اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہی کیوں ہو تو وہ کیا جواب دیں گے؟ لیکن خیر، اس بے کار کی بحث کو چھوڑیے۔ میں بھی ایسے لوگوں کے ساتھ کبھی نہیں الجھتا۔ لیکن سب سے بڑی الجھن اس وقت ہوتی ہے جب کوئی خواہ مخواہ یہ شکایت لے کر آدھمکتا ہے کہ میں نے اپنی کسی کہانی میں ہو بہو اسی کا حلیہ کیوں بیان کر دیا ہے۔ اب سچی بات تو یہ ہے کہ اس دنیا میں کئی ارب لوگ رہتے ہیں۔ ان میں بھی کچھ لوگ ایسے ضرور ہوں گے

www.taemeernews.com

جن کی شکل و صورت اتفاق سے ایک دوسرے سے مل جاتی ہو گی اور پھر یہ تو بنانے والے کے ہاتھ میں ہے کہ وہ غلطی سے یا جان بوجھ کر کچھ لوگوں کو ایک سا ہی بنادے۔ یعنی جب ساری دنیا کا خالق بھی ایسا کر سکتا ہے تو پھر میرے جیسے معمولی بے بس کہانی کار سے ایسی غلطی کیوں نہیں ہو سکتی کہ میں بھی کبھی کبھی ایسے شخص کا حلیہ پیش کر بیٹھوں جو سچ مچ اس کروڑوں مربع میل رقبہ پر پھیلی ہوئی دنیا میں کہیں نہ کہیں ضرور موجود ہو! لیکن اگر وہ شخص یہ ضد کرنے لگے کہ "تم نے کہانی میں ایک لنگڑے آدمی کا ذکر کیا ہے اور چونکہ میں بھی لنگڑا ہوں لہٰذا وہ صرف میں ہی ہو سکتا ہوں" تو بتایئے، میں اسے کیا جواب دوں؟

ہمارا پڑوسی بچہ منٹی بھی ٹھیک اسی طرح کی بات کہنے کے لیے میرے پاس آیا تھا کہ میں نے ایک کہانی میں ایک موٹے اور گول مٹول لڑکے کو پیش کر کے دراصل اس کو بدنام کرنے کی کوشش کی تھی۔

میں نے منٹی سے پوچھا "کیا تم نے وہ کہانی خود پڑھی ہے یا کسی اور سے سنی ہے؟"

اس نے فوراً جواب دیا "میں نے گولڈی سے سنا ہے۔ وہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اس نے مجھے کل فون پر بتایا کہ یہ کہانی آپ نے مجھ پر ہی لکھی ہے۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "تم گولڈی کو فوراً بلا کر لے آؤ تاکہ میں اس کی بھی سمجھ بوجھ کا امتحان لے لوں۔ ہو سکتا ہے میری کہانی اس کی سمجھ میں آئی ہی نہ ہو۔"

منٹی نے تنک کر جواب دیا "ایسا نہیں ہو سکتا انکل۔ گولڈی کی سمجھ میں کہانی آئی ہی نہ ہو۔ وہ تو آٹھویں درجے میں پڑھتا ہے۔ یعنی مجھ سے بھی ایک درجہ آگے۔ وہ کہانیاں پڑھ پڑھ کر اکثر مجھے سناتا ہے۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ ہر کہانی بہت اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔"

میں نے منٹی کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا "اچھا اچھا۔ تم ٹھیک کہتے ہو گے۔ لیکن ذرا جاؤ اب! گولڈی کو جلدی سے بلا کر یہاں لے آؤ۔ میں خود ہی اس سے بات کروں گا۔"

منٹی تھوڑی ہی دیر میں گولڈی کو بلا کر لے آیا۔ گولڈی اس وقت ہاکی ہاتھ میں لیے ہوئے تھا۔ شاید کھیل کے میدان کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا "کیوں گولڈی، تم نے کیا واقعی میری کسی کہانی میں منٹی کو ہو بہو دیکھا ہے!"

گولڈی اپنی ہاکی سے ہوا میں ہی ایک خیالی گیند سے ہٹ، مارتے ہوئے بولا "انکل

www.taemeernews.com

میں نے منٹی سے یہ بات کہی ضرور تھی، لیکن سچ پوچھئے تو یہ بات مجھے راجو نے بتائی تھی۔ میں نے خود کہانی نہیں پڑھی تھی۔ آپ چاہیں تو راجو سے پوچھ لیجیے۔ وہ برابر کی کالونی میں رہتا ہے۔ میں اسے فون کر کے یہاں بلائے لیتا ہوں۔"

راجو کو فون کر کے بلایا گیا۔ جب اس سے اس کہانی کے بارے میں پوچھا جس میں منٹی جیسے گول مٹول لڑکے کا ذکر تھا تو اس نے کہا۔ "وہ کہانی میں نے خود کب پڑھی ہے؟ مجھے تو پپی نے بتایا تھا کہ فلاں رسالے میں ایک کہانی چھپی ہے جو بالکل منٹی کے بارے میں ہے۔ بس یہی بات میں نے گولڈی سے بھی کہہ دی تھی۔ آپ چاہیں تو پپی کو بلا کر پوچھ سکتے ہیں۔ اس کا نمبر ایک دو تین چار پانچ چھ ہے۔"

پپی کو بھی ایک دو تین چار پانچ چھ نمبر پر فون کر کے بلایا گیا۔ اس نے آتے ہی میرے ارد گرد کھڑے بچوں کو بڑے غور سے دیکھا تو جیسے ساری بات سمجھ گیا اور اپنے آپ ہی کہہ اٹھا "انکل اگر یہ سب لوگ آپ سے اسی کہانی کے بارے میں بات کرنے آئے ہیں جو شاید آپ نے منٹی پر لکھی ہے تو میں آپ کو سچ سچ بتا دوں کہ میں نے ابھی اسے پڑھا ہی نہیں ہے۔ مجھے وہ رسالہ مل نہیں سکا۔ مجھے تو اصل میں کوچی نے بتایا تھا۔ کوچی ہمارے پڑوس میں رہتی ہے۔ ابھی میں یہاں آ رہا تھا تو وہ گلی میں سائیکل چلانے کی پریکٹس کر رہی تھی۔ مجھے معلوم ہوتا تو اسے ساتھ ہی لے کر آ جاتا۔ اسے اب جا کر بلا لاؤں انکل؟ وہ کبھی جھوٹ نہیں بولے گی۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔ سچ بولنے پر ہی اسے اسکول سے ایک بار انعام بھی ملا تھا۔"

میرے 'ہاں' کہنے پر پپی بھاگ کر کوچی کو بلا لایا۔ کوچی نے آتے ہی دونوں ہاتھ جوڑ کر مجھے نمستے کہی اور بڑی صاف آواز میں کہا "انکل جس کہانی کے بارے میں یہاں ہنگامہ ہو رہا ہے وہ کہانی میں ابھی تک نہیں پڑھ سکی ہوں کیونکہ مجھے وہ رسالہ تلاش کرنے پر بھی نہیں ملا۔ میں نے ہر ایک بک اسٹال سے پوچھ لیا ہے۔ اس کہانی کے بارے میں مجھے سجو نے بتایا تھا۔ سجو اس وقت پارک میں کرکٹ کھیل رہا ہے۔ آپ چاہیں تو اسے بلوا کر پوچھ لیجئے۔"

اب سجو کو بھی بلوایا گیا۔ وہ ایک ہاتھ میں اپنا کرکٹ بیٹ لہراتا ہوا اور دوسرے ہاتھ سے سر پر نائیٹ کیپ درست کرتا ہوا آیا اور بولا "میں سمجھ گیا کہ آپ سب لوگ یہاں کیوں جمع ہیں اسی لیے میں اپنے ساتھ ان لڑکوں کو بھی لے آیا ہوں جو منٹی کے بارے میں لکھی ہوئی کہانی کو جانتے ہیں۔ ان سے آپ خود پوچھ لیجئے۔"

www.taemeernews.com

پھر اس نے خود ہی ایک لڑکے کو پکار کر کہا "گڈو تم ہی نے تو مجھے بتایا تھا کہ ہمارے انکل نے ایک کہانی مٹنی کے بارے میں لکھی ہے۔ کہا تھا نہ؟"

گڈو نے اپنے ہاتھ میں اٹھائی ہوئی گیند ہوا میں بہت اونچائی پر پھینک کر اسے جھپٹتے ہوئے جواب دیا "ضرور کہا تھا، میں انکار کب کرتا ہوں۔ لیکن جب میں نے اس کہانی کا ذکر دھنو سے کیا تو وہ بولا کہ "یہ کہانی مٹنی کے بارے میں ہرگز نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ کہانی میں جس لڑکے کو اتنا زیادہ موٹا اور ہنسوڑ بتایا گیا ہے وہ تو میں ہی ہو سکتا ہوں۔ میں سچ مچ مٹنی سے زیادہ موٹا بھی ہوں اور ہنسوڑ بھی۔ آپ چاہیں تو دھنو سے پوچھ لیجیے۔ وہ وہاں پیچھے کھڑا ہے دروازے کے پاس۔"

سب نے سر گھما گھما کر دیکھا۔ دروازے کے پاس ایک بے حد موٹا لڑکا کھڑا تھا۔ ٹانگوں پر کرکٹ کے پیڈ باندھے، ہاتھوں پر بھاری بھاری دستانے چڑھائے ہوئے اور سر پہ کیپ بھی لگائے ہوئے۔ وہ لڑکوں کی کرکٹ ٹیم کا وکٹ کیپر تھا۔ اس نے اپنا نام سنا تو ہنستے ہوئے آگے آ گیا۔ مجھے آداب کر کے بولا۔ انکل، گڈو ٹھیک کہتا ہے۔ میں نے ہی اس سے کہا تھا کہ وہ کہانی اصل میں تیرے بارے میں ہے۔ مٹنی کے بارے میں ہرگز نہیں، کیونکہ جس لڑکے کو آپ نے اپنی کہانی میں پیش کیا ہے اس کی شکل و صورت، ڈیل ڈول اور ساری حرکتیں مجھ سے ہی ملتی جلتی ہیں۔ لیکن میں اس کہانی کو پڑھ کر بہت ہی خوش ہوا ہوں۔ اگر آپ نے میرا اصلی نام یعنی دھنو بھی دیا ہوتا تو میں اور زیادہ خوش ہوا ہوتا۔ میں مٹنی کی طرح شکایتی ٹٹو نہیں ہوں کہ ذرا ذرا سی بات پر منہ پھلا لوں۔ انکل آپ آئندہ مجھ پر جتنی کہانیاں چاہیں لکھ سکتے ہیں۔ اگر چاہیں تو میں اپنے بارے میں آپ کو بہت سے دلچسپ لطیفے بھی بتا دوں گا۔" یہ کہہ کر وہ مٹنی کی طرف بڑے فخر سے دیکھنے لگا۔

دوسرے لڑکے بھی زور سے ہنس پڑے، کچھ لڑکوں نے تو مٹنی کا منہ چڑھا دیا۔ اس کے بعد وہ اسی طرح ہنستے ہوئے اور مٹنی کو دھکیلتے ہوئے باہر چلے گئے۔

www.toobaanews.com

رتن ناتھ سرشار

داروغہ جی

حضرت نواب زنان خانے سے برآمد ہوئے۔ مصاحب اور رفیق تو پہلے ہی سے لیس ہو کر ڈٹے ہوئے تھے۔ سب نے سرو قد تعظیم کی اور فرشی سلام کر کے قرینے کے ساتھ بیٹھے۔ خدام باادب نہایت عمدہ چائے کی صاف ستھری پیالیاں، کچھ نقرئی کٹوریاں اور بیش بہا چمچے لے کر آئے۔ نواب صاحب نے ایک ایک پیالی اپنے دست مبارک سے مصاحبوں کو دی اور سب نے گرما گرم دودھیا چائے اڑانی شروع کر دی۔ ایک ایک گھونٹ پیتے جاتے اور گپ اڑاتے جاتے ہیں۔

خدمت گار: خداوندا! شیودین حلوائی حاضر ہے۔

نواب: داروغہ جی، اس حلوائی کا حساب کر دو۔ اس کو سمجھا دو کہ اگر خراب یا سڑی ہوئی باسی مٹھائی بھیجی تو اس کو سرکار سے نکال دیا جائے گا۔ پرسوں برفی خراب بھیجی تھی۔ گھر میں شکایت کرتی تھیں۔

داروغہ: سنتے ہو شیودین! دیکھو سرکار کیا فرماتے ہیں۔ خبردار! جو سڑی گلی مٹھائی بھیجی تو تم جانو گے۔ اب تم نے نمک حرامی پر کمر باندھی ہے۔ کھڑے کھڑے نکال دیے جاؤ گے بس کہہ دیا تم سے۔

حلوائی: نہیں کھداوندا (خداوندا)! گلام (غلام) کی مجال۔ اول مال دوں اوّل مال۔ چاشنی جرا (ذرا) بہت آگئی، تھی تو دانہ کم پڑا اور یا نمبند رہی۔ کرکری ہو گئی۔

www.taemeernews.com

داروغہ: چلو تمھارا حساب کر دیں۔ بتاؤ کتنے دن سے خرچ نہیں لیا اور تمھارا کیا آتا ہے۔

حلوائی: اگلے مہینے میں پچیس روپے کچھ آنے کی آئی تھی اور اب کی دس تاریکھ (تاریخ) انگریجی (انگریزی) تک کوئی ستر اسّی۔

داروغہ: ستر یا اسّی یا سو یا پانسو۔ اس مہینے میں اتنی۔ اس مہینے میں اتنی۔ یہ بکھیڑا تم سے پوچھتا کون ہے: اس جھنجھٹ سے ہمیں واسطہ کیا بھلا۔ ہمیں تو بس تم گھڑی بتا دو کہ اتنا۔

حلوائی: اچھا، حساب تو کرلوں (تھوڑی دیر کے بعد) بس ایک سو بیالیس روپے دس آنے دیجئے چاہے حساب کر لیجئے۔ بولتا جاؤں۔

داروغہ: اجی تم کوئی نئے تو ہو نہیں۔ اب بتاؤ، اس میں یاروں کا کتنا ہے! سچ بولنا لالہ (پیٹھ ٹھونک کر) آؤ وارے نیارے ہوں، کیوں ہے نا؟

حلوائی: بس سو ہم کا دے دیو۔ بیالیس تم لے لو۔ سیدھا سیدھا میں تو یہ جانتا ہوں۔

داروغہ: اچھا منظور۔ مگر بیالیس کے باون کرو۔ ایک سو تم لو باون ہمارے۔ سچ کہنا، کوئی چالیس کی مٹھائی اس مہینے اور اس مہینے میں ملا کر آئی ہوگی یا کم؟

حلوائی: اجی ہجور۔ اب اس بھید سے آپ کو کیا واسطہ۔ آپ کو آم کھانے سے گرج (غرض) ہے یا پیڑ گننے سے۔ اور سچ سچ یہ ہے کہ کوئی سب ملا کر ازتیس روپے کی آئی ہوگی۔ کل وجن (وزن) میں البتہ کتر بیونت کر دیتا ہوں۔ سیر بھر لڈو مانگ بھیجے۔ ہم نے پاؤ سیر کم کر دئے۔

داروغہ: اونہہ اس کی نہ کہیے۔ یہاں اندھیر نگری چوپٹ راج ہے۔ چین کرو۔ دس کے پچاس لو اور سیر کے تین پاؤ بھیجو۔ مزے میں۔ اچھا یہ سو روپے گن لو اور ایک سو باون کی رسید ہمیں دو۔

حلوائی: یہ مول تول ہے۔ سو اور پانچ ہم لیں اور باکی (باقی) ہجور کو مبارک رہیں۔ مالے (معاملے) کی بات ہے۔

الغرض داروغہ، جس نے حلوائی کو راضی کر لیا، داروغگی کے صدقے اڑتالیس

www.taemeernews.com

روپے کے ایک سو باون دلوائے اور بیالیس سے زیادہ ہی زیادہ خود ہضم کیے۔ اے پھٹکار! کور نمک ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ جن رؤسا کے یہاں ایسے ایسے داروغہ اور اہلِ کار ہوں، ان کا خدا ہی حافظ ہے۔ مگر نواب صاحب کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ ان کو خبر ہی نہ ہوئی کہ کیا دیا اور کیا لیا اور یار لوگوں نے حلوائی سے بالائی رقم اڑا ہی لی۔

اب سنئے کہ میاں خوجی نے وہ ساری گفتگو سن لی جو داروغہ جی اور حلوائی میں ہوئی۔ جب داروغہ صاحب نے شیودین حلوائی کو ہنسی خوشی رخصت کیا تو خوجی نے بڑھ کر یوں کہا۔

خوجی: اجی حضرت آداب عرض ہے۔ کہیے اس میں یاروں کا بھی کچھ حصہ ہے یا باون کے باون خود ہی ہضم کر جاؤ گے اور ڈکار تک نہ لو گے۔ اب ہمارا آپ کا ساجھا نہ ہوگا تو بری بات ٹھہرے گی۔

داروغہ: کیا کہا؟ کس سے کہتے ہیں آپ؟ یہ ساجھا کیسا، آخر ہم بھی تو سنیں۔ بھنگ تو نہیں پی گئے کہیں؟ کیا واہی تباہی بک رہے ہو۔ ذرا سمجھ کر بات زبان سے نکالا کیجئے۔ یہاں بے ہودہ بکنے والوں کی زبان دستِ پناہ سے نکال لی جاتی ہے۔ تم ٹکر گدوں کو ان باتوں سے کیا واسطہ۔

خوجی: (کمر کس کر) او گیدی۔ قسم خدا کی۔ اتنی قرولیاں بھونکی ہوں کہ یاد کرے۔ مجھے بھی کوئی ایسا ویسا سمجھے ہو۔ میں آدمی کو دم کے دم میں سیدھا بنا دیتا ہوں، ذرکی کسی اور بھروسے نہ بھولیے گا، کیا خوب، اڑتیس کے ڈیڑھ سو دلوائے اور پچاس خود اڑائے۔ اوپر سے غراتا ہے مردک! بہت داروغگی کے بھروسے نہ بھولیے گا۔ میں ابھی نواب صاحب سے سارا کچا چٹھا سناتا ہوں۔ کھڑے کھڑے نہ نکال دئے جاؤ تو سہی۔ ہم تمام عمر رئیسوں ہی کی صحبت میں رہے۔ گھانس نہیں چھیلا کیے ہیں۔ بائیں ہاتھ سے بیس روپے ادھر رکھ دے اور بیسیوں چہرہ شاہی ہوں۔ بس اسی میں خیر ہے۔ ورنہ الٹی آنتیں گلے پڑیں گی۔ اب سوچتے کیا ہو۔ ذرا چیں چپڑ کی تو ابھی قلعی کھول دوں۔ یہ اکڑنا وکڑنا سب بھول جائے۔ اور یوں ہیں پر معاملہ ہوتا ہے۔ بولو اب کیا رائے ہے۔ بیس روپے سے کم کھاؤ گے یا ذلت اٹھاؤ گے۔ پہلے تو بہت گرم ہوئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کھا ہی جائیں گے۔ مگر اب موم ہو گئے۔ لے بس اب لائیے، بیس چہرہ شاہی سامنے بسا دیجئے ورنہ خیر نہیں آتی۔ ابھی تو کوئی کانوں کان نہ سنے گا۔

www.taemeernews.com

پیچھے البتہ ٹیڑھی کھیر ہے۔

داروغہ: واہ ری پھوٹی قسمت۔ آج صبح صبح بوہنی تو اچھی ہوئی تھی۔ اچھے کا منہ دیکھ کر اٹھے تھے، مگر حضرت نے منحوس صورت دکھائی۔ خدا جانے یہ ذات شریف کہاں سے سن رہے تھے۔ لاحول ولا قوۃ۔ واہ ری ہم اور واہ ری ہماری قسمت۔ کہیے اب باون میں سے آپ کو بیس ایک رقم نکال دیں تو ہمارے پاس کیا خاک رہے۔ اور ہاں، خوب یاد آیا۔ باون کس مردود کو ملے۔ کل سینتالیس ہی تو ہمارے ہتھے چڑھے۔ دس تمھیں لو بھئی (ٹھوڑی میں ہاتھ ڈال کر) مان جاؤ استاد۔ ہمیں ضرورت تھی۔ اس سے کہا ورنہ کیا بات تھی۔ اور پھر ہم تم زندہ ہیں تو سینکڑوں لوٹیں گے۔ یہاں یہ ہاتھ دونوں لوٹنے اور رقم ہی چیرنے کے لیے ہیں یا کچھ اور۔

خوجی: اس میں تو ہمارا پیٹ نہ بھرے گا۔ اچھا بختی پندرہ دو۔

الغرض داروغہ نے مجبور ہو کر پندرہ روپے میاں خوجی کی نذر کیے اور دونوں آدمی جاکر شریک محفل ہوئے تو وہاں نواب کے فرشتہ خاں کو بھی خبر نہیں کہ یہاں کیا نیارے وارے ہوئے۔ وہاں شعر خوانی ہو رہی تھی۔

www.taemeernews.com

رضوان احمد

صحبت کا اثر

ایک چڑی مار کے پاس دو طوطے تھے۔ وہ انھیں فروخت کرنا چاہتا تھا۔ سڑک پر سے گزرنے والے جب ان کی قیمت پوچھتے تو جواب دیتا "ایک طوطا کی قیمت دو روپیہ اور دوسرے کی قیمت پچاس روپیہ۔ لیکن کوئی بھی طوطا علیحدہ نہیں بکے گا۔ دونوں طوطے ساتھ بکیں گے۔" لوگ قیمت سن کر سخت حیران ہوتے کیونکہ دونوں طوطے بالکل ایک جیسے تھے۔ دونوں کے قد و قامت اور شکل و صورت میں بھی کوئی فرق نہ تھا۔ لیکن قیمت میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ ہر قیمت پوچھنے والا چڑی مار کا جواب سن کر اسے پاگل سمجھتا۔

اتفاقاً ادھر سے شہر کے ایک امیر آدمی کا گزر ہوا جسے طوطے پالنے کا بے حد شوق تھا۔ اس کے چڑیا خانے میں طرح طرح کے طوطے تھے۔ ان میں قیمتی بھی تھے اور معمولی بھی۔ اسے اچھے اور خراب طوطوں کی پہچان بھی خوب تھی۔ اس نے جب ان دونوں طوطوں کو دیکھا تو اسے یہ بہت ہی معمولی لگے۔ اور قیمت دریافت کرنے پر تو اسے بہت ہی حیرانی ہوئی۔ اس نے چڑی مار سے دریافت کیا "جب دونوں طوطے ایک جیسے ہیں تو پھر ان کی قیمت میں اس قدر فرق کیوں ہے؟"

چڑی مار نے باادب جواب دیا "حضور آزما کر دیکھیں۔ دونوں کا فرق آپ کو معلوم ہو جائے گا۔"

امیر نے قیمت ادا کر کے طوطے خرید لیے۔ انھیں اپنے چڑیا خانے میں داخل

www.taemeernews.com

کر دیا۔

دوسرے دن صبح سویرے اس نے ایک طوطے کا پنجرہ اپنے پاس منگوایا۔ طوطے نے خدا کا نام لیا۔ اچھے اچھے گیت سنائے اور اچھی اچھی باتیں کیں۔ امیر اس کی باتیں سن کر بہت خوش ہوا۔ اس نے طے کر لیا کہ وہ اس طوطے کو ہمیشہ اپنے پاس رکھے گا تاکہ وہ روز صبح اسے اچھی اچھی باتیں سناتا رہے۔

اگلے دن اس نے دوسرے طوطے کا پنجرہ منگوایا۔ اس نے آتے ہی گندی گندی گالیاں بکنی شروع کیں۔ امیر کو بھی خوب برا بھلا کہا۔ امیر آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے طوطے کو پنجرے سے باہر نکالا اور چاہتا تھا کہ اسے پٹک کر اس کا کام تمام کر دے کہ پہلا طوطا چیخا اور اس نے التجا کی کہ اس کی جان بخش دی جائے۔

امیر کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اور اس نے دوسرے طوطے کو پھر پنجرے میں بند کر دیا۔

پہلے طوطے نے بتایا کہ ہم دونوں بھائی ہیں۔ مجھے کافی عرصے تک ایک بھلے آدمی کے پاس رہنے کا موقع ملا۔ اور میں نے اس کی صحبت میں رہ کر اچھی اچھی باتیں سیکھیں۔ لیکن یہ میرا بھائی برے لوگوں کے یہاں پلا بڑھا۔ جن کے یہاں ہر وقت لڑائی جھگڑا اور گالی گلوچ ہوتا رہتا تھا۔ اس کے یہاں اس نے گالیاں سیکھ لیں لیکن اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ تو ماحول اور صحبت کا اثر ہے۔ میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ اسے معاف کر دیجئے۔

امیر نے سوچا، طوطا ٹھیک ہی کہتا ہے۔ یہ تو بے چارا پرندہ ہے۔ انسان پر بھی سب سے زیادہ صحبت کا ہی اثر پڑتا ہے۔ اچھی صحبت میں رہ کر آدمی اچھا بن جاتا ہے اور بری صحبت میں پڑ کر بدمعاش، چور اور لفنگا بنتا ہے۔ اور اس وقت زبان کی اہمیت کا بھی احساس ہوا۔ لوگ ٹھیک ہی کہتے آئے ہیں کہ سب سے زیادہ اہمیت زبان کی ہے۔ زبان ہی سے آدمی کی شناخت ہوتی ہے۔ زبان ہی آدمی کو ہر دلعزیز بھی بنا دیتی ہے اور زبان ہی کی وجہ سے آدمی ہر ایک کی نظروں میں گر بھی جاتا ہے۔ جس طرح ایک طوطا اپنی خوش زبانی کی وجہ سے اسے دل و جان سے پیارا ہو گیا اور دوسرا طوطا اپنی بدزبانی کی وجہ سے اس کی نظروں سے گر گیا۔

امیر نے طوطے کو معاف کر دیا اور اسے اچھے طوطے کے ہی ساتھ رکھ کر اچھی اچھی باتیں سکھانے کا عہد کیا!

www.taemeernews.com

رفعت سروش

بتّیسی

شوکت میاں کی عمر ساٹھ سال سے زیادہ تھی۔ مگر صحت اچھی ہونے کی وجہ سے وہ پچاس پچپن کے لگتے تھے۔ آنکھوں پر چشمہ ضرور لگ رہا تھا، مگر بال اور دانت صحیح سلامت تھے۔ ایک رات جب وہ سو رہے تھے، انھوں نے محسوس کیا کہ ان کی بتیسی میں کچھ گڑبڑ ہے۔ غور کیا تو بات سمجھ میں آ گئی۔ دانتوں کی سبھا ہو رہی تھی۔

بائیں داڑھ نے کہا "ہم ساٹھ سال سے اس شخص کی خدمت کر رہے ہیں۔ ہمیں کیا صلہ ملا۔"

دائیں بازو کی داڑھوں نے اختلاف کیا اور کہا "یہ شخص تمھیں دن میں دو تین بار صاف ستھرا کرتا ہے۔ مرغ، مسلم، قورما، کباب، حلوہ، پراٹھا۔ کیا ہے جو تمھیں نہیں دیتا۔ ہم سب کو اس بزرگ آدمی کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ نہ ہم سے گنّے چبواتا ہے، نہ چنے چبواتا ہے، نہ اخروٹ تڑواتا ہے، نہ مینگ کی لالچ میں ہڈیاں تڑواتا ہے۔ ہمیشہ لذیذ اور نرم غذا ہمارے حصّے میں آتی ہے۔ ہم تو ہمیشہ تر ہی رہتی ہیں۔"

"تم تو چاپلوس اور خوشامدی ہو۔ ہر وقت کام کرنے کو تیار رہتی ہو۔"

"کیوں نہ ہوں آخر اس نے ہمیں عزت کا مقام عطا کیا ہے۔ ہم اس کی منہ چڑھی ہیں۔"

"تم کچھ بھی کہو۔ مجھے تو اسے مزا چکھانا ہے۔"

www.taemeernews.com

"تم خود مزے سے محروم ہو جاؤ گی اگر اچھے خاصے مہذب آدمی کو پریشان کرو گی۔"

دائیں اور بائیں بازو کی داڑھوں کی تکرار دانتا کل کل میں بدل گئی۔ اور جب شوکت میاں سو کر اٹھے تو ان کی بتیسی میں آتنک پھیلا ہوا تھا۔ بائیں داڑھ بائیکاٹ پر آمادہ تھی اس نے کسی بھی چیز کو چبانے سے انکار کر دیا۔ شوکت میاں داڑھ کی بغاوت سے پریشان ہو گئے۔ آہستہ آہستہ درد بڑھنے لگا۔ شوکت میاں کو اپنے ساٹھ سال کے ساتھیوں سے بے حد پیار تھا۔ انھیں افسوس ہوا کہ اتنی دیکھ ریکھ کے باوجود یہ داڑھ نخرے دکھا رہی ہے۔ انھوں نے اس کی خاطر مدارات شروع کی۔ اسے لونگ کھلائی۔ پان پیش کیے۔ مگر جب کوئی ایک بار بغاوت پر آمادہ ہو جائے تو اسے راہِ راست پر لانا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ شوکت میاں اس مشکل سے دوچار تھے۔ جب بہت درد بڑھا تو وہ دانتوں کے ڈاکٹر کے پاس گئے۔ انھیں ڈاکٹر کی طرف جاتا دیکھ کر دائیں بازو کی داڑھوں اور سب دانتوں نے مل کر باغی داڑھ کو سمجھایا کہ دیکھو اب بھی راہِ راست پر آ جاؤ۔ یہ دانت کا ڈاکٹر بڑا جلاد ہوتا ہے۔ اسے ہماری قوم سے کلّی بغض ہے۔ جہاں موقع ملا پوری بتیسی نکال کر ہاتھ پر رکھ دیتا ہے۔ ساٹھ سال کے پرانے گھر سے نکل کر آخر ہم کہاں جائیں گے۔ تم خود تو ڈوبو گی سو ڈوبو گی، ہمیں بھی لے ڈوبو گی۔"

مگر باغی داڑھ نے ایک نہ سنی۔ وہ اپنی باغیانہ حرکتوں سے باز نہ آئی۔ ایسی ہلی کہ شوکت میاں کے دل و دماغ میں زلزلہ سا پیدا کر دیا۔

دانتوں کا ڈاکٹر ساٹھ سال سے اوپر کے آدمی کے منہ میں پورے بتیس اور اصلی دانت دیکھ کر سوچنے لگا کہ یہ شکار آج تک کہاں چھپا رہا۔

بہر حال، اب تو آ ہی گیا ہے شکنجہ میں۔

شوکت میاں ہدایت کے مطابق لمبی آرام کرسی پر لیٹ گئے اور ڈاکٹر نے ایک ایک دانت کو ٹھونک بجا کر دیکھنا شروع کیا۔ دانتوں نے اتفاق و اتحاد کا دامن نہ چھوڑا۔ مگر بائیں بازو کے نیچے کی داڑھ نے سوچا کہ اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا۔ اس بڈھے سے عمر بھر کی غلامی کا انتقام لینے کا۔ اس کی جیب سے ہزار دو ہزار روپے خرچ کرا کر ہی میں چین سے بیٹھوں گی۔ کنجوس کہیں کا۔ دوسری داڑھوں نے سمجھایا کہ دیکھو ایسی غلطی نہ کرو۔ آج تم

www.taemeernews.com

ایک شریف آدمی کی منہ چڑھی ہو۔ کل وہ جلاد ڈاکٹر تمھیں گھسیٹ کر باہر بھی نکال سکتا ہے۔ اور پھر تمھیں کوڑے گھر میں پھینک دیا جائے گا۔ مگر باغی داڑھ تو جیسے انتقام پر آمادہ تھی۔

ڈاکٹر نے کہا۔ شوکت میاں! آپ کی یہ بائیں داڑھ بہت بیکار ہو چکی ہے۔ اس نکمی کو نکال دینا ہی بہتر ہے۔ ورنہ اس کی صحبت میں آپ کے دوسرے دانت بھی بگڑ جائیں گے۔ شوکت میاں پریشان ہو گئے تھے۔ درد سے کراہ رہے تھے۔ کھانا پینا حرام ہو گیا تھا۔ انھوں نے اپنے بائیں گال کو سہلاتے ہوئے بمشکل تمام کہا کہ ڈاکٹر صاحب آپ جیسا مناسب سمجھیں کریں۔

بس پھر کیا تھا۔ ڈاکٹر اپنی جلادی پر اتر آیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے باغی داڑھ کا نشہ ہرن ہو گیا۔ جلاد نے زنبور سے ایسا جھٹکا مارا کہ ایک سکنڈ میں باغی کو جلاوطن کر دیا۔ اور حقارت سے کوڑے دان میں پھینک دیا۔ اپنی برسوں پرانی ساتھی کے انجام پر سب دانت دکھی ہوئے اور نکمی کے انجام سے عبرت پکڑی۔

بس وہ دن اور آج کا دن۔ شوکت میاں کو اپنے دانتوں سے کوئی شکایت نہیں۔ جو نکمی تھی وہ اپنے انجام کو پہنچی۔ جو کام کے ہیں وہ تر نوالے کھاتے ہیں۔ انھوں نے تہیہ کر لیا ہے کہ چاہے شوکت میاں کی روح ان کے جسم سے نکل جائے مگر وہ ان کے منہ سے نہیں نکلیں گے۔

www.taemeernews.com

سراج انور

بوتل کے قیدی

بڑا سنسان جزیرہ تھا۔ اونچے اونچے اور بھیانک درختوں سے ڈھکا ہوا۔ جتنے بھی سیاح سمندر کے راستے اس طرف آتے، ایک تو ویسے ہی انھیں حوصلہ نہ ہوتا تھا کہ اس جزیرے پر قدم رکھیں۔ دوسرے آس پاس کے ماہی گیروں کی زبانی کہی ہوئی یہ باتیں بھی انھیں روک دیتی تھیں کہ اس جزیرے میں آج تک کوئی نہیں جاسکا اور جو گیا واپس نہیں آیا۔ اس جزیرے پر ایک انجانا خوف چھایا رہتا ہے۔ انسان تو انسان پرندہ بھی وہاں پر نہیں مار سکتا۔ یہ اور اسی قسم کی دوسری باتیں سیاحوں کے دلوں کو سہادیتی تھیں۔ بہتیروں نے کوشش کی مگر انھیں جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ چار آدمیوں کے ایک چھوٹے سے قافلے نے اس ہیبت ناک جزیرے پر قدم رکھا۔ کمال ایک کاروباری آدمی تھا۔ وہ بمبئی کے ہنگاموں سے اکتا کر ایک پُر سکون اور الگ تھلگ سی جگہ کی تلاش میں تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ وہ جزیرہ ابھی تک غیر آباد ہے تو وہ اپنی بیوی پروین۔ اپنی لڑکی اختر، اپنے لڑکے اشرف کے ساتھ اس جزیرے پر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ اختر کی عمر دس سال کی تھی اور اشرف کی پندرہ سال۔ دونوں بھائی بہن نے جو یہ بات سنی تو بے حد خوش ہوئے۔ کیونکہ ان کے خیال میں اس جزیرے پر ایک چھوٹے سے گھر میں کچھ وقت گزارنا جنت میں رہنے کے برابر تھا۔

آخر کار وہ دن آ ہی گیا جب کمال اپنے بچوں کے ساتھ اس جزیرے پر اترا۔ جزیرہ

www.taemeernews.com

اندر سے بہت خوبصورت تھا۔ جگہ جگہ پھولوں کے پودے لہلہا رہے تھے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پھل دار درخت سینہ تانے کھڑے تھے۔ اونچے اونچے ٹیلوں اور سبز گھاس والا جزیرہ بچوں کو بہت پسند آیا۔ مگر اچانک کمال نے چونک کر ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا۔ اسے ایسا لگا جیسے کسی نے ہلکا قہقہہ لگایا ہو۔ پہلے تو اس نے اس بات کو وہم سمجھ کر دل میں جگہ نہیں دی مگر دوبارہ بھی ایسا ہی ہوا تو اس کے کان کھڑے ہوئے۔ اس نے دل میں سوچ لیا کہ ماہی گیروں کی کہی ہوئی باتوں میں سچائی ضرور ہے۔ مگر اس نے بہتر یہی سمجھا کہ اپنے اس خیال کو کسی دوسرے پر ظاہر نہ کرے۔ اگر وہ ایسا کرتا تو بچے ضرور ڈر جاتے!

جب تک دن رہا وہ سب جزیرے کی سیر کرتے رہے۔ رات ہوئی تو انھیں کوئی محفوظ جگہ تلاش کرنی پڑی جہاں وہ خیمہ لگانا چاہتے تھے۔ آخر ایک چھوٹے سے ٹیلے کے نیچے انھوں نے خیمہ گاڑ دیا۔ مگر کمال بار بار یہی سوچ رہا تھا کہ آخر وہ ہلکے سے قہقہے کس کے تھے۔ اور اب وہ قہقہے کیوں سنائی نہیں دیتے۔ سوچنے کی دیر تھی کہ ویسا ہی قہقہہ اسے پھر سنائی دیا۔ کمال کو پریشانی تو ضرور ہوئی مگر وہ اپنی اس پریشانی کو دوسروں پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے اپنی بیوی سے کہا "ابھی تو اسی جگہ رات بسر کی جائے۔ صبح کو ایسی جگہ دیکھوں گا جہاں مکان بنایا جا سکے۔"

"مگر سنو کمال۔ کیا تم نے کسی کے ہنسنے کی آواز سنی ہے؟" پروین نے سہم کر پوچھا۔

"سنی تو ہے۔" کمال نے آہستہ سے کہا۔ "مگر اس بات کو بچوں سے چھپائے رکھنا، میرے خیال میں ماہی گیر ٹھیک کہتے تھے۔ مگر ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ میں اتنا بزدل نہیں ہوں کہ ان معمولی باتوں سے گھبراؤں۔"

ابھی وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اشرف نے سہم کر کہا "ابا۔ میں نے کسی کی ہنسی سنی ہے۔ اور یہ ہنسی بہت قریب ہی سے سنائی دی ہے۔ کیا بات ہے؟ کہیں یہاں بھوت ووت تو نہیں ہیں؟"

"پاگل مت بنو اشرف۔ یہ تو کسی پرندے کی آواز ہے۔ میں بھی بہت دیر سے سن رہا ہوں۔"

کمال نے تو یہ کہہ کر اشرف کو ٹال دیا۔ مگر اشرف سوچ رہا تھا کہ اس جزیرے میں

www.taemeernews.com

تو ایک بھی پرندہ نہیں ہے۔ پھر آخر ابا جھوٹ کیوں بول رہے ہیں! جب اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو وہ خاموشی سے اندر خیمے میں جاکر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ جب صبح ہو گی تو خواہ مخواہ کا ڈر بھی اس کے دل سے دور ہو جائے گا۔ رات کو تو ایسے ہی اوٹ پٹانگ خیال ذہن میں آیا کرتے ہیں۔

صبح بھی آ گئی۔ دوسری جگہوں کی طرح یہاں پرندوں کی چہچہاہٹ بالکل نہیں تھی۔ پھولوں پر تتلیاں نہیں منڈلا رہی تھیں۔ ایک پُراسرار خاموشی نے پورے جزیرے کو اپنی گود میں لے رکھا تھا۔ کمال نے سب کو اٹھایا اور پھر کہا "آؤ جزیرے کے کونے کونے کو دیکھیں۔ ہو سکتا ہے کہ کہیں ہمیں کوئی ایسی جگہ مل جائے جہاں پینے کا پانی بھی ہو اور جو سمندر سے قریب بھی ہو۔ بس ایسی ہی جگہ ہم اپنا چھوٹا سا گھر بنائیں گے۔"

یہ سن کر سب نے سامان باندھا اور اپنے کندھوں پر لٹکایا۔ پھر یہ چھوٹا سا کنبہ گھر بنانے کے لیے جزیرے کے اندر بڑھنے لگا۔ شاید ایک دو فرلانگ چلنے کے بعد ہی کمال ٹھٹھک گیا۔ اس کی نظریں سامنے کی طرف جمی ہوئی تھیں۔ اس جزیرے کے خوبصورت سے جنگل میں ایک نہایت ہی خوبصورت مکان بنا ہوا تھا۔ شاید یہ مکان بہت اونچا تھا۔ کیونکہ اس کا اوپر کا حصہ درختوں میں چھپ گیا تھا۔ اس کے علاوہ سب سے زیادہ حیران کرنے والی بات یہ تھی کہ یہ مکان بالکل شیشے کا نظر آتا تھا۔ گو اس کی دیواروں کے آرپار کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی۔ لیکن دیواروں کی چمک بتاتی تھی کہ وہ شیشے کی بنی ہوئی ہیں۔ بالکل سامنے ایک دروازہ تھا اور دروازے کے آگے ننھی منی سی روش تھی۔

"ابا۔ یہ مکان کس کا ہے؟" اختر نے پہلی بار پوچھا۔

"کوئی نہ کوئی یہاں رہتا ضرور ہے۔" کمال نے جواب دیا۔ "ماہی گیر غلط کہتے تھے کہ یہ غیر آباد جزیرہ ہے۔"

"ارے۔ مگر دروازہ تو کھلا ہوا ہے۔" اشرف نے حیرت سے کہا۔

"آجایئے، اندر آجایئے۔ میں تو برسوں سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔" ایک بڑی بھاری آواز اندر سے آئی۔

"چلیے۔ اندر چل کر تو دیکھیں کون ہے۔ کوئی ہمیں بلا رہا ہے۔" پروین نے کمال کے کان میں کہا۔

www.taemeernews.com

کمال نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور پھر اس کے ساتھ ہی ایک کر کے سب اندر داخل ہو گئے۔ اندر کا منظر دیکھ کر وہ حیران رہ گئے کیونکہ اس شیشے کے کمرے میں فرنیچر بالکل نہیں تھا اور کمرہ خالی تھا۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی اچانک دروزاہ بند ہو گیا۔ کمال نے جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ دروازہ باہر سے بند ہو گیا ہے۔ اور اب کھل نہیں سکتا۔ یکایک وہی قہقہے پھر سنائی دینے لگے۔ پہلے ان کی آواز مدھم تھی مگر اب بہت تیز تھی۔

''یہ قہقہے کس کے ہیں۔ کون ہنس رہا ہے؟''کمال نے چلا کر پوچھا۔ مگر اس کی آواز شیشے کے مکان میں گونج کر رہ گئی۔

چند منٹ کے بعد شیشے کی دیواروں کے باہر کا منظر نظر آنے لگا اور کمال نے دیکھا کہ باہر جنگل میں دھواں زمین سے اٹھ رہا ہے۔ بڑھتے بڑھتے یہ دھواں آسمان تک جا پہنچا اور پھر اس دھویں نے انسان کی شکل اختیار کر لی۔ ان لوگوں کو شیشے کے مکان میں دیکھتے ہی اس نے قہقہے لگانے شروع کر دئے۔ اس کے سر پر ایک لمبی سی چوٹی تھی جو اس کے کندھوں پر جھول رہی تھی۔

''میں آزاد ہوں۔ میں آزاد ہوں۔ ہاہاہا۔'' اس لمبے آدمی نے قہقہے لگاتے ہوئے کہنا شروع کیا ''میں آزاد ہوں۔ اے اجنبی جانتے ہو۔ میں پانچ سو سال سے اس شیشے کی بوتل میں بند تھا۔ لیکن آزاد ہوں۔ ہاہا۔''

''لیکن تم ہو کون اور ہمیں اس طرح قید کرنے سے تمھارا مطلب کیا ہے؟''کمال نے پوچھا۔

''میں جن ہوں۔ میں دنیا کا ہر وہ کام کر سکتا ہوں جو تم نہیں کر سکتے۔ پانچ سو سال پہلے ایک ماہی گیر نے مجھے ایک موٹی سی بوتل کے قید خانے میں سے نکالا تھا۔ اور جب میں نے اسے کھانے کا ارادہ کیا تھا تو اس کمبخت نے مجھے دھوکے سے بوتل میں بند کر دیا تھا۔ میں وہی جن ہوں اجنبی۔ سمجھے۔''

''مگر یہ تو ایک من گھڑت کہانی ہے۔'' پروین نے کہا۔

''بہت سے افسانے دراصل حقیقتوں سے ہی جنم لیتے ہیں۔'' جن نے کہا ''ماہی گیر نے مجھے بوتل میں قید کیا تھا وہ پانچ سو سال کے بعد ٹوٹ گئی۔ میں پھر آزاد ہو گیا اور میں نے

www.taemeernews.com

کچھ ایسے کام کیے جن کی بدولت مجھے بڑی طاقتوں نے پھر سے اس بوتل میں، اس جزیرے میں قید کر دیا۔ میری آزادی کی شرط یہ رکھی گئی کہ ادھر کوئی انسان اس جگہ آ کر میری جگہ لے لے تو میں آزاد ہو سکتا ہوں۔ اور اس لیے آج اے بے وقوف اجنبی تم نے مجھے آزاد کیا ہے اور اب میری جگہ تم اس بوتل کے قیدی ہو۔ ہاہاہا۔"

"خدا کی پناہ۔ تو کیا یہ مکان بوتل کی شکل کا ہے۔" کمال نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب میں دوبارہ قیدی بننے کی غلطی نہیں کروں گا۔" جن نے کہا "اب دوبارہ میں قید نہیں ہوں گا۔ ہاہاہا۔"

یہ سنتے ہی کمال کی بری حالت ہو گئی۔ اس نے دیوانوں کی طرح جلدی سے آگے بڑھ کر اس شیشے کے دروازہ پر زور کی ایک لات رسید کی مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ ہمت ہار کر وہ بے بسی سے جن کے مسکراتے ہوئے چہرے کو دیکھنے لگا۔

"بے وقوف اجنبی۔ تم اب یہاں سے کبھی باہر نہ نکل سکو گے۔ تم زندگی بھر کے لیے قید ہو گئے ہو۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔ مجھے بہت سے کام کرنے ہیں۔ جب تم خود مجھ سے جانے کے لیے کہو گے اسی وقت جاؤں گا۔ اس لیے مجھے اجازت دو۔"

"ابھی آپ کو اجازت نہیں مل سکتی کیونکہ آپ مجھے ایک شریف جن معلوم ہوتے ہیں۔" اختر نے حوصلہ کر کے کہا۔

"وہ تو میں ہوں ہی۔ کون کہتا ہے کہ میں شریف نہیں ہوں۔ بھولی لڑکی؟"

"اگر آپ شریف ہیں تو ٹھہریئے اور میرے ایک سوال کا جواب دیجئے۔ یہ ایک پہیلی ہے۔ اگر آپ نے اس پہیلی کا ٹھیک جواب دے دیا تو ہم اپنی مرضی سے یہیں قید ہو جائیں گے اور اگر آپ نے صحیح جواب نہیں دیا تو مجھے امید ہے کہ آپ اپنی شرافت کا مظاہرہ کریں گے اور ہمیں جانے دیں گے۔ کہانیوں میں میں نے یہی پڑھا ہے کہ شریف جن قول دے کر نہیں مکرتے۔ میں آپ کو تین موقع دوں گی۔ اگر تینوں بار صحیح جواب نہ دے سکے تو آپ ہار جائیں گے۔ بولیے منظور ہے؟ آپ خاموش کیوں ہیں۔ کیا آپ ڈرتے ہیں؟"

یہ سن کر جن بڑے زور سے ہنسا اور اس کی ہنسی سے جنگل کے درخت لرزنے

www.taemeernews.com

لگے۔ اس کے بعد وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔ اور اپنا منہ شیشے کی دیوار کے پاس لا کر زور سے کہنے لگا "میں ڈرتا ہوں! ہاہاہا۔ میں جو پوری دنیا کا مالک ہوں۔ تم جیسی ننھی سی گڑیا سے ڈر جاؤں گا۔ ہاہاہا۔ میں دنیا کا سب سے عقلمند جن ہوں۔ اپنی شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے میں تمھیں اس کی اجازت دیتا ہوں کہ تم مجھ سے اپنی پہیلی پوچھو، بولو وہ کیا پہیلی ہے؟"

کمال، پروین اور اشرف حیرت سے اختر کو دیکھ رہے تھے جو اتنے بڑے جن سے مقابلہ کرنے کو تیار تھی۔

"وہ کیا چیز ہے جو پوری دنیا کو گھیرے ہوئے ہے۔ زمین پر، سمندر میں، ہوا میں، خلا میں سب جگہ موجود ہے۔ تم اسے دیکھ سکتے ہو مگر دیکھ نہیں سکتے۔ تم اسے محسوس کر سکتے ہو مگر محسوس نہیں کر سکتے۔ وہ دنیا کی بڑی سے بڑی فوج سے بھی طاقتور ہے اور اگر چاہے تو سوئی کے ناکے میں سے نکل سکتی ہے اور دنیا کا ہر انسان اسے اچھی طرح جانتا ہے بتاؤ وہ کیا ہے؟۔"

جن نے یہ سن کر قہقہہ لگایا اور کہا "بھولی گڑیا، پہیلی کا جواب یہ ہے کہ وہ چیز ایٹم ہے۔ ایٹم ہر جگہ ہے لیکن ہم اسے دیکھ نہیں سکتے۔ صرف سائنس داں دیکھ سکتے ہیں۔ ہم اسے محسوس نہیں کر سکتے لیکن اگر کسی چیز کو چھوئیں تو محسوس کر سکتے ہیں۔ وہ دنیا کی بڑی سے بڑی فوج سے بھی طاقتور ہے اور اگر چاہیں تو سوئی کے ناکے میں سے بھی نکل سکتا ہے۔"

"بالکل غلط۔" اختر نے مسکرا کر کہا۔ "دنیا کے بہت سے آدمی ایٹم کو نہیں جانتے۔"

یہ سن کر جن بہت گھبرا گیا اور بولا۔ "ٹھہرو، مجھے سوچنے دو، ہاں ٹھیک ہے، اب صحیح جواب مل گیا۔ وہ چیز روشنی ہے۔ روشنی ہر جگہ ہے اور ہر آدمی اسے دیکھ سکتا ہے۔ کیوں۔"

"اب بھی غلط۔" اختر نے خوش ہو کر کہا۔ "اندھے آدمی روشنی کیسے دیکھ سکتے ہیں؟"

"بے وقوف لڑکی۔" جن نے گھبرا کر کہا۔ "تم مجھے نادان سمجھتی ہو اور دھوکا دینا چاہتی ہو۔ میں جانتا ہوں کہ اس پہیلی کا کوئی جواب نہیں ہے۔ اس لیے اب میں کوئی جواب نہ دوں گا۔"

www.taemeernews.com

"جواب کیوں نہیں ہے؟" اختر نے کہا۔ "اس کا جواب ہے سچ۔ سچ ہر جگہ ہے۔ تم اسے دیکھ سکتے ہو اور محسوس بھی کر سکتے ہو اگر تم سچے ہو اور اگر تم سچے نہیں ہو تو تم نہ اسے دیکھ سکتے ہو اور نہ محسوس کر سکتے ہو۔ دنیا کا ہر شخص سچ کو جانتا ہے۔ سچ دنیا کی بڑی سے بڑی فوج سے بھی طاقتور ہے اور ایک سوئی کے ناکے میں سے بھی نکل سکتا ہے۔"

یہ سنتے ہی جن نے ایک زبردست قہقہہ لگایا اور کہا "تم نے مجھ سے چالاکی سے کام لیا اور میں نے بھی تم سے۔ میں نے بھی چالاکی سے تم سے صحیح جواب معلوم کر لیے۔ تم نے مجھے تین موقعے دیے تھے اور میں نے دو ہی مرتبہ میں تم سے ٹھیک جواب حاصل کر لیے۔ کہو کیسی رہی؟ کیونکہ تم نے تیسرے موقع کا انتظار کیے بغیر ہی صحیح جواب بتادیا اس لیے تم ہار گئیں۔"

اختر تو اب چپ ہو گئی مگر کمال نے آگے بڑھ کر کہا۔ "یہ تمھاری کمزوری کی پکی نشانی ہے۔ تم نے ایک بچی سے چالاکی سے ٹھیک جواب معلوم کر لیے۔ سچ جتنا بڑا ہے، تم اتنے بڑے نہیں ہو۔ میری بچی نے یہ بات ثابت کر دی ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ میں ہر چیز سے بڑا ہوں۔" جن نے جواب دیا۔

"غلط ہے۔ تم سچ سے بڑے نہیں ہو۔" کمال نے کہا۔ "سچ ایک سوئی کے ناکے میں سے نکل سکتا ہے۔ تم نہیں نکل سکتے۔ ہمارے پاس اس وقت کوئی سوئی نہیں ہے جو ہم اس کا تجربہ کریں لیکن اس دروازے میں تالے کے اندر کنجی ڈالنے کا سوراخ تو ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سوئی کا ناکہ تو پھر چھوٹا سا ہے مگر تم اس بڑے سے سوراخ میں سے بھی نہیں گزر سکتے۔"

"یہ جھوٹ ہے۔ میں سب کچھ کر سکتا ہوں۔ سوئی کے ناکے میں سے بھی گزر سکتا ہوں اور تالے کے سوراخ میں سے بھی۔ لو دیکھو، میں دھواں بن کر ابھی تمھیں یہ تجربہ کر کے دکھاتا ہوں۔"

اتنا کہتے ہی جن ہوا میں تحلیل ہونے لگا اور پھر دھواں بننے لگا۔ اس کے دھواں بنتے ہی کمال نے جلدی سے اپنی پانی کی چھاگل نکالی اور اس کی ڈاٹ کھول کر سب پانی فرش پر گرادیا۔ جیسے ہی جن دھواں بن کر تالے کے سوراخ سے اندر آنے لگا۔ کمال نے جلدی سے چھاگل کا منہ اس سوراخ سے لگادیا۔ جب تمام دھواں چھاگل میں چلا گیا تو کمال نے ڈاٹ مضبوطی کے ساتھ بند کر دی اور ہنس کر کہا "ہاں واقعی تم تالے کے سوراخ میں سے نکل سکتے

www.taemeernews.com

ہو۔اور پھر چھاگل میں قیدی ہو سکتے ہو۔"

"تم نے مجھے دھوکا دیا۔ چالاکی سے مجھے بند کر دیا۔" جن نے چھاگل میں سے چلانا شروع کیا۔ "مجھے آزاد کرو۔"

"تم نے سچ کی بڑائی کو نہیں مانا اس لیے تم ہار گئے۔" اتنا کہہ کر کمال نے دروازے کو کھولنا چاہا تو وہ کھل گیا۔ "لو دروازہ بھی کھل گیا۔ اب میں تمھیں سمندر میں واپس پھینکے دیتا ہوں تاکہ تم دوبارہ باہر نکل کر کوئی نیا فتنہ نہ کھڑا کر سکو۔ تم نے ہمیں اس بوتل کا قیدی بنایا تھا۔ لیکن اب تم خود قیدی ہو گئے۔"

جن التجا کرتا رہا مگر کمال نے ایک نہ سنی اور پھر باہر آکر اس نے چھاگل سمندر میں پھینک دی۔ ایک زوردار تڑاخہ ہوا اور شیشے کا وہ قید خانہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا جس کی شکل بوتل کی سی تھی اور جس کا قیدی یہ چھوٹا سا کنبہ تھا۔

www.taemeernews.com

سہیل عظیم آبادی

چالاک عورت

کسی زمانے میں بغداد میں احمد نام کا ایک سوداگر رہتا تھا۔ اس کا کاروبار بہت بڑا تھا۔ وہ بے حد ایماندار اور رحم دل تھا۔ اس کی سخاوت اور رحم دلی کی شہرت دور دور تھی۔ بہت سے شہروں میں اس نے مسجدیں، اسکول، مسافر خانے اور تالاب بنوائے تھے۔ بہت سے غریب آدمی روزانہ اس کے پاس امداد کے لیے آیا کرتے تھے اور کوئی بھی خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا تھا۔ جو بھی احمد سوداگر کو جانتا اس کے عادات واطوار کی وجہ سے اس کی بہت عزت کرتا تھا۔

ایسے آدمی کو تو ہر طرح سے خوش وخرم رہنا چاہیے تھا۔ مگر احمد سوداگر اداس اور مغموم رہا کرتا تھا۔ ایک تو بہت دنوں تک اس کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ پھر ایک بیٹا ہوا بھی تو بے وقوف نکلا۔ وہ کسی کام کے لائق نہ تھا۔ احمد سوداگر کبھی کبھی اپنے دوستوں سے اس کے متعلق باتیں کرتا اور ان سے رائے پوچھتا کہ کیا کیا جائے جس سے اس لڑکے کی زندگی آرام سے کٹ جائے۔ اسے ڈر تھا کہ لوگ اس کی بے وقوفی سے فائدہ اٹھائیں گے اور اسے لوٹیں گے۔

دوستوں نے رائے دی کہ تھوڑا تھوڑا کام اس کے حوالے کیا جائے۔ احمد سوداگر نے یہی کیا۔ مگر اس کے بیٹے سلیم نے اپنی بے وقوفی سے برباد کر دیا۔ نوکر چاکر اور اس کے دوست لوٹ کر سب کھا گئے۔ کئی بار اس سے کاروبار کرایا گیا، مگر ہر بار گھاٹا ہی ہوا۔ وہ کسی کام کو بھی سنبھال نہ سکا۔ اس سے احمد سوداگر اور بھی مغموم اور فکر مند رہنے لگا۔ اسے یقین

www.taemeernews.com

ہو گیا کہ سلیم بہت جلد ہی سب کچھ برباد کر دے گا۔

احمد سوداگر نے سوچا کہ اب جو بھی ہو لڑکا جوان ہو گیا ہے تو اسکی شادی کر دینا چاہیے۔ ممکن ہے شادی ہو جانے کے بعد وہ سدھر جائے۔ اس لیے اس نے اپنے ایک ساتھی کی بیٹی زینت سے اس کی شادی کر دی۔

زینت جتنی خوبصورت تھی اتنی ہی چالاک اور عقلمند بھی تھی۔ آتے ہی اس نے سمجھ لیا کہ اس کا شوہر بالکل بے وقوف ہے اور اسے گھر ہی سنبھالنا نہیں بلکہ باہر کی دیکھ بھال بھی کرنی ہوگی۔ اس نے اس کی تیاری بھی شروع کر دی۔ دھیرے دھیرے اس نے ان سبھی نوکروں کو نکال باہر کیا جو سلیم کو ٹھگا کرتے تھے۔ پھر اس کے دوستوں کو بھی نکالا۔ مگر اس سے بھی کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ سلیم نے جو کام شروع کیا اس میں گھاٹا اٹھایا۔ اسی درمیان احمد سوداگر مر گیا۔ پھر کیا تھا۔ شہر کے سارے ٹھگ اور بدمعاش دوستی کرنے دوڑنے لگے۔ اور اسے نئے نئے کاروبار کی صلاح دینے لگے۔ سلیم بھی سب کی رائے کے مطابق کاروبار کی سوچنے لگا۔ مگر اس کی بیوی نے صاف صاف کہہ دیا کہ اسے کاروبار کے لیے ایک پیسہ بھی نہ دے گی۔ سلیم چپ رہا۔

چالاک اور ٹھگ جو اس کے دوست بن گئے تھے، وہ اس سے کہنے لگے "یہ تو بڑے شرم کی بات ہے کہ تم کوئی کام نہ کرو اور تمھاری بیوی سارا کام کرے۔ ساری دنیا میں یہ بات مشہور ہو جائے گی اور تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہوگے۔"

یہ بات سلیم کی سمجھ میں آگئی۔ اس نے ٹھیک یہی بات اپنی بیوی سے جا کر کہی اور بہت سارو پیہ مانگا کہ کاروبار کرے گا۔ مگر ہوشیار زینت سمجھ گئی کہ اسے کسی نے بہکایا ہے۔ اور اس نے صاف انکار کر دیا۔

سلیم بیوی کے انکار کرنے پر بہت غصہ ہوا اور اس نے کہا "میں بے کار نہیں بیٹھ سکتا۔ مجھے کچھ کام کرنا چاہیے۔ اگر میری بات نہیں مانتی ہو تو تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔"

زینت نے ہنستے ہوئے کہا "تم کام کرنا چاہتے ہو تو ایک گدھا خرید لاؤ اور اسے پالو۔ پھر بیچ دو۔ کچھ فائدہ ہی ہوگا۔"

زینت نے یہ بات ہنسی میں کہی تھی۔ مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد اس نے دیکھا کہ سلیم ایک موٹا تازہ گدھا لیے آرہا ہے۔ سلیم نے اپنی بیوی کو دیکھتے ہی کہا۔ "لو دیکھو، کتنا اچھا

www.taemeernews.com

گدھا لایا ہوں۔"

زینت کو اپنے شوہر کی بے وقوفی پر بہت صدمہ ہوا اور اس نے کہا "میں نے تو ہنسی میں گدھا لانے کی بات کہی تھی، جاؤ اسے فوراً بیچ دو۔"

سلیم پھر گدھے کو لے کر بازار چلا۔ دو ٹھگوں نے اسے دیکھا اور آپس میں باتیں کرنے لگے کہ کسی طرح اس گدھے کو ہتھیانا چاہیے۔ آخر میں جو سب سے زیادہ چالاک تھا وہ سلیم کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ پیچھے والے ٹھگ نے جھٹ گدھے کی گردن سے رسّی کھولی اور اپنی گردن میں ڈال لی۔ گدھے کو ایک دوسری رسّی میں باندھ دیا۔ جو ٹھگ آگے تھا وہ پیچھے آگیا اور سلیم آگے چل رہا تھا۔ اسے پتہ بھی نہ چلا کہ اس کا گدھا ٹھگ لے گیا۔ وہ اپنے ہاتھ کی ڈوری پکڑے جا رہا تھا۔ تھوڑی دور چل کر گدھا اڑ گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ارے! وہاں تو ایک داڑھی والا آدمی تھا۔ گدھے کا کوئی پتہ نہ تھا۔ سلیم حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ ٹھگ نے گڑگڑا کر کہا "مالک ناراض نہ ہوں۔ میری کہانی بہت دردناک ہے۔ میں بڑے آدمیوں کے ساتھ رہتا تھا۔ بڑے بڑے کام کرتا تھا۔ ایک دن نشے میں اپنی ماں کو میں نے پیٹا۔ اس نے بددعا دی کہ گدھا ہو جاؤ۔ بس کیا تھا۔ میں گدھا ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب میری ماں نے مجھے معاف کر دیا ہے اور میں پھر آدمی بن گیا ہوں۔ جب تک جیتا رہوں گا آپ کو یاد کروں گا۔"

سلیم نے رسّی اس کی گردن سے کھول دی اور وہ ٹھگ چلا گیا۔ سلیم چپ چاپ گھر لوٹا۔ کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔ گھر پر زینت نے پوچھا "گدھا کتنے میں بکا؟"

اس نے سارا حال کہہ سنایا۔ زینت سب کچھ سمجھ گئی پر اس نے کچھ نہیں کہا۔ پھر بولی "جاؤ۔ ایک گدھا اور خرید لاؤ۔"

سلیم پہلے تو تیار نہ ہوا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد گدھا خریدنے نکلا۔ اور وہی پہلا والا خرید لایا۔ زینت نے گدھے کو کھلایا پلایا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد سلیم سے بولی "اسے بازار لے جاؤ اور اچھے دام میں بیچو، ہاں اگر راستے میں یہ بھی آدمی بن جائے تو اسے چھوڑ نہ دینا بلکہ گھر لیتے آنا۔ میں اس کی مدد کروں گی۔"

سلیم پھر گدھے کو لے کر بازار چلا۔ اس بار بھی ان ٹھگوں نے اسے دیکھا۔ مگر اس بار وہ پہلا نہیں گیا۔ بلکہ دوسرے ساتھی کو بھیجا اور پہلے ہی کی طرح ایک ٹھگ سامنے سے

www.taemeernews.com

آکر اس سے باتیں کرنے لگا۔ دوسرے نے گدھے کی گردن سے رسّی کھول کر اپنے گلے میں ڈال لی اور گدھا دوسرے ساتھی کے حوالے کردیا۔ پھر ٹھگ اپنی راہ چلا اور سلیم اپنی راہ۔

پہلے کی طرح تھوڑی دور جاکر گدھا رک گیا۔ سلیم نے پلٹ کر دیکھا تو پھر وہی تماشا! گدھا غائب اور رسّی میں ایک آدمی بندھا ہوا ہے۔ وہ بہت گھبرایا۔ ٹھگ نے پھر ویسی ہی کہانی دہرائی کہ وہ اپنے باپ کی بددعا سے گدھا بن گیا تھا۔ سلیم نے بڑے غم کا اظہار کیا اور بولا "کوئی حرج نہیں۔ تم میرے گھر چلو۔ وہاں ہم تمھیں بہت سارد پیہ پیسہ دیں گے۔ اور تم آرام سے اپنی زندگی گزارنا۔"

ٹھگ لالچ میں آگیا اور خوشی سے اس کے ساتھ ہولیا۔ جب سلیم گھر آیا اور اپنی بیوی کو سارا حال کہہ سنایا تو اس نے اپنے نوکر سے کہا کہ اس آدمی کو کھونٹے سے باندھ دو۔! اسے کھونٹے سے باندھ دیا گیا۔ وہ رونے چلانے لگا تو زینت نے اپنے نوکروں سے کہا "جاؤ اس گدھے سے کہو کہ تمھارے ماں باپ کی وجہ سے میرے دو گدھوں کی قیمت باقی رہ گئی ہے۔ دونوں گدھوں کے دام واپس کردو ورنہ اب تو دو گدھوں کا کام ہم تم ہی سے لیں گے اور کبھی نہیں چھوڑیں گے۔"

یہ سن کر ٹھگ بہت گھبرایا۔ پھر رونے چلانے لگا۔ مگر زینت نے ایک نہ سنی۔ آخر اس کا دوسرا ساتھی آگیا۔ اور جتنا روپیہ اس سے ٹھگا تھا واپس کردیا اور ٹھگ کو چھڑا کر لے گیا۔

بہت جلد یہ کہانی بغداد میں مشہور ہوگئی۔ پھر تو کوئی بھی سلیم کو ٹھگنے کی بات نہیں سوچتا۔

www.taemeernews.com

شانتی رنجن بھٹاچاریہ

مساوات کا گیت

ایک سنیاسی گاؤں گاؤں پھر رہا تھا۔ وہ سارے ہندوستان کا سفر کرنے کا خواہش مند تھا کیونکہ وہ ملک کے کونے کونے میں اپنا پیغام پہنچانا چاہتا تھا۔

ایک روز دوپہر کے وقت وہ ایک گاؤں سے گزر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک آدمی بیٹھا حقہ پی رہا ہے۔ تھکے ماندے سنیاسی کا جی چاہا کہ وہ بھی کچھ دیر بیٹھ کر حقہ پی لے۔ اس لیے وہ اس کے پاس آیا اور بولا کہ اسے بھی حقہ پینے دیا جائے۔ سنیاسی کے منہ سے یہ بات سنتے ہی وہ آدمی فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ گویا سنیاسی نے کوئی ایسی بات کہی ہے، کوئی ایسا دشوار کام کرنے کو کہا ہے جو اس کے بس سے باہر ہو۔ وہ آدمی بڑے ادب سے کہنے لگا۔ ”سنیاسی جی! یہ کیسے ہو سکتا ہے، میں اچھوت ہوں۔“ سنیاسی یہ سن کر واپس جانے لگا۔ دو قدم چلتے ہی اسے خیال آیا کہ یہ اس نے کیا کیا۔ اس کا فلسفہ ہے کہ دنیا کے سب انسان برابر ہیں۔ کوئی چھوٹا اور کوئی بڑا نہیں ہے۔ سب ہی خدا کے پیارے ہیں۔ وہ تو مساوات کا گیت تمام دنیا کو سنانے نکلا ہے۔ اسے لڑکپن کی ایک اور بات یاد آ گئی۔ لوگ کہتے تھے کہ مسلمان کا چھوا کھانے سے ذات چلی جاتی ہے۔ اس لیے اس نے اپنے ایک مسلمان دوست کے ساتھ کھانا کھایا تھا اور کھانے کے بعد وہ ایک آئینہ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ ذات جانے سے اس کے رنگ اور چہرے میں کوئی تبدیلی تو نہیں ہوئی ہے۔ آج اسے لڑکپن کا وہ واقعہ پھر یاد آ گیا اور اسے ہنسی آ گئی۔ ساتھ ہی وہ الٹے قدم لوٹا اور حقہ پینے کے لیے اس اچھوت کے پاس چلا آیا۔

www.taemeernews.com

"لاؤ۔ میں تمھارا جوٹھا حقہ پیوں گا۔" یہ کہہ کر اس نے حقہ لے لیا اور پینے لگا۔

تم حیران ہو گے کہ یہ نوجوان سنیاسی دنیا کے تمام انسانوں کو بھائی بھائی اور تمام مذہب کو ایک سمجھتا تھا، کون ہے؟ یہ وہی ہے جس نے دنیا بھر میں مساوات اور انصاف کا گیت گایا۔ محبت، پیار، ملن کے گیت۔ اس کا اصلی نام نریندر ناتھ تھا۔ لیکن دنیا بھر میں وہ سوامی وویکانند کے نام سے مشہور ہوا۔

www.taemeernews.com

شکیل الرحمٰن

کلو اور چور

بہت دنوں کی بات ہے کسی گاؤں میں ایک لڑکا رہتا تھا۔ وہ بہت ہی غریب تھا۔ اس کا نام کلو تھا۔ اس کی ایک بہن بھی تھی۔ اس کی شادی ہو چکی تھی۔ کلو کے ماں باپ بہت غریب تھے۔ کلو کی بہن کی شادی کنک پور نامی گاؤں میں ہوئی تھی۔ یہ گاؤں اس کے گاؤں سے آٹھ کوس کے فاصلہ پر تھا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ کلو جانور چرا کر گھر لوٹا۔ اس کی ماں اس کے باپ سے کہہ رہی تھی کہ عید آرہی ہے۔ اس موقع پر عائشہ (کلو کی بہن) کے لیے بھی نیا جوڑا سِلنا بہت ضروری ہے۔

یہ سن کر کلو بول اٹھا "ابا جان! عید سے پہلے ہی جوڑا تیار کروا دیجیے تو میں جا کر باجی کو دے آؤں۔"

طے یہ پایا کہ جوڑا جب سل کر تیار ہو جائے تو کلو بہن کے گھر جا کر دے آئے گا۔ عید سے تین دن قبل کلو اور اس کی بہن کے جوڑے سل کر آگئے۔ کلو اس دن بہت خوش تھا۔ اس نے اپنے باپ سے اجازت حاصل کی اور خوشی خوشی اپنی بہن کو جوڑا دینے کنک پور روانہ ہوا۔ اس کے پاس نئی سائیکل تھی۔ اس پر بیٹھ کر آنے اور جانے میں اسے بہت خوشی ہو رہی تھی۔ یہ سفر اس کے لیے نہایت دلچسپ ثابت ہوا۔ کلو کی بہن اپنے بھائی سے مل کر بہت خوش ہوئی۔ کلو کی بہت خاطریں کی گئیں۔ شام ہوتے وہ اپنے گھر کے لیے روانہ ہوا۔ واپسی

www.taemeernews.com

میں اسے ایک بھیڑیا نظر آیا۔ اسے دیکھتے ہی کلو ڈر کے مارے سائیکل چھوڑ کر پاس کے ایک پیڑ پر چڑھ گیا۔ تھوڑی دیر تک بھیڑیا نیچے ٹہلتا رہا اور اسے بار بار گھورتا رہا اور کلو کا مارے ڈر کے دم سوکھتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد مایوس ہو کر بھیڑیا جس راہ سے آیا تھا اسی سے لوٹ گیا۔

سورج ڈوب رہا تھا۔ کلو نے سوچا اب گھر جلد پہنچنا چاہیے ورنہ رات اسی پیڑ پر بسر ہو گی۔ وہ ابھی پیڑ سے اترنے کی سوچ ہی رہا تھا کہ چار چور ادھر آ نکلے۔ نئی سائیکل کو پڑا دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے۔ کلو نے انھیں اپنی سائیکل لے جاتے دیکھ کر مارے ڈر کے پیڑ پر ہی رونے لگا۔ اس کی آواز سن کر چوروں نے اسے دیکھ لیا اور پوچھنے لگے کہ وہ کون ہے؟

کلو نے ڈرتے ڈرتے سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔ "سائیکل میری ہے اور میں ایک چھوٹا بچہ ہوں اور پاس کے ہی گاؤں میں رہتا ہوں۔"

چور اس کی حق گوئی سے کافی متاثر ہوئے۔ اسے پیڑ سے نیچے اتارا اور اس کے گھر کا پتہ دریافت کیا۔ چوروں نے اس وقت وہاں اس کی موجودگی کا سبب بھی دریافت کیا۔ سارا قصہ سن کر چوروں کو اس پر ترس آگیا اور انھوں نے نہ صرف یہ کہ اس کی سائیکل لوٹا دی بلکہ اسے اس کے گھر چھوڑ آنے پر بھی آمادہ ہو گئے۔

گاؤں کے قریب پہنچ کر چوروں نے اسے چھوڑ دیا اور وہ ان کا شکریہ ادا کر کے اپنے گھر روانہ ہو گیا۔ چور آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اب جب یہاں تک آ ہی گئے ہیں تو کیوں نہ اسی گاؤں میں چوری کی جائے۔

کلو گھر پہنچا اور اس نے اپنے ماں باپ سے سارا ماجرا بیان کیا۔ پھر کھانا کھا کر اپنے کمرہ میں جا کر سو گیا۔

چور گاؤں میں گھومتے ہوئے کلو ہی کے گھر پہنچ گئے۔ اتفاق سے انھوں نے جس کمرہ میں سینڈ لگائی وہ کلو ہی کا کمرہ تھا۔ وہاں کلو کو سوتا دیکھ کر وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہوئے۔

صبح کلو کے گھر والے یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کے گھر چوروں نے سینڈ لگائی مگر کوئی بھی سامان غائب نہیں ہوا۔

www.taemeernews.net

عصمت چغتائی

سفید جھوٹ

"کھڑکی سے نہ نکلنا۔"

"بہت اچھا۔"

"بیچ بیچ میں اسٹیشنوں پر اتر کر مٹر گشت نہ لگانا۔"

"بہت اچھا۔"

"الا بلا خرید کر نہ کھانا۔"

"بہت اچھا۔"

"ٹکٹ نہ کھو دینا۔"

"بہو۔ وت اچھا۔"

"یہ نہ کرنا۔"

"بہت اچھا۔"

"وہ نہ کرنا۔"

"بہت اچھا۔"

ریل میں مجھے اور نیر کو بٹھاتے وقت ماموں نے مارے نصیحتوں کے ناک میں دم کر دیا۔ اف یہ بزرگ آخر بچوں کو اتنا بے وقوف کیوں سمجھتے ہیں۔ چھٹیاں گزارنے، میں اور نیر علی گڑھ سے بریلی آپا کے پاس جا رہے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ہمیں اکیلا سفر کرنے کا

www.taemeernews.com

موقعہ دیا گیا تھا۔ گارڈ صاحب سے ہماری خاندانی جان پہچان تھی۔ انھیں پہرے داری پر مقرر کر دیا گیا تھا۔ ویسے دو کانسٹبل بھی داروغہ جی کے کسی کام سے جا رہے تھے اور ہر اسٹیشن پر انھیں ہماری خبر گیری کی تاکید کر دی گئی تھی۔ پھر بھی اماں بہت ڈر رہی تھیں کہ بچیاں کہیں کھو نہ جائیں۔ ہمارا جی جل گیا۔ یا اللہ اپنے بل بوتے پر زندہ رہنے کی اجازت ہی نہیں ملتی۔ اور ہم نے ارادہ کر لیا کہ ایک بھی نصیحت نہیں مانی جائے گی۔ آج تو اپنا راج قائم ہی کر کے رہیں گے۔

مگر جوں ہی ہم نے دوسرے اسٹیشن پر اترنے کی کوشش کی۔ گارڈ صاحب نے ڈانٹ بتائی۔ دل بجھ کر رہ گیا۔ چھی۔ اللہ ان بزرگوں سے کہیں پیچھا ہی نہیں چھوٹتا۔ ہم نے بہت اکڑنے کی کوشش کی تو باہر سے تالہ لگا کر چلے گئے۔ جلکر ہم نے ریل کے ڈبے ہی میں ادھم مچانی شروع کی۔ خوب کھڑکی سے لٹکے۔ ریل کی زنجیر کو کھینچنا چاہا مگر بہت ڈر لگا۔ چندوسی کے اسٹیشن پر ایک بہت موٹی سی صاحبہ ہانپتی کانپتی سوار ہوئیں تو ہماری رہی سہی آزادی بھی ختم ہو گئی۔

"اے ہے مونڈی کاٹیو، چلے پیر کی بلی کی طرح کائے کودی جاتی ہو۔ سیدھی طرح بیٹھو۔"

انھوں نے ہمیں اوپر کی سیٹوں پر چڑھتے اترتے دیکھ کر ڈانٹا۔ یہ لیجیے۔ یہ کون ہوتی ہیں ہماری سگی۔ ان کی بلا سے ہم ریل سے کود کر مر جائیں۔ مگر یہ بزرگ تو جہاں بچوں کو دیکھا رعب جمانے لگے۔ ہم نے قطعی فیصلہ کر لیا کہ بڑی بی کو بکنے دو۔ اور ہم نے جان جان کر اور کھڑکی سے لٹکنا شروع کیا۔ اسٹیشن آیا۔ ہم نے دہی بڑے خریدنا چاہے تو وہ پھر ڈانٹنے لگیں۔ ہم نے کہا کہ بھئی تم کون ہوتی ہو۔

"بس بک بک نہ کرو۔ الابلا کھاؤ گی ہیضہ پھیل جائے گا۔" اور ڈانٹ کر دہی بڑے والے کو بھگا دیا۔

ہمارا جی چاہا رو پڑیں۔ گارڈ صاحب اور کانسٹبل ہی کیا کم تھے جو یہ اور ہماری جان کو سوار ہو گئیں۔ اور ہم نے بغاوت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"ارے تم کہاں سے آ رہی ہو۔"

"کلکتہ سے۔" ہم نے سوچا رعب ڈالیں۔

www.taemeernews.com

"ہیں۔ مگر یہ گاڑی تو کلکتہ سے نہیں آتی۔ بدلی ہوگی راستے میں۔"

"جی ہاں۔۔۔۔"

"کہاں جارہی ہو۔"

"اپنی سسرال۔" ہم نے سوچا، اب تو ہمیں یہ بچہ سمجھ کر رعب نہیں ڈالیں گی۔

"ہیں؟" وہ مارے رعب کے کانپ اٹھیں "کیا کہا۔ کس کی سسرال۔"

"ہماری اور کس کی۔" میں نے دیدہ دلیری سے کہا۔ اور بیچاری نیر کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہونے لگے۔

"اتنی سی عمر میں شادی ہوگئی۔" انھوں نے پھر وہی بچپن پر چوٹ کی "کیا عمر ہے؟۔"

"اتنی سی عمر کیوں۔ میری عمر بیس سال ہے۔ اس کی اٹھارہ سال۔" میں نے نو سال کی نیر کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اپنی ناک دبوچ کر ہنسی روکنے لگی "اصل میں ہمارے قد ٹھٹھر گئے ہیں۔" میں نے انھیں یقین دلایا۔

"کہاں شادی ہوئی ہے۔" انھوں نے بے اعتباری سے گھورا۔

ہم نے سوچا، اب رعب جمانے کا موقعہ ہے۔ کوئی ٹھاٹ دار خاندان بتاؤ۔ لہٰذا ہم نے فوراً کہا "نواب ضمیر احمد خاں کے ہاں۔"

"ہیں۔" وہ اتنی زور سے چونکیں کہ ہم سمجھے ریل کا حادثہ ہوگیا۔ مگر ان کے چہرے کو دیکھ کر پتہ چلا کہ وہ بے حد مرعوب ہوگئیں۔ نواب صاحب کے نام کی دہشت بیٹھ گئی۔

"اور اس کی؟۔" انھوں نے حیرت کو ضبط کر کے نیر کی طرف اشارہ کیا۔

"اس کی بھی۔" میں نے ٹالنے کی کوشش کی۔

"مگر۔۔۔ مگر۔۔۔ ان کے ایک ہی لڑکا ہے۔" وہ بوکھلائیں۔

"جی ہاں، نواب ضمیر احمد کے لڑکے نے دو شادیاں کی ہیں۔"

جھوٹ بولا تھا تو نبھانا ہی تھا۔ اب ہمیں کچھ ڈر لگ رہا تھا۔ حالانکہ پکڑے جانے کا کوئی خوف نہ تھا۔ پھر بھی ایک دم سے اتنے بہت سارے جھوٹ!

"کس کی لڑکیاں ہو تم۔" وہ تھوڑی دیر گھورنے کے بعد بولیں۔

www.taemeernews.com

"اپنے باپ کی۔" نیر نے سچ کہا۔
"کیا نام ہے تمھارے باپ کا۔" وہ داروغہ جی کی طرح چنگھاڑیں۔
"شوکت علی۔" میں نے پھر گپ ٹھونکی۔ نیر روکتی رہی کہ بھئی اب زیادہ نہ بڑھو۔
"شوکت علی۔ ان کی بیوی زاہدہ تمھاری ماں ہیں۔"
"جی۔۔۔۔وہ بات یہ ہے کہ ہم ان کی سوتیلی بیوی کی لڑکیاں ہیں۔" میں ہکلائی۔

اب تو ہمیں سچ مچ ڈر لگنے لگا۔ پھر سوچا کیا کرسکتی ہیں یہ۔ ریل میں جھوٹ بول دیا تو پکڑا ہی نہیں جاسکتا۔ کہاں یہ کہاں ہم۔ ثابت ہی نہیں ہو سکتا جھوٹ!

"کتنی بری باتیں کی ہیں تم نے۔ یہ کسی سے کہہ دیں تو؟" نیر نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

"سڑن ہو تم۔ کس سے کہہ دیں گی۔ وہ کیا جانیں ضمیر احمد صاحب کو۔" میں نے اطمینان دلایا۔

"جو گھر میں معلوم ہو گیا تو وہ جوتے پڑیں گے کہ مزہ آجائے گا۔" نیر نے ڈرایا۔

برقعہ والی بیوی ہم سے ناراض ایک طرف منہ پھلا کر بیٹھ گئیں۔ کبھی کبھی ہمیں دیکھ کر پھنکار مارتیں۔ پھر منہ موڑ لیتیں۔ اکیلے سفر کا سارا مزہ کرکرا ہو گیا۔ ہم اداس بریلی کے اسٹیشن کا انتظار کرنے لگے۔

مگر گھر پہنچ کر ہم نے خوب خوب گپیں ماریں۔ نیر نے بہت میرے چٹکی لی مگر میں نے ٹھوک ہی دیا کہ ایک خونی ڈاکو ہمارے ڈبے میں گھس آیا تھا۔

"اے ہے۔" آپا نے سہم کر کہا۔ "پھر کیا ہوا؟"
"پھر تم نے زنجیر کھینچ لی ہوتی۔" شبانہ نے رائے دی۔
"جی ہاں زنجیر کھینچ لی ہوتی اور جو وہ چاقو مار دیتا تو؟"
"پھر کیا ہوا؟" آپا نے سہمی ہوئی آواز سے پوچھا۔ ننھے بھائی زینے سے اترتے دکھائی دیے۔

"پھر ہم نے گارڈ صاحب کو آواز دی۔ انھیں آتے دیکھ کر وہ کود کر بھاگ گیا۔"
نیر برابر کہے جارہی تھی کہ بس کرو۔ زیادہ جھوٹ نہ بولو۔ اور میں نے بھی سوچا کہ

www.taemeernews.com

اگر ننھے بھائی نے سن لی یہ گپ تو فوراً پکڑ لیں گے۔ اور وہ ٹانگ گھسیٹیں گے کہ بس۔ ابھی میں تازہ گپ سوچ رہی تھی کہ کہاروں نے آواز دی کہ ضمیر احمد صاحب کے ہاں سے سواریاں آئی ہیں، اتروالو۔ ڈولی کا پردہ سرکا۔ دو لڑکیاں اور ایک موٹی صاحبہ اتریں۔۔۔۔ میرے اور نیر کے ہاتھ سے خربوزہ اتر کر بھاگا! ارے یہ تو وہی ریل والی صاحبہ ہیں۔ لیکن کہاروں نے کہا کہ یہ ضمیر احمد صاحب کے ہاں سے آئی ہیں۔ ان کی بیوی ہوں گی۔ مگر ہم نے تو رعب ڈالنے کے لیے ان سے جھوٹ بول دیا تھا کہ ہماری شادی ضمیر احمد صاحب کے لڑکے سے ہوئی۔ ہائے اللہ، اگر پہلے پتہ چل جاتا تو کسی اور کا نام لے دیتے۔ ہم تو یہ سمجھے تھے کہ جھوٹ بول دیا بات ختم ہو گئی۔ یہ خبر نہ تھی کہ جھوٹ یوں ہماری گردن میں لٹکا چلا آئے گا اور یوں ہمارے منہ پر طمانچے لگے گا۔ ان صاحبہ نے میرا اور نیر کا خوب جی بھر کے مذاق اڑایا۔ آپا او پری دل سے ہنستی رہیں۔ ویسے انھیں بھی بڑی ذلت محسوس ہو رہی تھی۔ شریف بچیاں اتنے بڑے جھوٹ نہیں بولا کرتیں۔

اور مارے ذلت کے جی چاہتا تھا کہ جادو سے کوئی چوہے بنا دے تو ہم موری میں گھس جائیں۔ ان کی لڑکیاں مسکرا مسکرا کر ہمیں دیکھ رہی تھیں۔ سب نے خوب چوپے پی، خربوزے کھائے، دال موٹ اور سموسے اور تلنگی کے لڈو اڑائے۔ میں اور نیر کوٹھی بنے اندھیرے کمرے میں منہ چھپائے روتے رہے۔ ساری چھٹیاں اکارت گئیں۔ ان صاحبہ نے سارے محلے میں یہ بات پھونک دی۔ اور ہم مہینوں تک سے منہ چھپانے پر مجبور ہو گئے۔ اس بات کو کتنے دن گزر گئے مگر جب بھی مجھے وہ لمحہ یاد آ جاتی ہے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میں اب کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔۔۔۔ ہاں کبھی کبھی لکھ لیتی ہوں۔

www.taemeernews.com

عفت موہانی

دو دوست

138

منو اور شفو جیسے دوست بھلا پورے اسکول میں کہیں اور بھی تھے؟ دونوں کی عادتیں ایک جیسی تھیں۔ منیر اور شفیق ایک عمر کے تھے۔ ایک ہی کلاس میں پڑھتے۔ ہر جگہ ان کے پیار کا چرچا ہوتا۔ کیسے اچھے ساتھی ہیں۔ منو ذرا خود کو لیے دیے رہتا مگر شفو بے حد نٹ کھٹ تھا۔ ڈیڈی اور ممی کا اکلوتا تھا نا اس لیے۔ دونوں ہی اس سے بے حد پیار کرتے تھے۔ منو کے ڈیڈی بہت پہلے ہی ختم ہو گئے تھے۔ شفو کے ڈیڈی اس سے بڑی محبت کرتے اور خود شفیق تو منیر تو اپنا حقیقی بھائی سمجھتا۔ اپنے سارے کھلونے، تتلی کے پروں کا البم، پنسل، تصویروں کی کتاب سب کچھ اسے دے دیتا۔

اس اسکول میں پپو بھی تھا۔ بے حد لالچی۔ اس نے کیا کیا ترکیبیں نہ کی تھیں کہ شفیق کا دوست بن جائے۔ مگر شفیق نے کبھی اس سے منہ بھی نہیں لگایا۔ وہ جانتا تھا کہ پپو پڑھائی میں صفر ہے۔ اس لیے شفیق کے ساتھ لگے رہنا چاہتا تھا کہ مفت میں ڈھیروں کھلونے اور کھانے پینے کی چیزیں ہاتھ آئیں۔

وہ منیر کو ستانے جلانے کے لیے کہتا "بھئی غریبوں پر تو سبھی ترس کھاتے ہیں، بیچارہ کا باپ بھی نہیں ہے۔"

اس دن منیر کا جی کہیں نہ لگا۔ وہ کلاس میں بھی نہیں آیا۔ چپ چاپ بیٹھا سوچتا رہا۔ اگر اس کے بھی شفیق کی طرح ڈیڈی ہوتے تو وہ اترایا اترایا پھرا کرتا! پھر رفتہ رفتہ اسے

www.taemeernews.com

معلوم ہونے لگا۔ یہ کھلونے، یہ ٹرانسکل، البم، شفیق نے اس پر احسان کر کے دیا ہے، کیونکہ وہ غریب ہے۔

"میرا باپ بھی نہیں ہے۔" اس کے کانوں میں پپو کی آواز گونجنے لگی۔

"تم چپ چاپ کیوں ہو؟" شفو نے منو سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" منیر نے ٹال دیا۔

ایک دن شفیق کی سالگرہ آئی۔ اس کی کوٹھی رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگ کر رہی تھی۔ بینڈ بج رہا تھا۔ لال ہری جھنڈیاں کمپاؤنڈ میں لہرا رہی تھیں۔ مہمان گلے میں ہاتھ ڈالے صوفوں پر بیٹھے ہنس رہے تھے۔ شفیق بہت خوش تھا۔ کتنے بہت سارے تحفے اسے ملیں گے۔ لمبی سی میز پہلے سے بچھادی گئی تھی۔ ابھی پل بھر میں یہ میز تحفوں سے بھر جائے گی۔ اس کے دوسرے ساتھی تحفوں سے لدے پھندے چلے آ رہے تھے۔

پپو کے ڈیڈی ڈاکٹر تھے۔ وہاں سب کی خوشامد میں لطیفے سنا رہا تھا۔ "ڈیڈی کے پاس ایک دن مریض آیا۔ اس کے بھائی کو آپریشن کرنا تھا۔"

"آپریشن سے میرے بھائی کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچے گا؟"

"نہیں، نقصان تو نہیں پہنچے گا، بس ذرا۔۔۔۔"

"ہاں، ہاں، کہیے۔ کیا ہوگا؟"

"ذرا مر جائے گا۔"

شفیق نے قہقہہ لگایا۔ اس کے دوست بھی ہنسنے لگے۔ منیر بڑی دیر سے ایک گوشے میں کھڑا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اس نے ہنسی مذاق میں بالکل حصہ نہ لیا۔

رات کو شفو نے بارہ موم بتیاں بجھا کر اپنی سالگرہ کا کیک کاٹا۔ تالیاں بجیں۔ آرکسٹرا نے ہپی برتھ ڈے ٹیل بریٹ کیا۔ اسے مبارک باد ملی اور ڈھیر بھر تحفوں سے میز بھر گئی۔

"ہائیں، ارے منیر تم؟" اچانک شفیق کی نظر اس پر پڑ گئی۔ "جاؤ، میں تم سے نہیں بولتا۔ اتنی دیر میں آئے ہو تم؟"

"ارے، یہ تو دیر سے یہاں کھڑا تھا۔" ایک دوست بولا۔

اچھا یار دکھاؤ نا تم کیا لائے ہو، اپنے پیارے دوست کے لیے؟ کوئی بڑھیا سا تحفہ

www.taemeernews.com

لائے ہو گے۔"

"ہاں ہاں، دکھاؤ نا۔" سب منو کے پیچھے پڑ گئے۔ شفو بھی سمجھ رہا تھا کہ وہی تو اس کا پیارا دوست ہے۔ کوئی حسین سی چیز تحفہ میں دے گا۔ لیکن منو آہستہ سے بولا۔ "نہیں شفو۔ میں تمھارے لیے کوئی پریزنٹ نہیں لایا۔"

"کیوں؟" شفیق کو بڑی حیرت ہوئی۔

"میرے پاس پیسے نہیں تھے شفو۔" منیر سر جھکا کر بولا۔

"واہ بھئی۔" افتخار نے کہا "ہمیں دیکھو، پیری کے کتنے ڈبے دیے ہیں۔"

شفو چپ تھا، شرمندہ سا۔ اب لوگ کیا کہیں گے کہ واہ بھئی اچھا دوست ہے جو سالگرہ پر بھی یوں ہی منہ اٹھائے چلا آیا۔ منیر واپسی کے لیے مڑا تو پپو شرارت سے بولا۔

"ارے منو تم کچھ لا نہ سکے تو کیا ہوا، یہیں سے ایک چیز پسند کر کے لے جاؤ۔"

پھر شفو کے دوست قہقہے لگانے لگے۔

اب شفو اور پپو دوست بن گئے اور اس نے اپنی چیزوں میں سے بہت سی چیزیں پپو کو دے دیں۔ شفو کا دل پڑھائی میں بھی نہیں لگنے لگا۔ جب دیکھو، دونوں مل کر کبڈی۔ بال یا کیرم کھیل رہے ہیں۔ امتحان کے دن آئے اور گزر گئے۔ مگر انھیں ہوش ہی کہاں تھا کہ دل لگا کر پڑھتے اور ڈھنگ سے امتحان دیتے۔ جب رزلٹ نکلا تو پپو اور شفو دونوں فیل تھے۔ منو البتہ فرسٹ کلاس پاس ہو گیا تھا۔

ماسٹر صاحب نے دونوں کے کان کھینچ کر کہا "تم دونوں پرلے درجے کے نکمے اور نالائق ہو۔ سال بھر ڈنڈے بجائے اور اب فیل ہو گئے۔ منیر کو دیکھو۔ وہ اوّل درجے میں پاس ہوا ہے۔ اب آٹھویں کلاس میں پہنچ جائے گا۔"

جب ماسٹر صاحب رپورٹ دے کر اور خفا ہو کر چلے گئے تو پپو نے شفو سے کہا "بن باپ کے بچے پر سبھی رحم کرتے ہیں۔ جلدی جلدی پاس کر دیا کہ پڑھ لکھ کر نوکر ہو جائے۔ تم کو ہم کو پڑھنے لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ آؤ، چلیں، کھیلیں چل کر۔" شفو تو خراب لڑکا بن ہی چکا تھا، پپو کے ہاتھ میں ہاتھ دیے کھیلنے چل دیا۔

منو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پاس ہونے کی خوشی خاک میں مل گئی۔ بھلا شفو کے بغیر نئی کلاس میں کیسے دل لگے گا! مگر اب شفو کو منو کی اتنی سی پرواہ بھی نہ تھی۔ وہ شریر

www.taemeernews.com

لڑکوں میں گھل مل کر منو کو الو بناتا۔ ”سنا ہے اللہ میاں نے فرشتوں کا دل بہلانے کو ایک کارٹون بنایا تھا۔ مگر وہ کارٹون اللہ میاں کی نظریں بچا کر دنیا میں چلا آیا۔“

سب منو کو دیکھ کر ہنسنے لگتے اور وہ دل ہی دل میں رونے لگتا۔ اگر شفو نہ چاہتا تو کسی کی مجال تھی کہ اسے ستاتا۔ اسے شفو کی دی ہوئی چیزوں سے نفرت ہو گئی۔ اس کے دل میں شفو کے برے سلوک کے گھاؤ پڑ گئے۔ مگر اس نے اس سے کوئی بدلا نہ لیا، کیونکہ دوستوں سے بدلا برے لڑکے لیتے ہیں۔ اور منو تو اچھا لڑکا تھا۔

پھر ایک دفعہ ایسا ہوا کہ شفیق اسکول سے غیر حاضر ہو گیا۔

اتفاق سے منو نے ہیڈ ماسٹر کو کسی سے کہتے ہوئے سن لیا کہ ”شفیق کے ڈیڈی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، حالت خراب ہے۔“ منیر سن رہ گیا۔ بے چارہ شفیق۔ اس کا دل کیا کہتا ہو گا۔ وہ تو اس کے بڑے اچھے ڈیڈی ہیں۔ وہ منو کو بھی بے حد پیار کرتے تھے۔ کتنی کاپیاں کتابیں اور رنگ برنگی پنسلیں انھوں نے منو کو خرید دی تھیں۔ ایک دفعہ وہ راستے میں اس سے ملے تھے اور بڑی محبت سے منو کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا تھا ”منو بیٹے! اچھے تو ہو، اب ہمارے یہاں کیوں نہیں آتے؟“

پھر اس کے ذہن میں ڈیڈی کی ہنستی ہوئی صورت گھوم گئی۔ اور وہ شام کو ان کے گھر پہنچ گیا۔ ان کی حالت سچ مچ خراب تھی، بے ہوش پڑے تھے۔ شفو کی ممی روتے روتے بے حال ہو گئی تھیں۔ شفو الگ بلک رہا تھا۔ ڈیڈی کے پاس ڈاکٹر اکٹھا تھے۔ انھیں دو مرتبہ خون دیا گیا تھا۔ تیسری مرتبہ پھر خون کی ضرورت تھی۔ ان کا ہم رنگ خون اب خون کے بنک میں نہیں تھا۔ ڈاکٹر فکر مند تھے!۔

منو نے شفو کو دیکھا۔ وہ پہچانا نہیں جا رہا تھا۔ چہرہ سرخ! آنکھیں سوجی ہوئیں۔ کیا یہ وہی شریر شفیق تھا۔ منیر کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا گئے۔

”کیا میں ڈیڈی کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔“

منو نے سوچا۔ آدمی اگر آدمی کے کام نہ آئے تو پھر اس میں اور جانور میں کیا فرق باقی رہ جائے گا۔

”ڈیڈی، ڈیڈی۔“ شفیق رو رہا تھا۔

”ڈاکٹر صاحب! میرا خون لے لیجیے۔“ منیر نے ڈیڈی کا چہرہ نہیں دیکھا۔ جان رہا

www.taemeernews.com

تھا، وہ کیسے بے بس لگ رہے تھے۔

'میاں ننھے! تم باہر جاؤ۔" ڈاکٹر صاحب نے کہا" یہاں بچوں کا کیا کام ہے؟۔"

"میرے ڈیڈی تو مر گئے، مگر شفو کے ڈیڈی نہیں مریں گے۔" منیر نے سوچا۔

دفعتاً ڈاکٹر نے ایک چیخ سنی۔ منو نے سب کی نظریں بچا کر پھل کاٹنے کی چھری اپنے بازو میں گھونپ لی تھی۔ لال لال خون ٹپک رہا تھا۔

"ڈیڈی کے لیے میرا خون لے لیجئے ڈاکٹر صاحب۔" منو رونے لگا۔ شفیق ہکا بکا رہ گیا، رونا بھول گیا۔ پپو بھی تھا، مگر وہ بزدل تھا۔ دوستی کا حق ادا نہ کر سکا مگر یہ غریب، خاموش اور اداس سا لڑکا۔ منو۔

ڈاکٹروں نے خون ٹیسٹ کیا۔ اور خوش ہو گئے کیونکہ منو کا خون ڈیڈی کے خون کا ہم رنگ تھا۔ پھر اسی رات ڈاکٹروں نے اعلان کیا کہ ڈیڈی خطرے سے باہر ہو گئے۔

پھر ڈیڈی نے آنکھیں کھولیں تو منو اور شفو دونوں رو پڑے۔ شفو منو سے لپٹ کر روتا روتا بولا "بھیا۔"

دونوں پھر سے گہرے دوست بن گئے۔ ڈیڈی کو یہ سن کر بے حد تعجب ہوا اور خوشی ہوئی تھی کہ اتنے چھوٹے لڑکے نے انھیں اپنا خون دیا تھا۔ وہ شفیق سے بڑھ کر منیر کو چاہنے لگے۔

منو کے بازو کا زخم تو بہت دنوں بعد اچھا ہوا تھا مگر وہ گھاؤ جو شفو نے لگائے تھے وہ عرصہ ہوا ابھر چکے تھے۔

www.taemeernews.com

فراق گورکھپوری

بوڑھا سلطان

ایک کسان کے پاس ایک وفادار کتا تھا۔ اس کا نام سلطان تھا۔ اس نے بہت دنوں تک کسان کی خدمت کی۔ لیکن اب وہ بہت بوڑھا ہو گیا تھا۔ اس کے سارے دانت گر چکے تھے اور وہ منہ سے کوئی چیز نہیں اٹھا سکتا تھا۔

ایک دن کسان اور اس کی بیوی گھر کے باہر کھڑے ہوئے تھے۔ کسان نے کہا "کل میں سلطان کو گولی مار دوں گا۔ اب وہ بالکل بوڑھا ہو گیا ہے۔ اور ہمارے کسی بھی کام کا نہیں رہ گیا۔"

بیوی کو کتے سے بہت پیار تھا۔ وہ بولی "اس نے برسوں ہماری خدمت کی ہے اور ہمارے ساتھ ہمیشہ وفادار رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس سے کوئی کام لیے بغیر بھی ہمیں اسے کھلانا چاہیے۔"

اپنی بیوی کی اس بات پر کسان جھنجھلا گیا اور غصے میں بولا "کیا بکتی ہو؟ تمھیں ذرا بھی عقل نہیں۔ اس کے منہ میں ایک دانت تک تو ہے نہیں اور نہ ہی اب کوئی چور اس سے ڈرتا ہے۔ جو چاہتا ہے بے کھٹکے گھر میں گھس آتا ہے اور بغیر کسی جھجک کے جو کچھ بھی ہاتھ آ گیا اسے لیکر رفو چکر ہو جاتا ہے۔ اگر اس نے ہماری خدمت کی ہے تو ہم نے بھی اسے دونوں وقت کھانا دیا ہے۔"

بے چارہ کتا قریب ہی دھوپ میں پڑا یہ باتیں سن رہا تھا۔ جب اس نے یہ سنا کہ کل

www.taemeernews.com

میرا آخری دن ہے تو وہ بہت گھبرایا۔ کتے کا ایک بھیڑیا دوست تھا جو پاس ہی ایک جنگل میں رہتا تھا۔ شام ہوئی تو کتا چپکے سے وہاں سے کھسک گیا اور جنگل میں پہنچ کر بھیڑیے کو سارا قصہ کہہ سنایا۔ اپنی بات کہتے ہوئے کتا بری طرح رو رو کر ہچکیاں لیتا جا رہا تھا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر بھیڑیے نے اسے ڈھارس دیتے ہوئے کہا" چچا جان! ذرا ہمت سے کام لو، میں تمھیں اس مصیبت سے ضرور بچاؤں گا۔ کل سویرے جب تمھارا مالک اور اس کی بیوی کھیت میں گھاس سکھانے جائیں گے تو دونوں کام کے دوران اپنے بچے کو کسی جھاڑی میں لٹادیں گے۔ پھر تمھیں بچے کی حفاظت کے لیے بٹھادیں گے۔ میں ٹھیک اسی وقت جنگل سے نکل کر بچے کو اٹھالے جاؤں گا۔ تم بڑی تیزی سے میرا پیچھا کرنا۔ میں بچے کو گرادوں گا اور تم اسے اٹھا کر اس کے ماں باپ کے پاس لے جانا۔ وہ یہ سمجھیں گے کہ تم نے ہی اپنی کوشش سے بچے کی جان بچائی ہے۔ تب وہ تم سے خوش ہوں گے اور پھر تم سے کچھ بھی نہ کہیں گے۔ بلکہ تمھارا احسان بھی مانیں گے اور تمھیں کوئی تکلیف بھی نہیں دیں گے۔"

جب کتے نے بھیڑیے کی یہ ترکیب سنی تو بہت خوش ہوا۔ پروگرام کے مطابق سارا کام کیا گیا۔ جب باپ نے بھیڑیے کو اپنا بچہ لے جاتے ہوئے دیکھا تو بری طرح چیخنے لگا۔ بوڑھا سلطان بڑی تیزی سے بھیڑیے کا پیچھا کر رہا تھا۔ آخر ایک جگہ بھیڑیے نے بچے کو چھوڑ دیا اور دم دبا کر اس طرح بھاگا جیسے کتے سے ڈر گیا ہو۔ بس کیا تھا؟ کتے نے جھٹ سے لپک کر بچے کو اٹھالیا اور اسے لیے ہوئے اپنے مالک کی طرف چلا۔ کسان کی خوشی کی حد نہ رہی ۔اس نے پیار سے سلطان کی کمر پر ایک تھپکی دی اور کہا" سلطان! تیرا ایک بال بھی بیکا نہیں ہو سکتا۔ اب تو زندگی بھر میرے ساتھ رہے گا اور دونوں وقت تجھے پیٹ بھر کھانا ملے گا۔"

اس کے بعد کسان نے اپنی بیوی کو گھر بھیجا اور کہا کہ سلطان کے لیے روٹی اور سالن لاؤ تاکہ بے چارے کو چبانے کی ضرورت نہ پڑے۔ اور میرے بستر سے ایک نرم تکیہ بھی لیتے آنا تاکہ سلطان تھوڑی دیر ذرا آرام سے سو سکے۔"

اب تو سلطان جو کچھ اور جتنا کچھ چاہتا مزے سے کھاتا۔

کچھ دنوں بعد بھیڑیا کتے سے ملنے کے لیے آیا۔ اور اسے عیش و آرام کے ساتھ زندگی بسر کرتے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور کتے کو مبارکباد دی۔ اِدھر اُدھر کی چند باتوں کے بعد اس نے کتے سے کہا" چچا جان۔ اگر میں تمھارے مالک کی ایک بھیڑ نکال لے جاؤں تو تم

ذرا ادھر سے آنکھیں پھیر لینا۔"

کتے نے فوراً جواب دیا۔ "تم یہ بات اپنے ذہن سے نکال دو۔ میرے مالک کو مجھ پر پورا بھروسہ ہے۔ میں اسے دھوکا نہیں دے سکتا۔"

بھیڑیے نے سمجھا کہ کتا مذاق کر رہا ہے۔ وہ رات کو چپکے سے کسان کے گھر میں گھس گیا۔ کتے نے بھیڑیے کی بات مالک سے کہہ دی تھی۔ مالک نے جب بھیڑیے کو دیکھا تو ڈنڈے سے اس کی خوب مرمت کی۔ بھیڑیا پٹ کر وہاں سے سرپٹ بھاگا اور غصے میں کہتا گیا، "اچھا کتے کے بچے! اب تجھے بھی اس حرکت کا اچھی طرح مزہ چکھاؤں گا۔"

اگلے دن بھیڑیے نے ایک سؤر کو کتے کے پاس بھیجا اور کہا کہ جنگل میں آ کر مجھ سے لڑ کر تم فیصلہ کر لو۔ بیچارے سلطان کو تین ٹانگوں والی ایک بلی کے سوا اور کوئی دوست نہیں مل سکا۔ دونوں ساتھ ساتھ چلے۔ بلی بے چاری تکلیف سے پریشان دم اٹھائے چلتی ہوئی چلی۔ ادھر بھیڑیا اور اس کا ساتھی پہلے سے طے کی ہوئی جگہ پر پہنچ چکے تھے۔ جب انھوں نے دور سے بلی کی دم اوپر اٹھی ہوئی دیکھی تو سمجھے کہ کتا اپنے ساتھ کوئی تلوار لیے آ رہا ہے اور بلی کو بہت بڑا پتھر سمجھے۔ بھیڑیا اور سؤر دونوں یہ دیکھ کر بہت گھبرائے۔ سؤر پاس ہی پڑے ہوئے سوکھے پتوں کے ایک ڈھیر میں چھپ گیا اور بھیڑیا ایک پیڑ پر چڑھ گیا۔

جب کتا اور بلی دونوں اس جگہ پہنچے تو انھیں سخت تعجب ہوا کیونکہ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ سؤر پتوں میں اچھی طرح نہیں چھپ سکا تھا۔ اس کے کان باہر نکلے رہ گئے تھے۔ بلی بہت غور سے سوچ رہی تھی کہ آخر معاملہ کیا ہے۔ اتنے میں سؤر نے اپنا کان ہلایا تو بلی یہ سمجھ بیٹھی کہ کوئی چوہا ہے۔ اس نے لپک کر سؤر کے ایک کان کو منہ میں بھر لیا اور اسے چبا ڈالا۔ اس پر اس کے حلق سے ایک کریہہ چیخ نکلی اور وہ پتوں سے نکل کر بھاگ کھڑا ہوا۔ بھاگتے بھاگتے چیخ کر بولا "میں نے کچھ نہیں کیا۔ قصوروار تو پیڑ پر بیٹھا ہوا ہے۔"

یہ سن کر کتے اور بلی نے اوپر کی طرف نظریں اٹھائیں تو بھیڑیا دکھائی دیا۔ بھیڑیا اپنی بزدلی پر بہت شرمندہ ہوا اور اپنی حرکت پر بہت پچھتایا۔ پیڑ پر سے اتر کر اس نے کتے سے معافی مانگ لی اور دونوں میں پھر سے دوستی ہو گئی۔

www.taemeernews.com

قرۃ العین حیدر

ایک پرانی کہانی

لاکھوں برس گزرے۔ آسمان پر شمال کی طرف سفید بادلوں کے پہاڑ کے ایک بڑے غار میں ایک بہت بڑا ریچھ رہا کرتا تھا۔

یہ ریچھ دن بھر پڑا سوتا رہتا اور شام کے وقت اٹھ کر ستاروں کو چھیڑتا اور ان سے شرارتیں کیا کرتا تھا۔ اس کی بدتمیزیوں اور شرارتوں سے آسمان پر بسنے والے تنگ آگئے تھے۔

کبھی تو وہ کسی ننھے سے ستارے کو گیند کی طرح لڑھکا دیتا اور وہ ستارہ قلابازیاں کھاتا دنیا میں آگرتا۔ یا کبھی وہ انھیں اپنی اصلی جگہ سے ہٹا دیتا اور وہ بے چارے ادھر ادھر بھٹکتے پھرتے۔

آخر ایک دن تنگ آکر وہ سات ستارے جنھیں سات بہنیں کہتے ہیں چاند کے عقلمند بوڑھے آدمی کے پاس گئے اور ریچھ کی شرارتوں کا ذکر کر کے اس سے مدد چاہی۔

بوڑھا تھوڑی دیر تو سر کھجاتا رہا پھر بولا "اچھا میں اس نامعقول کی خوب مرمت کروں گا۔ تم فکر نہ کرو۔"

ساتوں بہنوں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اور خوش خوش واپس چلی گئیں۔

دوسرے دن چاند کے بوڑھے نے ریچھ کو اپنے قریب بلا کر خوب ڈانٹا اور کہا کہ "اگر تم زیادہ شرارتیں کرو گے تو تم کو آسمانی بستی سے نکال دیا جائے گا۔ کیا تمھیں معلوم نہیں

www.taemeernews.com

کہ ان ننھے ننھے ستاروں کی روشنی سے دنیا میں انسان اور جہاز اپنا راستہ دیکھتے ہیں۔ لیکن تم انھیں روز کھیل کھیل میں ختم کر دیتے ہو۔ تمھیں یہ بھی معلوم نہیں کہ جب یہ ستارے اپنی اصلی جگہ پر نہیں رہتے تو دنیا کے مسافر اور جہاز راستہ بھول جاتے ہیں۔"

میاں ریچھ نے اس کان سنا، اس کان نکال دیا اور قہقہہ مار کے بولے "میں نے کیا دنیا کے جہازوں اور مسافروں کی روشنی کا ٹھیکہ لیا ہے جو ان کی فکر کروں۔"

یہ کہہ کر ریچھ چلا گیا۔ جانے کے بعد بوڑھے نے بہت دیر سوچا کہ اس شیطان کو کس طرح قابو میں لاؤں۔ یکایک اسے خیال آیا کہ اورین دیو سے مدد لینی چاہیے۔ اورین دیو ایک طاقتور ستارے کا نام تھا۔ جو اس زمانے میں بہت اچھا شکاری سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کی طاقت کی وجہ سے اسے دیو کہتے تھے۔ یہ سوچ کر بوڑھے نے دوسرے دن اورین دیو کو بلا بھیجا۔ اس کے آنے پر بڑی دیر تک دونوں میں کانا پھوسی ہوتی رہی۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ وہ آج شام ریچھ کو پکڑنے کی کوشش کرے۔ چنانچہ رات گئے اورین دیو نے شیر کی کھال پہنی اور ریچھ کے غار کی طرف چلا۔ جب ریچھ نے ایک بہت بڑے شیر کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ ننھے منے ستاروں سے بنی ہوئی اس سڑک پر جو پریوں کے ملک کو جاتی ہے اور جسے ہم کہکشاں کہتے ہیں، بے تحاشا بھاگا۔

آخر بڑی دوڑ دھوپ کے بعد طاقتور شکاری نے میاں ریچھ کو آ لیا۔ اور ان کو پکڑ کر آسمان پر ایک جگہ قید کر دیا جہاں وہ اب تک بندھے کھڑے ہیں۔ اگر تم رات کو قطب ستارے کی طرف دیکھو تو تمھیں اس کے پاس ہی وہ ریچھ بندھا نظر آئے گا جس کو ان سات بہنوں میں سے چار پکڑے کھڑی ہیں۔ باقی تین بہنوں نے اس کی دم پکڑ رکھی ہے۔

اگر تم آسمان پر نظر دوڑاؤ تو تمھیں اورین دیو بھی تیر و کمان لیے ریچھ کی طرف نشانہ لگائے کھڑا نظر آئے گا۔

www.taemeernews.com

کرشن چندر

سبز پری

میرے بچے کی پانچویں سالگرہ تھی۔

ماں نے اسے نئے کپڑے پہنائے۔ دوستوں نے تحفے پیش کیے۔ دوسرے گھروں سے اور بھی بچے آئے تھے۔ میرا بچہ دن بھر ان سے کھیلتا رہا۔ آم کھا کر اپنے کپڑے میلا کرتا رہا۔ جامن اور چیکو کے درختوں پر چڑھنے کی کوشش کرتا رہا۔ اور جب اس کے سارے دوست چلے گئے اور وہ بالکل تھک گیا تو سونے کے لیے میری گود میں آ بیٹھا۔

بچے نے پوچھا "آج ماں نے تمھیں دن بھر پیار کیا۔ ایک بار بھی نہیں ڈانٹا، کیا بات ہے؟"

میں نے کہا "آج تمھاری سالگرہ ہے۔"

وہ بولا "تو پھر یہ سالگرہ ہر روز کیوں نہیں آتی؟"

میں نے کہا "ہر روز کیسے ہوگی۔ آج نیا سال ہے۔ تمھاری زندگی کا پانچواں سال ہے۔"

بچہ چپ ہو گیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بولا "آج نیا سال آیا ہے تو۔ تو پھر میرا پچھلا سال کدھر گیا؟"

سوال اتنا عجیب تھا کہ میں بالکل چکرا گیا۔ میں نے اپنی اور اپنے دوستوں کی اتنی سالگرہیں منائیں لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ پچھلا سال کہاں جاتا ہے؟ نئے سال کی خوشی

www.taemeernews.com

میں پچھلے سال کی یاد کیسے آئی ہے۔ نئے دوست کے ملنے پر کون پرانے دوست کو یاد کرتا ہے۔ یہ تو دنیا کا دستور ہے۔

لیکن بچوں کا دستور دوسرا ہوتا ہے۔

اس لیے بچے نے پھر مجھ سے پوچھا "بتاؤ نا پچھلا سال کہاں گیا؟"

میں کیا بتاتا اسے۔ پانچ سال کے ننھے کو وقت کی گردش سمجھاتا۔ اس لیے میں نے خود ہی اس سے پوچھ لیا، کیونکہ جب میں اپنے بچے کے کسی سوال کو خود نہ بتا سکوں، تو خود اس سے ہی پوچھ لیا کرتا ہوں۔

"تم خود بتاؤ ننھے۔ پچھلا سال کہاں گیا؟"

ننھے کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ وہ بہت دیر تک مسکراتا رہا۔ آپ ہی آپ۔ میں نے دیکھا، اس کی پلکوں پہ نیند جھکی ہوئی ہے اور وہ کہیں بہت دور دیکھ رہا ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ مجھے سمجھاتے ہوئے بولا "دیکھو وہ جامن کا پیڑ ہے نا جو ناریل کے درخت کے پاس ہے۔"

"ہاں۔"

"وہ کنویں والا ناریل نہیں۔ آم کے پیڑ کے پاس جو ناریل کا درخت ہے۔"

"ہاں۔"

بس اس جامن کے درخت کے اوپر چڑھتے جاؤ۔"

"ہاں۔"

اوپر ہی اوپر اور اوپر۔"

"ہاں۔"

"اور اوپر جہاں آسمان کی چھت ہے نا، وہاں تک جامن کا پیڑ جاتا ہے۔"

"اچھا۔"

"ہاں، اس کے اوپر پچھلا سال رہتا ہے۔"

"ارے واہ۔ یہ نئی بات سنائی تم نے۔ تم کیا جامن کے پیڑ پر چڑھے تھے؟"

بچے نے بڑی اداسی سے کہا "نہیں، پیڑ بہت اونچا ہے۔ میں چڑھ نہیں سکا۔ مگر جانتا ہوں، وہ وہیں پر ہوگا۔ اونچا اونچا اور اونچا۔ سب سے اونچی جگہ پر۔"

www.taemeernews.com

پھر بچے کی پلکیں جھک گئیں اور میری گود میں سو گیا۔ اور میں اپنے سوئے ہوئے بچے کو اپنی گود میں لیے لیے سو گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد مجھے کسی نے کندھے سے ہلا کر جگایا۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ ایک آدمی خوشنما لباس پہنے سر پر ہیروں کا تاج رکھے میری طرف مسکرا رہا تھا۔

میں نے پوچھا "تم کون ہو؟"

وہ بولا "یاد کرو، اتنی جلدی بھول گئے۔"

میں نے کہا "میں نے تم کو کبھی نہیں دیکھا بھائی۔"

وہ بولا "میں تمھارا چوتھا سال ہوں۔"

میں جلدی سے گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے ہاتھ پکڑتے ہی مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے چاروں طرف گھرا جنگل ہے۔ چیل اور دیودار کے درخت ہوا کے جھونکوں سے سائیں سائیں کر رہے ہیں اور میں ایک سبز پیلے رنگ والی تیتری کا پیچھا کرتے ہوئے اپنے چھوٹے ہاتھ پاؤں ہلاتا ہوا تیزی سے ایک طرف بھاگ رہا ہوں۔ موڑ پر سے گزر کر اس کی طرف بھاگا۔ اب تیتری میرے بالکل قریب تھی۔ میں نے ہاتھ پھیلا کر جھٹکا مارا۔ مگر تیتری آگے اترتی چلی گئی اور ایک جھاڑی کے نیلے نیلے پھولوں پر ڈولنے لگی۔ پھر وہ اس کے پتوں میں چھپ گئی۔ اس کے پروں کا سبز رنگ پتوں سے مل گیا۔ مگر اس کی پیلی دھاریاں مجھ سے کیسے چھپتیں۔؟ میں نے آہستہ سے ہولے ہولے گھٹنوں کے بل چل کے عین اس وقت جب تیتری ایک نیلے پھول کو سونگھ رہی تھی، اپنا رومال اس پر رکھ دیا اور پھر اسے قید کر کے اپنی مٹھی کے خول میں رکھ لیا۔

تیتری کے پر ڈر کے مارے کانپنے لگے اور میں نے دیکھا کہ جنگل کے سارے درخت ایک دوسرے کے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ تنے سے تنے ملتے جا رہے ہیں اور تنوں کے پیچھے خوفناک آنکھیں سبز اور سیاہ اور سرخ رنگ کی آنکھیں چمک رہی ہیں۔ اور میں ڈر کے مارے کانپ گیا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا اور اپنے چاروں طرف سیاہ جنگل کو پایا۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ تیتری کے پیچھے بھاگتے ہوئے چلا تو میں اپنے باغ سے تھا لیکن بھاگتے بھاگتے جنگل میں آ گیا۔ میں نے چلا کے کہا "ماں! ماں۔"

جنگل کے درختوں نے ہنس کر کہا "ہاہاہا۔"

www.taemeernews.com

"ماں ماں ماں۔" میں اور بھی زور سے چلایا۔

"ہاہاہا۔" جنگل کے درخت اور بھی زور سے ہنسے۔

"جاؤ تم کتنے بھی زور سے ہنسو۔" میں نے غصے میں درختوں سے کہا "ہم خود اپنا راستہ ڈھونڈ لیں گے۔"

لیکن درخت بالکل ایک دوسرے کے قریب آگئے۔ تنے سے تنے لگ گئے۔ جھکی ہوئی ڈالیاں چھتریاں بن گئیں اور راستہ تنگ سے اور تنگ اور چھوٹے سے اور چھوٹا ہوتا گیا۔ آخر کار ایک جگہ بنفشہ کے پھولوں کی ایک بہت بڑی باڑ نظر آئی۔ یہاں آکر راستہ بالکل بند ہو گیا۔

میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ زمین سے آسمان تک بنفشہ کے پھولوں کی دیوار تھی۔

"ماں ماں۔"

پھول زور سے کھل کھلا کے ہنسنے لگے۔

اتنے میں ایک بڑی خوبصورت پری آئی۔ اس کا لباس ایسا تھا جیسے بنفشہ کے پھولوں سے تیار کیا گیا ہو۔ اس کے دائیں ہاتھ میں نیلے پھولوں کی ایک چھڑی تھی جس کے سرے پر بنفشہ کا ایک پھول تھا۔ جو بالکل لال رنگ کے یاقوت کی طرح چمکتا تھا۔ اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور بولی۔ "بچے تم کیوں رو رہے ہو؟"

میں نے کہا "میں ماں کے پاس جانا چاہتا ہوں۔"

پری بولی "تمھاری ماں کہاں ہے؟"

"وہ جنگل کے اس پار ہے۔"

وہ بولی "تو چلے چلو تمھیں کون روکتا ہے؟"

میں نے کہا "ادھر دیوار ہے۔ ادھر درخت۔ راستہ نہیں دیتے۔ جاؤں کیسے؟"

اس نے میرے ہاتھ میں تیتری دیکھ لیا۔ بولی "یہ کیا ہے؟"

میں نے کہا "اوہو، اسے مت چھوؤ۔ یہ میری تیتری ہے۔"

"تم اسے لے کر کیا کرو گے؟"

میں نے کہا "میں اس کے پر اتار کر اپنی تصویروں والی کتاب میں رکھوں گا۔"

وہ بولی "پر اتارو گے تو یہ مر جائے گی۔"

www.taemeernews.com

"مر جائے۔"

وہ بولی "تو پھر اس کی ماں روئے گی۔"

میں "اس کی ماں روئے گی۔"

"ہاں۔"

میں نے پوچھا "اس کی ماں کون ہے؟"

پری تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد بولی "میں اس کی ماں ہوں۔"

میں دیر تک چپ رہا۔ تیتری کے پر بڑے خوبصورت تھے۔ میں نے اسے بڑی مشکل سے پکڑا تھا۔ لیکن پری کی نیلی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ایسے آنسو جیسے کبھی کبھی میری ماں کی آنکھوں میں ہوتے تھے۔ میں نے چپکے سے تیتری پری کی گود میں ڈال دی اور اپنا سر جھکا دیا۔

پری مسکرانے لگی۔ اور پھر میں نے دیکھا۔ وہ تیتری ایک چھوٹی سی پری بن گئی جس کا لباس سبز رنگ کا تھا۔ گال پیلے پیلے تھے۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کے کہنے لگی "تم مجھے بڑے اچھے لگتے ہو۔ میں تو تم سے کھیلنا چاہتی تھی لیکن تم تو مجھے جان سے مار رہے تھے۔"

میں نے کہا "اب تمھیں کچھ نہیں کہوں گا۔ تم میرے باغ میں آ کے مجھ سے کھیلا کرنا۔ مجھے معلوم نہیں تھا تم پری ہو۔"

پری کی ماں نے کہا "بیٹا سب تیتریاں پریاں ہی ہوتی ہیں جو بچوں سے کھیلنے کے لیے گاؤں اور باغوں میں جاتی ہیں۔"

"اچھا۔"

"ہاں آؤ، اب تمھیں گھر کا راستہ بتاؤں۔ نہیں تو تمھاری ماں روتے روتے مر جائے گی۔"

پھر پری نے پھولوں کی چھڑی سے اشارہ کیا اور درخت راستہ دینے لگے اور تنے سے تنے الگ ہوتے گئے۔ اور ڈالیوں کی چھتریاں اونچی ہوتی گئیں اور آسمان نظر آ گیا۔ اور پھر جنگل کا کنارہ بھی آ گیا۔ اور میں نے دیکھا کہ میری ماں اور میرا باپ دو ملازم ساتھ لیے مجھے ڈھونڈ رہے ہیں۔ اور ماں بار بار پلو سے اپنے آنسو پونچھتی جاتی ہے۔

میں نے چلا کر کہا "ماں میں یہاں ہوں۔ یہ دیکھو میرے ساتھ ایک پری بھی

www.taemeernews.com

ہے۔"

میں نے مڑ کر دیکھا۔ دونوں پریاں غائب تھیں۔ وہاں دور جنگل کی طرف ایک بنفشی رنگ کی تیتری کے ساتھ ایک سبز اور نیلے رنگ کی تیتری بھاگی جا رہی تھی۔

یکایک خوشنما لباس اور ہیروں کا تاج پہنے ہوئے آدمی نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا اور میری نظروں سے دور جنگل میں غائب ہو گیا۔ اس آدمی کے چہرے پر ایک جگمگ جگمگ کرتی مسکراہٹ آئی اور اس نے مجھ سے پوچھا "یاد ہے۔"

میں نے مسکرا کر کہا "ہاں یاد ہے۔ تم میرا چوتھا سال ہو۔ مگر تم کہاں چلے گئے تھے!"

وہ مجھ سے اور دور ہو گیا۔ بولا "ساتھ سمندر پار ایک جزیرہ ہے اسے یادوں کا جزیرہ کہتے ہیں۔ میں وہاں رہتا ہوں۔ طوفانی لہروں پر بچے کبھی کبھی کاغذ کے ناؤ کھیتے ہوئے آ جاتے ہیں تو بڑی چہل پہل ہوتی ہے۔ ورنہ وہاں ہر وقت نیند چھائی رہتی ہے۔"

میں نے کہا "مگر میرا بچہ تو کہتا ہے کہ تم جامن کے پیڑ کے اوپر رہتے ہو۔"

وہ بولا "کبھی جامن کے پیڑ کے اوپر اور کبھی اسی کے درخت کے نیچے۔ کبھی کھیت کے کنارے، کبھی کسی گلی کے نکڑ پر۔ جہاں جہاں بچے ہمیں بلاتے ہیں پہنچ جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ بچے ہیں، بڑے نہیں ہیں۔ بڑوں کے لیے تو پرانا سال مر جاتا ہے اور نیا سال جنم لیتا ہے۔ لیکن بچے ہمیں ہمیشہ زندہ رکھتے ہیں۔ آدمی مر جاتے ہیں لیکن سال ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔"

وہ اتنی بات کہتے کہتے مجھ سے دور ہو گیا۔ برآمدے کی سیڑھیاں اتر کے باغ میں چلا گیا اور اپنے چاروں طرف دھیمی دھیمی مدھم مدھم جگنوؤں کی روشنی پھیلاتا گیا۔

میں نے چلا کے اس سے کہا "سنو، ایک بات بتاؤ۔ وہ سبز اور پیلے رنگوں والی پری اب کہاں ہے؟"

وہ ہنسا اور جامن کے درخت کے اوپر چڑھتا گیا۔ ہنستا گیا اور چڑھتا گیا۔ اونچا اور اونچا۔ جامن کا پیڑ آسمان سے جا لگا۔ اور آسمان کی چھت میں غائب ہو گیا۔

یکایک میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیکھا، میں آرام کرسی پر ہوں اور میرا بچہ خواب میں کسی کو دیکھ کر مسکرا رہا ہے۔

www.taemeernews.com

کوثر چاندپوری

بادشاہ کا تاج

رشید پور کے پہاڑی ملک کی شہزادی صنوبر کی اب تک شادی نہیں ہوئی تھی۔ ایک گاؤں سے دو لڑکے اس سے بیاہ کرنے کو چلے۔ ان میں سے ایک کا نام تھا صادق اور دوسرے کا شوکت۔

صادق بہت بہادر اور ایماندار تھا۔ گاؤں کے مکھیا نے اس کو شہزادی کے نام ایک خط دیا تھا جس میں صادق کی بہت تعریف لکھی تھی۔ شوکت بہت چالاک، فریبی اور دغاباز لڑکا تھا۔ رات کو جنگل میں جب صادق بے خبر سو گیا تو شوکت نے اس کی جیب سے مکھیا کا خط نکال لیا اور ایک تیز گھوڑے پر سوار ہو کر رشید پور کی طرف چل دیا۔ اسے یقین تھا کہ صادق رشید پور نہ پہنچ سکے گا اور وہ صنوبر سے بیاہ کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

رشید پور پہنچ کر شوکت نے سب کو اپنا نام صادق بتایا۔ وہاں اس کی بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ رات کو صنوبر کی بڑی بہن سوسن اس کے پاس آئی۔ شوکت نے مکھیا کا خط اسے دکھایا۔ سوسن بہت عقلمند تھی۔ اس نے صادق کی بات چیت سے جلد ہی سمجھ لیا کہ وہ بہت ہی دغاباز اور ڈرپوک لڑکا ہے۔

سوسن نے کہا "شہزادی اپنے جنگل محل میں رہتی ہے جو یہاں سے بہت دور ہے۔ آپ وہاں جا کر اس سے ملیے۔"

اس پر شوکت نے اس سے سوال کیا "اور مجھے جنگل محل کا راستہ کیونکر معلوم

www.taemeernews.com

ہو گا؟"

"جنگل محل میں جانے کا ایک ہی راستہ ہے اور سمجھدار لڑکے آسانی سے وہاں پہنچ جاتے ہیں۔" سوسن نے جواب دیا۔

صبح سوسن نے اسے ایک بندوق دے کر کہا" جاؤ بہادر لڑکے! شہزادی جنگل محل میں تمہارا انتظار کر رہی ہو گی۔"

شوکت تھوڑی دور ہی چلا تھا کہ اصلی صادق آتا ہوا دکھائی دیا۔ شوکت نے بندوق اس کی چھاتی پر رکھ کر کہا" میں نے یہاں کی شہزادی سے بیاہ کر لیا ہے۔ اب میں یہاں کا بادشاہ ہوں۔ تمھیں میرا ہر حکم ماننا پڑے گا۔ اور میرا پہلا حکم یہ ہے کہ تم یہاں سب کو اپنا نام شوکت اور میرا نام صادق بتاؤ گے اور نوکر کی طرح میرے ساتھ رہو گے۔"

اصلی صادق بہت بہادر لڑکا تھا۔ وہ کسی کام میں جلدی نہیں کرتا تھا۔ اسے بڑے استقلال سے حالات کا مقابلہ کرنے کی عادت تھی۔ وہ خاموشی سے سر جھکا کر نقلی صادق کے ساتھ ہو لیا۔ راستہ میں ایک بہت بڑا شیر نظر آیا۔ نقلی صادق ڈر کر پیڑ پر چڑھ گیا۔ شوکت نے اس کی بندوق سے شیر کو مار ڈالا۔ صادق جلدی سے پیڑ سے اترا اور شوکت کی کمر ٹھونک کر کہا" میں جلد ہی تمھیں رشید پور کی فوج کا سردار بنا دوں گا۔ لیکن خبردار جو اصلی بھید کسی پر ظاہر کیا۔"

دوپہر کے وقت صادق جنگل میں پہنچ گیا۔ شہزادی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے کھیا کا خط اسے دے دیا۔ وہ خط پڑھ کر ہنسی اور پوچھا" یہ کون ہیں آپ کے ساتھ؟"

"یہ میرا نوکر شوکت ہے۔"

"آپ کا نوکر بہت بہادر معلوم ہوتا ہے۔"

"نہیں، یہ تو بڑا ڈرپوک ہے۔ ابھی راستے میں شیر کو دیکھ کر ڈر گیا تھا۔ میں نے ایک ہی فائر میں اسے ہلاک کر دیا۔"

شام کو شہزادی دونوں کو ساتھ لے کر رشید پور آ گئی اور اپنی بڑی بہن سوسن سے بولی" صادق کا نوکر مجھے بہت پسند ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صادق نے دھوکا دے کر اسے نوکر بنا لیا ہے۔ صورت سے وہ بہت بہادر معلوم ہوتا ہے۔"

سوسن چھوٹی بہن کی بات سن کر مسکرائی اور بولی" پیاری بہن اطمینان رکھو۔ میں

www.taemeernews.com

سب کچھ معلوم کرلوں گی اور صادق کا امتحان لیے بغیر اس سے تمھارا بیاہ نہ کروں گی۔"

اس نے دونوں لڑکوں کو الگ الگ محلوں میں ٹھہرایا۔ اور ذرا رات گئے وہ صادق کے نوکر شوکت کے پاس جاکر بولی "صادق میری بہن سے شادی کر کے یہاں کا بادشاہ ہو گیا ہے۔ لیکن میں آپ کو رشید پور کا بادشاہ بنانا چاہتی ہوں۔ مگر شرط یہ ہے کہ پہلے آپ صادق کو مار ڈالیں۔ اس کے بعد میری بہن کو قتل کردیں۔ اس طرح میں یہاں کی شہزادی بن جاؤں گی اور آپ سے شادی کرلوں گی۔ آپ صادق کی طرح رشید پور کے بادشاہ بن جائیں گے۔"

"میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔" نوکر نے جواب دیا۔

"پھر آپ بادشاہ کیونکر بن سکیں گے؟"

"استقلال اور بہادری سے آدمی سب کچھ بن سکتا ہے۔" شوکت نے کہا۔

پھر وہ صادق کے پاس جاکر بولی۔

"اگر آپ میری بہن صنوبر اور اپنے نوکر شوکت کو مار ڈالیں تو میں آپ سے شادی کر کے یہاں کا خزانہ آپ کو دے دوں گی۔"

صادق فوراً رضامند ہوگیا۔ اسے شوکت کے یہاں آنے سے بڑا ڈر لگا ہوا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ شوکت سارا بھید کھول دے گا اور جان کے لالے پڑ جائیں گے۔

سوسن چور راستہ سے صادق کو محل میں لے گئی۔ شہزادی بے خبر سو رہی تھی۔ صادق نے تلوار سے شہزادی کے دو ٹکڑے کر دیے۔

سوسن بولی "شوکت کو مارنے کی اب ضرورت نہیں رہی۔ آپ ایک کاغذ پر یہ حکم لکھ دیجئے کہ شوکت کو پھانسی دے دی جائے۔"

صادق نے جلدی سے یہ حکم لکھ کر سوسن کو دے دیا۔ اگلے دن دونوں کو محل میں بلایا گیا۔ وہاں صادق صنوبر کو زندہ دیکھ کر بہت گھبرایا۔

سوسن ہنس کر بولی "رات صنوبر کی سہیلی کو کسی نے مار ڈالا۔ صنوبر قاتل کو پھانسی کی سزا دے گی۔ لیکن پہلے صادق کے سر پر بادشاہت کا تاج رکھا جائے گا۔ جلد بتاؤ تم میں سے صادق کون ہے؟"

"میں۔" نقلی صادق بولا۔

www.taemeernews.com

"جھوٹ۔" سوسن نے کہا۔ اور اصلی صادق کو صنوبر کے برابر بٹھا کر اس کے سر پر تاج رکھ دیا۔ نقلی صادق جس نے اصلی صادق کو نوکر بنا رکھا تھا، تھر تھر کانپنے لگا۔ سوسن نے رات والا حکم دکھا کر اصلی شوکت سے کہا "اس ملک میں جھوٹے اور دغاباز کی سزا قتل ہے۔ اور تم نے آپ ہی اپنے لیے پھانسی کی سزا تجویز کر لی ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ شوکت تم بڑے فریبی اور دغاباز ہو۔ تم نے پہلے صادق کو دھوکا دیا پھر مجھے اور شہزادی کو بھی فریب دینے کی کوشش کی۔ لیکن زندگی جھوٹ اور فریب سے نہیں بنائی جا سکتی اس کے لیے سچائی، بہادری اور استقلال کی ضرورت ہے۔ صادق میں یہ سب چیزیں موجود ہیں۔ جب ہی اس کے سر پر بادشاہت کا تاج جگمگا رہا ہے۔ اور جلد ہی صنوبر کے ساتھ اس کی شادی کر دی جائے گی۔"

شوکت بہت شرمندہ ہوا اور صادق کو دھوکا دے کر بہت پچھتایا۔ اس نے رو رو کر صادق سے کہا "حضور بادشاہ سلامت! میں اپنے کیے پر بہت پشیمان ہوں اور آپ سے معافی مانگتا ہوں۔"

اس پر صادق نے اس سے کہا "تمھیں میرے حکم سے پھانسی نہیں دی جا رہی ہے بلکہ یہ تمھارے جھوٹ کی سزا ہے جو تم نے خود ہی تجویز کی ہے۔"

"بیشک، مگر میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔" شوکت نے پھر التجا کی۔

"حضور بادشاہ سلامت۔" سوسن بولی "اگر کوئی مجرم اپنے قصور پر شرما کر معافی مانگے تو اسے معاف کر دینا ہی ہمارے ملک کی ریت ہے۔ لیکن قاتل کو ہمارے دیش کا قانون معاف نہیں کر سکتا۔ اور شوکت نے خود بھی یہی سزا اپنے لیے تجویز کی ہے اس لیے اب معافی کی گنجائش باقی نہیں۔"

"ایسی صورت میں شوکت کو پھانسی کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔" صادق نے کہا۔

اگلے دن شوکت کو شہزادی کے محل کے سامنے پھانسی پر لٹکا دیا گیا اور پھر ایک ہفتہ کے اندر ہی گاؤں کا مکھیا صادق کی برات لے کر آ گیا اور بڑی دھوم دھام سے اس کی شادی صنوبر کے ساتھ ہو گئی۔ اور اسے رشید پور کا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔

www.taemeernews.com

گوپی چند نارنگ

پنچ تنتر اور جاتک: چند پرانی کہانیاں

عقل کے دشمن

چار برہمنوں میں گہری دوستی تھی۔ ان میں سے تین بڑے وِدوان تھے، مگر عقل سے کورے تھے۔ چوتھا وِدوان تو نہیں تھا، لیکن عقل رکھتا تھا۔ ایک بار چاروں جمع ہوئے۔ انھوں نے کہا: "یہاں تو ہماری وِدیا کا کوئی فائدہ نہیں کیوں نہ ہم کسی دوسرے ملک میں چلے جائیں؟ راجا کے دربار میں ہماری بڑی عزت ہوگی۔" چنانچہ وہ چاروں پورب دیس کو چل پڑے۔

تھوڑی دور جانے کے بعد ان میں سب سے بڑا بولا: "ہم میں سے ایک تو وِدوان نہیں ہے۔ صرف عقل رکھتا ہے اور راجا کے دربار میں بغیر وِدیا کے اسے کچھ نہیں ملے گا۔ اس کو گھر واپس بھیجنا چاہیے۔" دوسرے نے کہا: "بھائی اَن پڑھ! تم تو گھر واپس جاؤ۔ راجا کے دربار میں تمھارا کیا کام؟" مگر تیسرے نے کہا: "نہیں بھائی، اس کو بھی آنے دو۔ بچپن کا ساتھی ہے۔ ہمیں جو کچھ ملے گا، اسے بھی حصہ دیں گے۔" چنانچہ وہ چاروں اکٹھے ہی چلنے لگے۔

کچھ دیر کے بعد وہ ایک جنگل سے گزرے۔ یہاں ایک مردہ شیر کی ہڈیاں پڑی

www.taemeernews.com

تھیں۔ پہلے نے کہا: "ہمیں اپنی ودیا استعمال کرنی چاہیے۔ ہم اس مرے ہوئے شیر کو زندہ کر سکتے ہیں۔ سب سے پہلے میں ہڈیاں جوڑوں گا۔" اور اس نے پھرتی سے ہڈیاں جوڑ دیں۔ دوسرے نے گوشت، خون اور کھال تیار کر دی۔ تیسرا شیر میں جان ڈالنے کے لیے آگے بڑھا۔ اَن پڑھ نے اسے ٹوکا اور کہا: "ارے ناسمجھ یہ شیر ہے۔ اس میں تو جان ڈالے گا تو یہ سب کو کھا جائے گا۔" اس نے جواب دیا: "چھوڑو بھئی، مجھے اپنا ودیا دکھانے دو۔" اَن پڑھ نے کہا: "اچھا ذرا ٹھہرو میں تو پیڑ پر چڑھ جاؤں۔"

اس کے بعد اس نے شیر میں جان ڈال دی۔ لیکن جوں ہی وہ زندہ ہوا، سب کو کھا گیا اور عقلمند اَن پڑھ نے درخت سے اتر کر اپنے گھر کی راہ لی۔

چوہے سے شادی

گنگا ندی کے کنارے ایک رشی رہتا تھا۔ ہر روز وہ گنگا میں اشنان کرتا تھا۔ ایک دن وہ منہ دھو رہا تھا کہ ایک چوہیا ایک باز کی چونچ سے چھوٹ کر اس کے منہ پر آ گری۔ رشی نے دوبارہ منہ دھویا اور اشنان کیا۔ پھر اس نے اپنی ودیا کے زور سے اس چوہیا کو ایک لڑکی میں تبدیل کر دیا۔ اس کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ وہ لڑکی کو اپنے گھر لے گیا اور بیوی سے بولا: "آج سے یہ لڑکی ہماری بیٹی ہے۔ اس کی دیکھ بھال کریں گے۔"

برہمن کی بیوی نے بڑی محبت سے اس کی پرورش کی۔ جب وہ بارہ سال کی ہو گئی تو برہمنی نے اپنے پتی سے کہا: "اب ہمیں اس کی شادی کرنی چاہیے۔"

برہمن بولا: "اچھی بات ہے۔ اگر یہ راضی ہے تو میں سورج دیوتا کو بلاتا ہوں اور اس سے اس کی شادی کر دیتا ہوں۔"

چنانچہ رشی نے اپنی ودیا کے زور سے سورج کو بلایا اور کہا: "یہ میری بیٹی ہے۔ اگر یہ تم کو پسند کرے تو تم اسے اپنی بیوی بنا لو۔" پھر اس نے اپنی بیٹی سے پوچھا: "بیٹی! سورج رات کو دن بناتا ہے۔ ساری دنیا کو روشنی دیتا ہے۔ کیا تو اس سے شادی کرے گی؟"

اس نے کہا: "نہیں۔ اس کی کرنیں مجھے جلا ڈالیں گی۔"

تب رشی نے سورج سے پوچھا: "کیا اور کوئی تم سے بھی زیادہ طاقتور ہے؟"

www.taemeernews.com

سورج نے جواب دیا: ”ہاں، بادل مجھ سے بھی زیادہ طاقتور ہے۔ وہ میرا منہ بھی ڈھانپ دیتا ہے اور مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔“

تب رشی نے بادل کو بلایا اور اپنی بیٹی سے پوچھا: ”کیوں بیٹی! تو بادل سے شادی کرے گی؟“

اس نے کہا: ”نہیں۔ یہ بہت کالا اور ٹھنڈا ہے۔“

پھر رشی نے بادل سے پوچھا: ”کیا اور کوئی تم سے بھی طاقتور ہے؟“

بادل نے جواب دیا: ”ہاں، ہوا مجھ سے بھی زیادہ طاقتور ہے جب وہ چلتی ہے تو مجھے بھی اڑا لے جاتی ہے۔“

چنانچہ رشی نے ہوا کو بلایا اور اپنی بیٹی سے پوچھا: ”کیوں بیٹی! تو ہوا سے شادی کرے گی؟“

اس نے کہا: ”نہیں۔ یہ ناپائیدار ہے۔“

پھر رشی نے ہوا سے پوچھا: ”کیا اور کوئی تجھ سے بھی زیادہ طاقتور ہے؟“

ہوا نے جواب دیا: ”ہاں، پہاڑ مجھ سے بھی زیادہ طاقتور ہے۔ وہ مجھ سے بھی نہیں ہلتا۔“

چنانچہ رشی نے پہاڑ کو بلایا اور اپنی بیٹی سے پوچھا: ”کیوں بیٹی! تو پہاڑ سے شاد کرے گی؟“

اس نے کہا: ”نہیں یہ بہت سخت ہے۔ میں کسی اور سے شادی کروں گی۔“

پھر رشی نے پہاڑ سے پوچھا: ”کیا اور کوئی تم سے بھی زیادہ طاقتور ہے؟“

پہاڑ نے جواب دیا ”ہاں چوہے مجھ سے بھی زیادہ طاقتور ہیں۔ وہ مجھ میں بھی سوراخ کر دیتے ہیں۔“

چنانچہ رشی نے چوہے کو بلایا اور اپنی بیٹی سے پوچھا: ”کیوں بیٹی! تو چوہے سے شادی کرے گی؟“

بیٹی نے سوچا کہ اس کی اور چوہے کی نسل ایک ہی ہے اور بولی: ”جی ہاں۔ میں اس سے شادی کرلوں گی۔ مجھ کو پھر چوہیا بنا دیجئے۔“

آخر کار رشی نے اسے پھر چوہیا بنا دیا۔

www.taemeernews.com

وفادار نیولا

کسی گاؤں میں ایک برہمن رہتا تھا۔ اس کا ایک بچہ تھا۔ اس کے گھر میں ایک نیولا بھی تھا۔ برہمن کی بیوی ان دونوں سے بہت پیار کرتی تھی۔ وہ نیولے کو بھی اپنے بچے کی طرح دودھ پلاتی اور نہلاتی تھی، مگر اس پر بھروسہ نہیں کرتی تھی کہ کہیں بچے کو مار نہ ڈالے۔

ایک دن اس نے اپنے پتی سے کہا: "میں پانی بھرنے جا رہی ہوں۔ بچہ سو رہا ہے، اس کا خیال رکھنا۔" تھوڑی دیر کے بعد برہمن بھی کھانا مانگنے کے لیے چلا گیا۔

اتفاقاً کسی بل سے ایک کالا سانپ نکلا اور بچے کی طرف چلا۔ نیولے نے دیکھا کہ بچہ خطرے میں ہے۔ وہ اچھل کر سانپ سے گتھ گیا۔ آخر اس نے سانپ کو مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بہادری کے جوش میں وہ باہر بھاگا۔ اس کے منہ اور پنجوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ برہمن کی بیوی نے اس کو دور سے دیکھا تو سمجھی کہ اس نے بچے کو مار ڈالا ہے۔ غصے میں اس نے پانی کا گھڑا نیولے پر پٹک دیا، جس سے وہ فوراً مر گیا۔ جب وہ اندر آئی، تو دیکھا کہ بچہ آرام سے سویا ہوا ہے اور اس کے پاس ایک سانپ مرا ہوا پڑا ہے۔ اس کو بہت دکھ ہوا۔

برہمن کھانا لے کر واپس آیا تو بیوی نے روتے ہوئے کہا: "تو تو لالچ کے مارے باہر چلا گیا اور وفادار نیولا ناحق میرے ہاتھوں مارا گیا۔"

بھائی بھی اور خاوند بھی

ایک بار تین آدمی ہل چلا رہے تھے۔ پاس ہی ایک جنگل تھا۔ وہاں ڈاکوؤں نے کچھ لوگوں کو لوٹ لیا تھا۔ راجا کے آدمی ڈاکوؤں کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے کھیت میں آ نکلے اور بولے: "یہی ڈاکو ہیں۔ کسان بن کر چھپنا چاہتے ہیں۔" تینوں کو پکڑ کر قید کر دیا گیا۔

کچھ دنوں کے بعد اس شہر میں ایک عورت زور زور سے فریاد کرنے لگی۔ "مجھے تن ڈھانپنے کو کچھ دو۔ مجھے تن ڈھانپنے کو کچھ دو۔"

راجا کو خبر کی گئی۔ اس نے حکم دیا: "اس عورت کو کپڑے دے جائیں۔" عورت

www.taemeernews.com

نے کہا: ”مجھے کپڑے نہیں چاہئیں۔“ تب راجا نے عورت کو بلا کر پوچھا: ”کیا معاملہ ہے؟ تمھیں کپڑے کیوں نہیں چاہئیں۔“ عورت نے کہا ”خاوند ہی عورت کا اصل لباس ہے۔ جس عورت کا خاوند نہیں، چاہے وہ کتنا ہی قیمتی لباس پہن لے، ننگی ہی رہے گی۔ راجا کے بغیر راج سونا ہے اور پانی کے بنا ندی بے کار۔“ راجا عورت کی اس بات سے خوش ہوا۔ اس نے پوچھا: ”کیا ان تینوں قیدیوں میں تمھارا خاوند بھی ہے؟“ عورت بولی: ”جی ہاں، ان میں ایک میرا خاوند ہے، دوسرا بھائی اور تیسرا بیٹا۔“

راجا نے کہا: ”میں ان تینوں میں سے صرف ایک کو چھوڑ سکتا ہوں۔ بولو تم سب سے زیادہ کسے چاہتی ہو؟“

”مہاراج۔“ عورت نے جواب دیا: ”اگر میں زندہ رہی تو خاوند دوسرا بھی مل سکتا ہے اور بیٹا بھی۔ چونکہ میرے ماں باپ مر چکے ہیں، دوسرا بھائی اب نہیں مل سکتا۔ اگر آپ میرے بھائی کو چھوڑ دیں تو بڑی مہربانی ہو گی۔“

راجا اس جواب سے بہت خوش ہوا اور اس نے تینوں کو چھوڑ دیا۔

مچھر کا قتل

پرانے زمانے میں بنارس میں کچھ بڑھئی رہتے تھے۔ ایک دن ایک بڑھئی لکڑی چھیل رہا تھا۔ اس کا گنجا سر تانبے کی طرح چمک رہا تھا۔ ایک مچھر اس کے سر پر آ بیٹھا اور بار بار کاٹنے لگا۔ بوڑھے نے پریشان ہو کر اپنے بیٹے سے کہا: ”میرے سر پر ایک مچھر بار بار کاٹ رہا ہے، اس سے میرا پیچھا چھڑا دو۔“

بیٹا باپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، بولا: ”ابھی اس کا کام تمام کرتا ہوں۔“

اس نے ایک تیز کلہاڑی اٹھائی اور پورے زور سے کھینچ کر باپ کے سر پر دے ماری۔ بوڑھے کا سر دو ٹکڑے ہو گیا اور وہ فوراً مر گیا۔

بودھی ستہ اس وقت بڑھئی کی دکان میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا: ”سچ ہے نادان دوست سے دانا دشمن اچھا ہوتا ہے۔“

www.toobaa-elibrary.blogspot.com

راجا شیوی اور کبوتر

پرانے زمانے میں شیوی نامی ایک راجہ تھے۔ بہت ہی نیک اور رحم دل۔ ان کے عدل وانصاف کا دور دور تک شہرہ تھا۔ ایک دن وہ عبادت کرنے کے لیے بیٹھنے ہی والے تھے کہ ایک کبوتر ان کی گود میں آکر دبک گیا۔ کبوتر کی گردن اور پیٹھ پر زخم تھے جن سے خون بہہ رہا تھا۔ کبوتر کے پر نچے ہوئے اور اس کی چونچ کھلی ہوئی تھی۔ وہ زور زور سے سانس لے رہا تھا۔

راجا شیوی اسے پیار سے سہلانے لگے۔ انھوں نے پانی منگوا کر اسے پلایا۔ اتنے میں ایک باز تیزی سے نیچے اترا۔ کبوتر اور بھی دبک گیا اور کانپنے لگا۔

باز کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ اس کی چونچ تیکھی تھی۔ اور خوفناک پنجے مڑے ہوئے تھے۔ باز کو اترتے دیکھ کر راجا شیوی کبوتر کے زخمی ہونے کا سبب سمجھ گئے۔

باز نے بیٹھتے ہی کہا ”مہاراج! اس کبوتر پر میرا حق ہے۔ مجھے دے دیجیے۔“

راجا شیوی کچھ سوچ کر بولے ”تم پکڑ لیتے تو تمھارا ہوتا لیکن اب تو یہ میری پناہ میں آچکا ہے۔ پناہ میں آئے ہوئے کی حفاظت کرنا راجا کا فرض ہے۔“

باز بولا ”لیکن حقدار کو اس کا حق دلانا بھی راجا کا فرض ہے۔ میں پرندوں کا شکار کر کے ہی زندہ رہ سکتا ہوں۔ میں بھوکا ہوں۔ میرے بچے بھوکے ہیں۔ آپ اسے مجھ سے چھین لیں گے تو ہم سب بھوکے رہیں گے اور گناہ آپ کے سر جائے گا۔“

کبوتر باز کی باتیں سن کر مارے ڈر کے دبکا ہوا تھا۔ راجہ نے کبوتر کی پیٹھ سہلا کر کہا ”جو تم کہتے ہو سب ٹھیک ہے۔ لیکن میں مجبور ہوں۔ پناہ میں آنے والے کی حفاظت کرنا میرا فرض ہے۔“

باز نے کہا ”مجھے اور میرے بچوں کو بھوکا رکھ کر دھرم نبھانا بے معنی ہے۔ پرندوں کو مار کر کھانا میرا بھی دھرم ہے۔ سچا دھرم وہی ہے جو دوسروں کے دھرم میں رکاوٹ نہ ڈالے۔“

www.taemeernews.com

راجا شیوی بولے "تمھیں اپنے اور اپنے بچوں کے کھانے کے لیے جو چاہیے مجھ سے لے لو لیکن اس کبوتر کی جان بخش دو۔"

باز بولا "نہیں مہاراج! مجھے تو کبوتر ہی چاہیے کیونکہ میں نے اسے شکار کیا ہے۔"

راجا نے کہا "آج تک تم نے کتنے ہی پرندوں کو مار کر کھایا ہوگا، کسی راجا نے تمھیں نہیں روکا ہوگا۔ لیکن یہ کبوتر چونکہ میری پناہ میں آچکا ہے، میں اسے بچانے کے لیے اپنا راج تک دینے کے لیے تیار ہوں۔"

باز "مہاراج! آپ کا راج میرے کس کام کا۔ آپ میرا شکار ہی مجھے دے دیجیے۔ میرے گھر والے میری راہ تک رہے ہوں گے۔"

اب کی بار راجا نے کچھ سختی کے ساتھ کہا "میں کہہ چکا ہوں کہ یہ کبوتر نہیں مل سکتا، اس کے بدلے جو چاہو لے لو۔ کھتری کا فرض ہے کہ وہ جان دے کر بھی پناہ میں آنے والے کی حفاظت کرے۔"

"مہاراج! آپ کھتری ہیں، لیکن اسکی سزا مجھے کیوں دینا چاہتے ہیں، کیا آپ کا کھتری دھرم محض ایک کبوتر کے لیے ہے؟" باز نے پوچھا۔

راجا "شاید تم نہیں سمجھ سکتے۔ بات صرف کبوتر کی نہیں، اصول کی ہے۔ کبوتر میری پناہ میں آیا ہوا ایک جاندار ہے۔ میں اس کے بدلے ہر چیز دے سکتا ہوں۔ لیکن اس کو نہیں دے سکتا۔"

باز "تو اس کے لیے آپ بڑی سے بڑی قربانی دینے کو بھی تیار ہیں۔"

راجا "کہہ جو دیا۔ اس کے بدلے جو چاہو مانگ لو۔"

باز "اچھا تو اس کے وزن کے برابر اپنا گوشت کاٹ کر دے دیجیے۔"

مسئلے کا حل سامنے آجانے سے راجا شیوی کو اطمینان ہوا۔ انھوں نے کہا "میں اپنا پورا جسم تمھارے حوالے کرتا ہوں۔ جس طرح چاہو تم اسے کھا سکتے ہو۔"

"نہیں مہاراج، میرا حق صرف کبوتر کے برابر گوشت پر ہے۔ میں صرف اتنا ہی گوشت لوں گا، نہ کم نہ زیادہ۔" باز نے جواب دیا۔

راجا نے فوراً خادموں کو حکم دیا کہ ترازو اور چھری لائیں۔ راجا نے ترازو کے ایک پلڑے میں کبوتر کو رکھا اور دوسرے میں چھری سے کاٹ کاٹ کر وہ اپنا گوشت ڈالنے لگے۔

www.taemeernews.com

لیکن وہ جتنا گوشت ڈالتے گئے، کبوتر والا پلڑا جوں کا توں بھاری ہی رہا۔ وہ جسم کے ایک حصے کے بعد دوسرا حصہ کاٹتے گئے، لیکن گوشت والا پلڑا نہ جھکنا تھا نہ جھکا۔ کبوتر والا پلڑا ہی بھاری رہا۔ جب راجا شیوی نے دیکھا کہ اس طرح کام نہیں چلے گا تو وہ خود ہی اٹھ کر ترازو کے پلڑے میں بیٹھ گئے۔

عین اسی وقت باز اور کبوتر غائب ہو گئے اور آسمان سے پھولوں کی بارش ہونے لگی۔ راجا کی انصاف پروری پر دیوتا خوشیاں منا رہے تھے۔ دوسرے ہی لمحے وہاں دو دیوتا ظاہر ہوئے۔ ایک اندر تھے اور دوسرے اگنی۔ راجا شیوی کی آزمائش کے لیے ایک باز بنا تھا دوسرا کبوتر۔ دونوں نے اپنی اصلیت ظاہر کی اور راجا کی انصاف پروری پر ان کو مبارکباد دی۔

www.taemeernews.net

مالک رام

ایک اور ایک گیارہ

یہ بہت زمانے کی بات ہے۔ اس زمانے کی جب حضرت علیؓ مسلمانوں کے خلیفہ تھے۔ حضرت علیؓ کے خلیفہ چنے جانے پر امیر معاویہؓ نے انھیں ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ امیر معاویہؓ پہلے سے ملک شام کے حاکم تھے۔ انھوں نے کہا کہ میں "علیؓ کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتا۔" اور دمشق میں اپنی آزادی کا اعلان کر دیا جو شام کا دارالخلافہ تھا۔

روم کے بادشاہوں کا ایک عرصے سے عرب پر دانت تھا۔ وہ اس ملک کو اپنی سلطنت میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ مسلمانوں کی طاقت بہت زیادہ تھی اور ان پر فتح حاصل کرنا آسان کام نہ تھا۔ جب روم کے بادشاہ نے دیکھا کہ علیؓ اور معاویہؓ میں پھوٹ پڑ گئی ہے تو اس نے خیال کیا کہ اب دونوں سے الگ الگ لڑ کر انھیں شکست دے دوں اور ان کے ملک پر قبضہ کر لوں۔ اس نے فیصلہ کیا کہ پہلے علیؓ پر حملہ کرنا چاہیے۔

یہ بہت خطرے کا وقت تھا۔ اکیلے حضرت علیؓ اس حملہ کی تاب نہیں لا سکتے تھے۔ نہ ان کے پاس بہت بڑی فوج تھی نہ اس فوج کے پاس کافی سامان تھا۔ جب تک مسلمان ایک جان تھے ان کی طاقت کافی تھی۔ باہر کے کسی بادشاہ کو ان پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن اب وہ بات نہیں رہی تھی۔ امیر معاویہؓ کے خلاف ہو جانے سے مسلمانوں کی طاقت دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ اب دونوں کمزور تھے۔ وہ دشمن جو پہلے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ تک نہیں سکتے تھے اب ان پر غرا رہے تھے۔

www.taemeernews.com

امیر معاویہؓ کو یہ خبر پہنچ گئی۔ انھیں معلوم ہو گیا کہ روم کا بادشاہ ہمارے آپس کے جھگڑوں سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ اگر آج علیؓ کی باری ہے تو کل میری۔ روم والے علیؓ پر فتح پالینے کے بعد چپ تھوڑے بیٹھ جائیں گے۔ اس کے بعد وہ میری طرف رخ کریں گے اور اکیلا میں بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکوں گا۔

انھوں نے فوراً اپنا آدمی روم کے بادشاہ کے پاس بھیجا اور اسے کہلا بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم علیؓ پر حملہ کرنا چاہتے ہو۔ تمھیں یہ حوصلہ اس لیے ہوا ہے کہ ہم آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہیں۔ تم سوچتے ہو گے کہ میں علیؓ کی مدد نہیں کروں گا اور تم آسانی سے انھیں شکست دے دو گے۔ یہ تمھاری خام خیالی ہے۔ بیشک میرا علیؓ سے جھگڑا ہے لیکن یہ ہمارا گھریلو معاملہ ہے۔ ہم جیسے چاہیں اس کا فیصلہ کریں۔ کسی دوسرے کو اس میں دخل دینے کا حق نہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کسی نے باہر سے علیؓ پر حملہ کیا تو میں اس حالت میں بھی چپکا بیٹھا رہوں گا۔ کہیں اس دھوکے میں نہ رہنا۔ اگر تم نے علیؓ پر چڑھائی کی تو میں پہلا شخص ہوں گا جو اس کی طرف سے تمھارے مقابلے پر نکلوں گا۔ اس لیے عافیت اسی میں ہے کہ ادھر کا رخ نہ کرنا۔ میرا فرض تھا کہ تمھیں آگاہ کر دوں۔ اگر اس کے بعد بھی تم نے بے وقوفی کی تو تم مسلمانوں کی تلوار کی کاٹ سے واقف ہی ہو۔ تمھیں ایسے لوہے کے چنے چبوائیں گے کہ چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔

روم کا بادشاہ مسلمانوں پر حملہ اس لیے کرنے والا تھا کہ اس کے خیال میں وہ آپس کی پھوٹ سے کمزور ہو گئے تھے۔ جب اسے معلوم ہوا کہ وہ اب بھی اتنے ہی طاقتور ہیں جتنے پہلے تھے تو اس نے حضرت علیؓ پر حملہ کرنے کا خیال چھوڑ دیا۔

www.taemeernews.com

مسرور جہاں

شکاری کی توبہ

ساجد میاں امتحان میں کامیاب ہوئے تو پاپا سے ایک عدد ہوائی بندوق کی فرمائش کر ڈالی کیونکہ ساجد میاں کی کامیابی کی کسی کو ذرا بھی امید نہ تھی اس لیے سبھی خوش تھے اور سب سے زیادہ پاپا کو خوشی تھی کیونکہ کچھ دن سے ساجد میاں کی ممی نے ہر بات کے آگے پیچھے ایک جملہ کہنا اپنا اصول بنا لیا تھا اور وہ جملہ سن کر پاپا کو زبردست قسم کا غصہ آتا تھا۔ ممی پر بھی اور ساجد میاں پر بھی۔ جہاں ساجد میاں نے کوئی کام خراب کیا اور ممی نے فوراً کہا "یہ تو ہر بات میں اپنے پاپا کے اوپر گیا ہے۔" اب اگر ساجد میاں خدانہ کرے فیل ہو جاتے تو ممی اس وقت بھی اپنا جملہ ضرور دہراتیں۔ اور کم از کم پاپا ایسے موقع پر ایسی تکلیف دہ بات سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لیے جب بالکل خلافِ امید ساجد میاں پاس ہو گئے تو انھوں نے ان کی فرمائش ہنسی خوشی پوری کر دی اور انھوں نے چھوٹی سی ہوائی بندوق لا دی۔

یوں تو بندوق بے حد ہلکی تھی لیکن چڑیوں کو مارنے میں بڑی تیز اور پھرتیلی تھی۔ غلیل کا نشانہ لگانے کی پریکٹس کی وجہ سے ساجد میاں کا نشانہ بھی صاف تھا۔ اس لیے خوب ہی خوب شکار کیا جاتا۔ اور بیچاری چڑیوں کی شامت آتی رہتی۔ آس پاس کی ساری چڑیاں ساجد میاں کو دیکھ کر کونے کھدروں اور پتیوں کی آڑ میں چھپ جاتیں۔ لیکن پھر بھی کوئی نہ کوئی نشانے پر آ ہی جاتی۔ ادھر ساجد میاں کی نشانہ بازی عروج پر تھی۔ وہ روزانہ صبح اپنی بندوق لے کر نکل جاتے اور ٹھائیں ٹھائیں شروع کر دیتے۔ کبھی کبھی پپو اور پپی بھی ان کے ساتھ

www.thewarnews.com

جاتے۔ لیکن ساجد میاں کو ان دونوں سے جلن تھی۔ جہاں ان لوگوں کو چڑیاں دکھائی دیتیں وہ مارے خوشی کے تالیاں بجانے لگتے۔ اور چڑیاں اڑ جاتیں۔ کبھی چڑیوں کا اتہ پتہ بتانے کے لیے باقاعدہ کنکری مار کر اسے دکھانے کی کوشش کی جاتی اور چڑیاں پھر سے اڑ جاتیں۔ ساجد میاں کو اتنا غصہ آتا کہ جی چاہتا، انھیں دونوں پر بندوق چلا دیں لیکن پھر ممی کے ڈر سے وہ اپنا ارادہ ترک کر دیتے کیونکہ ممی نے بڑی سختی سے کہہ دیا تھا کہ کہیں غصّے میں پپو اور پپی پر بندوق نہ چلا دینا ورنہ اچھا نہ ہوگا۔

آج ساجد میاں بہت تڑکے اٹھ گئے۔ پپو اور پپی دونوں ابھی سو ہی رہے تھے۔ ساجد میاں بے حد خوش ہوئے۔ اور چپکے سے بندوق لے کر نکل گئے۔ مالی بابا لان میں پانی کا بزارو لیے پودے سینچ رہے تھے۔ انھیں دیکھ کر عادت کے مطابق ٹوکتے ہوئے بولے "میاں اتنی صبح کہاں چل دیے۔" اور ساجد میاں اس طرح ٹوکنے پر بھنا گئے۔

"مالی بابا۔ کتنی بار منع کیا ہے کہ چلتے وقت نہ ٹوکا کرو، لیکن تم۔۔۔۔"

"اچھا اچھا۔ معاف کرو میاں۔" مالی بابا نے ہاتھ جوڑ دیے اور ساجد میاں معاف کرنے کے انداز میں سر ہلا کر آگے بڑھ گئے۔

صبح کا سہانا وقت تھا۔ چڑیاں گھونسلوں سے نکل کر دانے کی تلاش میں ادھر ادھر اڑ رہی تھیں۔ چہچہاتی ہوئی چڑیوں کو نشانہ بنانے کے خیال ہی سے ساجد میاں خوش ہو گئے۔ آج ان کا ارادہ پاس والے تالاب پر جا کر شکار کھیلنے کا تھا۔ وہاں اکثر ننھی منی چڑیاں جھنڈ کے جھنڈ بنا کر پانی پینے آتی تھیں اور تالاب کی کنارے کی مٹی میں لوٹتی پھرتی تھیں۔ قریب کے درختوں پر پھدکتی ہوئی چڑیاں بھی نشانے کی زد پر رہتی تھیں۔

تالاب کے پاس پہنچ کر انھوں نے چاروں طرف دیکھا۔ آج وہاں کچھ زیادہ ہی چڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ ساجد میاں کی خوشی کی ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہو کر نشانہ باندھنے لگے۔ اسی وقت انھیں اپنے قریب ایک مریل سی آواز سنائی دی۔ "اچھے لڑکے، انھیں مت مارو، انھوں نے تمھارا کیا بگاڑا ہے۔"

ساجد میاں چونک پڑے۔ چاروں طرف نظر ڈالی۔ کوئی بھی تو نہیں تھا۔ وہ ذرا گھبرا گئے۔

"میں ادھر ہوں اچھے لڑکے۔" شاخ پر سے آواز آئی۔

www.taemeernews.com

ساجد میاں نے اوپر نظر ڈالی۔ رنگ برنگی خوبصورت پروں والی ایک چڑیا شاخ پر بیٹھی تھی۔ اس کے سر پر ایک حسین سا تاج بھی بنا ہوا تھا۔ چڑیا اتنی پیاری اور خوبصورت تھی کہ بے اختیار اسے زندہ پکڑنے کو دل چاہنے لگا۔ لیکن وہ ایک اونچی شاخ پر بیٹھی تھی اور ہاتھ آنے والی نہیں تھی۔ لیکن ایک چڑیا انسانوں کی طرح کیسے بول سکتی ہے بھلا۔ ساجد میاں اب تو ڈرے کہ کہیں بھوت پریت نہ ہوں۔

"اچھے لڑکے ڈرو نہیں۔ یہ تو میں بول رہی ہوں۔ میں ایک چڑیا ہوں۔"

"کیا تم سچ مچ بول رہی ہو۔"

"ہاں ہاں۔ کیا تم سن نہیں رہے ہو۔"

"پیاری چڑیا۔ تمھیں بولتے دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہو رہی ہے۔ کیا تم میرے پاس رہنا پسند کرو گی۔ میں تم کو اپنے ساتھ رکھوں گا اور تم سے باتیں کروں گا۔"

"نہیں نہیں۔ میں تو اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ زیادہ خوش رہتی ہوں۔ مجھے کھلا آسمان اور ہرے بھرے درخت پسند ہیں۔ ہم یہاں بڑے خوش رہتے ہیں۔ لیکن کچھ دن سے ہماری خوشیاں ختم ہو گئیں۔"

"کیوں پیاری چڑیا۔ کیا بات ہے جو تمھاری خوشیاں ختم ہو گئیں۔ کیا میں تمھاری کوئی مدد کر سکتا ہوں۔"

"جب سے تم نے یہ کالی نکی خرید لی ہے، ہماری مصیبت آ گئی ہے۔ روز ہماری برادری کے کچھ لوگ مر جاتے ہیں اور ہماری ساری خوشیاں رنج میں بدل جاتی ہیں۔"

"تمھارا نام کیا ہے۔ مجھے تو ساجد کہتے ہیں۔"

"میرا نام گلنار ہے ساجد۔"

"تو میرا شکار کرنے سے تم کو بڑا رنج ہوتا ہے۔"

"مجھ کو کیا۔ اگر تم اپنے شکار کا نتیجہ دیکھ لو تو تم کو بھی دکھ ہو۔ آؤ میرے ساتھ میں تم کو دکھاؤں گی کہ تمھارے شوق کی وجہ سے ہماری کیسی بربادی ہوئی ہے۔"

چڑیا آگے آگے اڑنے لگی۔ ساجد اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ ذرا دور پر ایک پیڑ تھا اور پیڑ پر گھونسلہ بنا تھا۔ گلنار وہاں پہنچ کر رک گئی۔

"کل تم نے کتنی چڑیاں ماری تھیں؟" گلنار نے پوچھا۔

www.taemeernews.com

ساجد نے فوراً جواب دیا "چار۔"

اچھا تو یہ دیکھو کالی چڑیا کا گھونسلہ ہے۔ یہ چڑیا انھیں میں سے ایک تھی جن کو تم نے کل مارا تھا۔ اس کے ننھے منے بچے گھونسلے میں بھوکے پیاسے تڑپ رہے ہیں۔ کالے چڑے کو ایک چڑی مار پکڑ لے گیا تھا۔ جبھی سے کالی چڑیا اکیلی ہی انھیں پرورش کر رہی تھی۔ وہی ان کو دانہ لا کر کھلاتی رہی۔ ان کی دیکھ بھال کرتی۔ لیکن تم نے اس کو کل مار ڈالا ہے۔ بچے بن ماں کے ہو گئے۔ اب کون ان کی پرورش کرے گا۔ سبھی چڑیوں کے اپنے بچے ہیں، اپنا گھر ہے، اور اپنے اپنے کام ہیں۔ کوئی ان کی ذمہ داری لینے کے لیے تیار نہیں ہے۔"

"واقعی مجھے بہت دکھ ہوا۔ لیکن اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔"

"کیا تم یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ انسانوں کی طرح ہم پرندوں کا بھی گھر ہوتا ہے۔ خاندان ہوتا ہے اور کام ہوتا ہے۔ تمھاری امی پر تم لوگوں کی پرورش کی ذمہ داری ہے۔ ہمارے اوپر اپنے بچوں کی۔ سوچو۔ اگر خدا نہ کرے کہ تمھاری ماں کو کچھ ہو جائے تو تم لوگوں کا کیا حال ہو گا۔"

ساجد یہ سن کر کانپ اٹھا۔

"اب چلو۔ ذرا بھورے چڑے کے گھر کا حال بھی دیکھ لو۔ وہ دیکھو اس کی مادہ اداس اور پریشان بیٹھی ہے۔ اسے اب تک چڑے کا انتظار ہے۔ اور اس نے کل سے آج تک کچھ بھی نہیں کھایا پیا ہے۔ دونوں میں بے حد محبت تھی۔ ساتھ کھاتے ساتھ کھیلتے۔ اب یہ چڑیا اس کی یاد میں اسی طرح بھوکی پیاسی رہ کر مر جائے گی۔"

"آہ۔ یہ تو بہت برا ہو گا۔" ساجد نے افسوس سے کہا۔

"اب ذرا جھاڑی پر بھی ایک نظر ڈالو۔ یہ سنہری چڑیا کا گھونسلا ہے۔ کل تم نے سنہری چڑیا کو مار ڈالا۔ اس کے مرتے ہی چڑا دوسری چڑیا لے آیا۔ اور اب یہ چڑیا دونوں ننھے منے بچوں کو مار مار کر گھونسلے سے بھگا رہی ہے۔ لیکن یہ بیچارے جائیں گے کہاں۔ یہ تو اتنے چھوٹے ہیں کہ نہ ابھی خود سے کھا سکتے ہیں نہ اڑ سکتے ہیں۔"

"چچ چچ۔" ساجد نے دکھ سے کہا۔

"آگے چلو۔ ابھی ایک اور منظر دیکھ لو۔"

"نہیں گلنار۔ خدا کے لیے اب مجھے کہیں نہ لے جاؤ۔ اب میں اپنے ظلم کا تماشہ اور

www.taemeernews.com

زیادہ نہیں دیکھ سکتا۔ میں نے شوق اور تفریح کی خاطر کتنے گھر برباد کر ڈالے۔ کیا اللہ میاں مجھے معاف کر دیں گے۔"

"کیوں نہیں۔ سچے دل سے کی ہوئی توبہ اللہ میاں ضرور قبول کرتے ہیں۔" گلنار خوش ہو کر بولی۔

اور ساجد نے فوراً توبہ کی اور اللہ میاں سے معافی مانگی کہ اب وہ کبھی چڑیوں کو نہیں مارے گا۔ اور تب۔ یکایک ساجد نے اپنی ہوائی بندوق اٹھا کر تالاب میں پھینک دی۔ گلنار پھدک کر اس کے کاندھے پر بیٹھ گئی اور خوشی سے ناچنے لگی "ساجد، تم سچ مچ ایک اچھے اور رحمدل لڑکے ہو۔ ہماری دعائیں تمھارے ساتھ ہیں۔ خدا کرے تم ہمیشہ خوش رہو اور خوب پڑھو، لکھو اور ترقی کرو۔" گلنار نے ڈھیر ساری دعائیں دیں۔

"تمھیں نے تو مجھے یہ نیک راستہ دکھایا ہے، پیاری چڑیا۔ میں تمھارا شکر گزار ہوں۔"

اور گلنار پھر سے اڑ کر ساری چڑیوں کو خوش خبری سنانے چلی گئی۔ اور ساجد روزانہ سے بھی زیادہ خوشی محسوس کرتا ہوا گھر لوٹ آیا۔ مالی بابا پودوں کی کانٹ چھانٹ میں مصروف تھے۔ اسے دیکھ کر عادتاً ٹوکتے ہوئے بولے "کیوں میاں۔ آج تو خالی ہاتھ لوٹ آئے۔ اور وہ تمھاری بندوق کیا ہوئی؟"

ساجد میاں ہنستے کھلکھلاتے اندر چلے گئے۔ انھیں بندق کے کھونے کا ذرا بھی رنج نہ تھا۔ اور وہ بڑی بہادری سے اپنی ممی کو آج کا قصہ سنانے جا رہے تھے کہ کانوں میں پاپا کی آواز آئی۔ وہ اسی کو پوچھ رہے تھے۔ اور ممی کا جواب تھا "اے ہو گا کہیں اِدھر اُدھر۔ روز صبح صبح نکل جاتا ہے۔ اب تو وہ ہے اور موئی بندوق۔ بے زبانوں کی بددعائیں لیتا پھرتا ہے۔ شکاری باپ کا شکاری بیٹا جو ٹھہرا۔"

ساجد میاں مسکراتے ہوئے کمرے میں چلے گئے۔

www.taemeernews.net

مشتاق اعظمی

جانور کا نام

"تم پھر آ دھمکیں؟"

"بس ایک بات اور بتا دیجئے پھر میں چلی جاؤں گی۔"

"میرے پاس تمھاری بکواس سننے کے لیے وقت نہیں ہے۔"

"بکواس نہیں بھائی جان! ایک بے حد ضروری بات ہے۔"

"لیکن میں جو کام کر رہا ہوں وہ بھی کچھ کم ضروری نہیں۔"

"اوہ! بتا دیجئے نا بھائی جان، صرف ایک بات، پلیز۔"

"اچھا۔ جلدی پوچھو۔ اس کے بعد دفان ہو۔"

"تو بتایئے کہ ابا جان جیب خرچ کے لیے مجھے روزانہ چار آنے ہی کیوں دیتے ہیں جبکہ آپ کو آٹھ آنے ملتے ہیں۔ کیا یہ کھلی ہوئی بے انصافی نہیں ہے؟"

"تمھاری ٹیوٹر غلط نہیں کہتی ہیں کہ تمھارے دماغ میں کوڑا کرکٹ بھرا ہوا ہے۔ اب اتنی معمولی سی بات بھی تمھاری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"پھر بتایئے نا آپ۔ اس لیے تو پوچھ رہی ہوں۔"

"سیدھی سی بات ہے میں تم سے عمر میں بڑا ہوں اور تعلیم میں آگے ہوں۔ اور عقل میں تیز ہوں۔ اس لیے مجھے زیادہ پیسے تو ملنے ہی چاہئیں۔"

"یہ ٹھیک ہے کہ آپ مجھ سے عمر میں بڑے اور تعلیم میں آگے ہیں، لیکن آپ

www.thenearnews.com

مجھ سے زیادہ عقلمند ہیں، یہ میں نہیں مان سکتی۔"

"میں کب کہتا ہوں کہ تم اسے مانو ہی۔ تم نہیں مانتی نہ مانو۔ لیکن تمھارے نہ ماننے سے مجھے زیادہ پیسے ملنے بند تو نہیں ہو سکتے۔"

"یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ آخر اس کا کوئی ثبوت بھی تو ہو کہ آپ مجھ سے زیادہ عقلمند ہیں۔"

"تم کیا ثبوت چاہتی ہو۔"

"میں آپ سے ایک سوال پوچھوں گی اور ایک سوال آپ بھی مجھ سے پوچھیے۔ شرط یہ ہوگی کہ اگر آپ میرے سوال کا جواب نہ دے سکے تو آپ مجھے چار روپے دیں گے اور اگر میں آپ کا سوال نہ حل کر سکی تو میں آپ کو دو روپے دوں گی۔"

"بھلا یہ بھی کوئی شرط ہوئی کہ میں ہاروں تو چار روپے دوں اور تم ہارو تو دو روپے دو۔"

"کیوں نہیں۔ آپ کی عقل مجھ سے زیادہ جو ہے۔"

"چلو مجھے شرط منظور ہے۔ سال پوچھو۔"

"بتائیے وہ کون سا جانور ہے جس کے بیس سینگیں، بارہ پاؤں، چار سر اور چھ بڑے بڑے ڈینے ہیں۔"

"سوال تو بڑا دلچسپ ہے۔ بارہ سینگیں، بیس پاؤں۔۔۔"

"سوال ٹھیک سے سنئے بھائی جان۔ بارہ سینگیں، بیس پاؤں نہیں، بیس سینگیں۔ بارہ پاؤں ہیں۔ اس کے علاوہ چار سر اور چھ بڑے بڑے ڈینے بھی ہیں۔"

"آں کیا کہا، ڈینے بھی ہیں! یعنی اڑتا بھی ہے؟"

"جی جناب۔"

"افوہ! تم نے بے سر پاؤں کا سوال پوچھا ہے۔"

"بے سر پاؤں کا کیسے۔ اس جانور کے چار سر اور بارہ پاؤں ہیں۔"

"بھئی اس عجیب و غریب جانور کو گولی مارو۔ تم کوئی دوسرا سوال پوچھو۔"

"بھائی جان! عنقا پرندے کی طرح یہ جانور بھی نایاب ہے۔ اس لیے اسے گولی بھی نہیں ماری جا سکتی۔"

www.taemeernews.com

"اچھا تو یہ لو چار روپے۔ میں ہار مانتا ہوں۔ اب تم خود اس جانور کا نام بتاؤ۔"

"ذرا ٹھہریئے۔ روپے تو گن لوں۔ ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ ہاں اب فرمایئے۔"

"میں کہہ رہا ہوں تم خود اس جانور کا نام بتاؤ۔"

"اس جانور کا نام۔ یہ رہے دو روپے۔ نام تو مجھے بھی نہیں معلوم۔"

www.taemeernews.com

مناظر عاشق ہرگانوی

علاج

"دیکھو، مجھ سے الگ رہو۔ ٹکرانے کی کوشش نہ کرو، ورنہ میرا مٹکا ٹوٹ جائے گا۔"

کیسا مٹکا؟ کیا بکواس ہے؟"

"ارے تم دیکھتے نہیں۔ میرے سر پر مٹی کا مٹکا ہے۔"

"شاید تم مذاق کر رہے ہو یا پھر تمھارا دماغ چل گیا ہے۔"

"دماغ تمھارا چل گیا ہے۔ خبردار جو تم نے مجھے پاگل کہا۔ ہاں دیکھو، مجھ سے الگ رہو، میرا مٹکا۔۔۔۔۔"

بغداد کا یہ شخص ہر وقت اپنے خیال میں اپنے سر پر مٹی کا مٹکا لیے پھرتا تھا۔ اس کے گھر والے اور جان پہچان کے لوگ اس کے اس خیالی 'مٹکے" سے عاجز آ گئے تھے۔ کیونکہ کسی شخص کو بھی اس کے سر پر مٹکا نظر نہیں آتا تھا۔ مگر اس کا کہنا تھا کہ اس کے سر پر مٹی کا مٹکا رکھا ہوا ہے۔ وہ کبھی کسی دروازے یا نیچی چھت کی عمارت میں بغیر جھکے داخل نہ ہوتا۔ سڑک پر راستہ چلنے والوں سے بچتا ہوا چلتا کہ کہیں کسی کے دھکے سے مٹکا نہ گر پڑے۔

وہم کے مرض میں کمی کی جگہ اضافہ دیکھ کر گھر والے اسے طبیبوں کے پاس لے گئے۔ مگر بغداد کے تقریباً سارے حکیم اس شخص کے علاج میں ناکام رہے۔ کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس کا مرض کیا ہے اور اسے کس طرح دور کیا جا سکتا ہے۔

www.taemeernews.com

ہوتے ہوتے اس کے مرض کا چرچا سارے بغداد میں ہونے لگا۔ اس کی بیماری کو کسی نے آسیب، جن، بھوت کا کرشمہ بتایا تو کسی نے کچھ اور۔ ایک دن اس کی بیماری کی خبر پھیلتے پھیلتے بغداد کے ایک حکیم ابوالبرکات کو بھی ملی۔ ابوالبرکات نے اس سے ملاقات کی اور معائنہ کے بعد انھیں یقین ہو گیا کہ اسے مالیخولیا ہو گیا ہے اور وہ وہم میں مبتلا ہے۔ ابوالبرکات نے مرض کا تو پتہ لگا لیا مگر علاج کے سلسلے میں وہ خود چکرا گئے۔ پھر سوچتے سوچتے انھیں ایک بات سوجھ ہی گئی۔

ابوالبرکات نے اپنے دو غلاموں کو سمجھا دیا کہ ان میں سے ایک مکان کی چھت پر ایک مٹی کا مٹکا لے کر جا بیٹھے اور دوسرا لکڑی (لاٹھی) لیے ہوئے تیار کھڑا رہے۔ پھر مریض کو بلا کر صحن میں چھت کے قریب بٹھا دیا جائے۔ اشارہ ملتے ہی نیچے والا غلام اس طرح لکڑی گھما کر مارے کہ مریض کے سر پر تو نہ لگے مگر کچھ فاصلے سے ہوا میں ہو کر اس کے سر سے گزرے اسی وقت چھت والا غلام مٹی کے مٹکے کو اس طرح پھینکے کہ مریض کے پاس آکر گرے اور ٹوٹ جائے۔

سب انتظام کرنے کے بعد حکیم ابوالبرکات نے مریض کو اپنے یہاں بلایا۔ دیوان خانے کے باہر سائبان کے نیچے اس کو بٹھایا اور خود بھی بیٹھ کر اس کے ساتھ ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ جب دیکھا کہ مریض ان کی باتوں میں گم ہے تو انھوں نے پیچھے سے ہاتھ سے اشارہ کر دیا۔ نیچے کے غلام نے لکڑی چلائی۔ مریض کے سر سے اس کی لاٹھی ہوا میں زنانے بھرتی نکل گئی اور چھت پر جو غلام تھا اس نے مٹکا نیچے گرا دیا۔ یہ کام ایسی صفائی سے ہوا کہ مریض کو بالکل یقین ہو گیا کہ اس کے سر کا مٹکا ٹوٹ گیا ہے۔

غصے اور صدمہ سے مریض کی حالت عجیب ہو گئی۔ وہ بے تحاشا رونے لگا۔ چند ہی لمحے بعد وہ ابوالبرکات کے گھر سے بھاگ گیا۔ لیکن مٹکا ٹوٹ جانے کا خیال اس کے دل میں ایسا بیٹھا کہ اس کو سر پر مٹکا رکھے ہونے کے وہم سے نجات مل گئی اور وہ بالکل اچھا ہو گیا۔

www.taemeernews.com

مہدی جعفر

کھانوں کی بارات جسم کے شہر میں

راکیش گہری نیند سو رہا تھا۔ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی اور وہ ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس کی ممی باورچی خانے میں ناشتہ تیار کر رہی تھیں۔ آہٹ پاتے ہی راکیش کے پاس پہنچیں اور اس سے پوچھا "راکیش آج تم دیر تک سوئے ہو۔ اتوار کی چھٹی ہے۔ اس لیے میں نے تمھیں جگایا نہیں۔ ویسے بھی تم رات کو دیر تک پڑھتے رہے تھے۔"

"اچھا کیا ممی جو آپ نے مجھے جگایا نہیں۔ میں بہت اچھا سا خواب دیکھ رہا تھا۔" راکیش بولا۔

"اچھا! تو ذرا خواب مجھے بھی سناؤ۔" اس کی ممی نے کہا۔

"بات یہ ہے ممی کہ رات کو جو سبق پڑھ رہا تھا وہ متوازن غذا کے بارے میں تھا۔ کل میرا امتحان ہے نا۔ اسی لیے میں یہ سبق دھیان سے پڑھ رہا تھا۔ سبق ختم کرنے کے بعد مجھے نیند آگئی۔ خواب میں کیا دیکھا کہ میں کھانے پر بیٹھا ہوں۔ میرے ساتھ اور کون تھا یہ مجھے یاد نہیں۔ البتہ جو پکوان میرے سامنے رکھے تھے ان کے بارے میں سوچ کر اس وقت بھی منہ میں پانی آ رہا ہے۔ کیا مزے دار کھانے تھے۔"

"اچھا! تو ہمیں بھی بتاؤ کہ کون کون سے پکوان تھے۔ ذرا ہم بھی سنیں۔" ممی نے دلچسپی سے پوچھا۔

"میرے سامنے بڑی سی تھالی سجی تھی ممی۔ اس میں تھا مٹر کا پلاؤ۔ مولی کے

www.taemeernews.com

پراٹھے، گاجر کا رائیتا، سویابین کے دہی بڑے۔ طرح طرح کی سوکھی اور شوربے دار ترکاریاں، جن میں سے بڑی اچھی خوشبو آرہی تھی ممی۔ تھالی میں مٹھائیاں بھی تھیں۔"

ممی نے ہنستے ہوئے کہا "اس کا مطلب ہے خواب میں تمھیں خوشبو بھی مل جاتی ہے اور زبان کا مزا بھی۔ پھر اس کے بعد کیا ہوا؟"

راکیش نے کہنا شروع کیا "ہوتا کیا۔ میں نے خوشی خوشی جیسے ہی پہلا لقمہ اٹھایا اور اس کا مزا لینے ہی جارہا تھا کہ پھر کیا دیکھتا ہوں کہ میں کسی شہر کے دروازے پر کھڑا ہوں جس کے پھاٹک سفید ہاتھی دانت کے بنے ہیں۔ ممی خواب میں بھی عجیب بات ہوتی ہے۔ کچھ کا کچھ معلوم ہوتا ہے۔ شہر کے اندر پہنچتے ہی سارے کھانے اپنا رخ بدل کر ایک بارات بن گئے۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ سارے باراتی لوگ اصل میں وہ طرح طرح کے جز ہیں جو غذا میں ہوتے ہیں۔ بارات کے کچھ لوگ روشنیاں اٹھائے چل رہے ہیں۔ کچھ لوگ بھانگڑہ ناچ رہے ہیں۔ ایک گھوڑے پر سجا سجایا دولہا سوار ہے۔ اس کے پیچھے اور بہت سے باراتی ہیں جس میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی۔ میں نے پاس کھڑے ہوئے ایک آدمی سے پوچھا تو اس نے بتایا "تم جانتے نہیں جو لوگ بھانگڑا ناچ رہے ہیں وہ در اصل طرح طرح کے وٹامن ہیں۔ انھوں نے اپنے طریقے سے بارات کو دلچسپ بنایا ہے۔ بارات کے چاروں طرف جو روشنیاں دکھائی دیتی ہیں وہ فاسفورس کی وجہ سے ہیں۔ دولہا جانتے ہو کون ہے؟ وہ گیہوں ہے اور کاربوہائیڈریٹ کے گھوڑے پر سوار ہے۔ بارات کے مرد اور عورتیں مختلف طرح کے نمکیات ہیں۔ پروٹین اور گھی تیل ہیں۔ اگر یہ ساتھ نہ ہوتے تو بارات میں جان نہ ہوتی۔ ایک دم سے میری سمجھ میں یہ بات آگئی ممی، کہ یہ غذائی لذت ہے جو میرے جسم کے شہر میں داخل ہورہی ہے۔ پھر تو میں خوشی سے ناچنے لگا۔ ایسا لگا جیسے میں خود ہی بارات کا خیر مقدم کررہا ہوں۔ کیسی دھوم مچی تھی۔"

میں نے خواب میں سوچا کہ چلو شہر کو بھی دیکھ لیا جائے کہ کیا کیا انتظام ہوا ہے۔ پھر مجھے یہ بھی جستجو تھی کہ یہ بارات آخر جائے گی کہاں اور ٹھہرے گی کس جگہ۔ ممی، میں شہر کے اندر گھومنے لگا۔ یہ میرے جسم کا شہر تھا اور میں اس میں بالکل نیا تھا۔ یہ ایک طلسمی شہر لگتا تھا۔"

یہاں جب راکیش سانس لینے کے لیے رکا تو اس کی ممی بولی "لگتا ہے تم نے اپنا

www.taemeernews.com

سبق اچھی طرح یاد کر لیا ہے اسی لیے تمھیں ایسا دلچسپ خواب نظر آیا ہے۔"

"ممی، جب میں شہر میں ادھر ادھر بھٹکا تو میں بھول گیا کہ میرے جسم کا یہ شہر ہے۔ شہر کی زمین لال مٹی کی معلوم ہوتی تھی۔ اور اونچی نیچی تھی۔ راستے میں ایک آدمی نے بتایا کہ یہاں لال رنگ کے پانی کی ندی بہتی ہے۔ رات ہونے کی وجہ سے اس میں دیکھ نہ سکا۔ جگہ جگہ ایسے مکان نظر آئے جو سفید تھے۔ پھر میں واپس اس سڑک پر آگیا جہاں بارات آگے بڑھ رہی تھی۔ سڑک پر ادھر ادھر لوگ دوڑتے پھر رہے تھے۔ سب لال کپڑے پہنے تھے۔ کسی کے ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا، کسی کے ہاتھ میں رس سے بھرا ہوا جگ، کوئی شربت لیے تھا، کوئی دودھ، میں خواب میں ہی سمجھ گیا کہ یہ میرے خون کے ذرات تھے جو دوڑ رہے تھے۔ ممی، پھر میں وہاں پہنچا جہاں بارات کو ٹھہرنا تھا۔ وہ ایک خوبصورت محل تھا۔ اس کو لال رنگ سے رنگا گیا تھا۔ جگہ جگہ رنگ برنگی ٹیوب لائٹ اور بلب لگے تھے۔ محل کے چاروں طرف باغ تھا۔ پورا چاند نکل آیا تھا اور اس کی روشنی میں یہ محل اور اونچے اونچے ہاتھی دانت کے مکان چمک رہے تھے۔ میں حیرانی سے یہ سب دیکھ ہی رہا تھا کہ بیچ شہر سے ایک آواز سنائی دی۔ اس اچانک آواز سے میں ڈرا نہیں۔ اس لیے کہ میں جانتا تھا کہ میرے ہی جسم کا شہر ہے۔ میں نے کہتے سنا۔ راکیش تم جانتے ہو کہ یہ ہاتھی دانت جیسے مکان کیا ہیں۔ یہ تمھاری مضبوط ہڈیاں ہیں جو کیلشیم سے بنی ہیں۔ اور یہی تمھارے جسم کے شہر کو ایسی شکل دیتی ہیں۔ کمروں میں جس بجلی کی روشنیاں جل رہی ہیں وہ فاسورس ہے جو تمھارے دماغ کو روشنی دیتا ہے اور کیلشیم سے مل کر ہڈیاں اور دل کو مضبوط کرتا ہے۔ ممی، میں یہ سن ہی رہا تھا کہ میرے سامنے ایک دم سے دودھ سے بھرا گلاس آکر رک گیا۔ میں نے گلاس ہاتھ میں لیا اور سارا دودھ ایک ہی سانس میں پی گیا۔ پھر میں واپس بارات کے پاس پہنچا۔ بارات اسی طرح ناچتی گاتی آگے بڑھ رہی تھی۔ طرح طرح کی پھلجھڑیاں چھوٹ رہی تھیں۔ چرخیوں اور پٹاخوں کی آواز سے سارا شہر گونج رہا تھا۔ شہر کے لوگ مکانوں کی چھتوں پر کھڑے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ پھر اچانک کسی نے گانا شروع کر دیا۔

آتش بازی چھٹتی دیکھی
مفت کی دولت لٹتی دیکھی

"واہ بھئی واہ! ممی ایک دم اچھل پڑیں۔ بھئی راکیش تمھارا خواب تو بہت شاندار

www.taemeernews.com

ہے۔ گانے والا خبردار کر رہا تھا کہ وہ کھانے جنھیں ہم صرف لذت کے لیے کھاتے ہیں، جیسے مٹھائی، چاٹ وغیرہ مزے دار تو ضرور ہوتے ہیں مگر وہ آتش بازی کی طرح ہیں جو تھوڑی دیر کے لیے بہت اچھی لگتی ہے اور پھر ختم۔ مٹھائی اور چاٹ وغیرہ سے بچنا چاہیے۔ یہ مہنگے تو ہوتے ہی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ صحت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ مفت میں پیسے لٹانے سے کیا فائدہ؟"

ممی کی بات راکیش کی سمجھ میں آ گئی۔

"تو آگے کیا ہوا۔" ممی نے پوچھا۔

"میں بارات کے ساتھ ساتھ اس لال محل کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے قریب سے لال محل کی دیوار کو دیکھنا شروع کیا جو روشنی میں چمکتی معلوم ہو رہی تھی۔ میں دیوار کے چکنے اور ستھرے پن پر حیران تھا۔ اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے دیوار زندہ ہو گئی ہو۔ میں ابھی سنبھلا بھی نہیں تھا کہ دیوار میں سے دو آنکھیں ابھر کر مجھے گھورنے لگیں۔ مجھے ہڑبڑاتے دیکھ کر دیوار نے کھڑکی سے مسکرا کر کہا۔ گھبراؤ نہیں کیا بات ہے۔ میں نے ڈرتے ڈرتے اسے بتایا کہ میں تمھارے صاف اور چکنے پن کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دیوار ہنسنے لگی۔ اس نے کہا۔ کمال ہے تم اپنے ہی جسم کے شہر کو بالکل نہیں جانتے۔ یہ آنکھیں تو تمھاری ہی ہیں۔ اور یہ دیواریں تمھارے جسم کی باہری اور بھیتری پرتیں ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ روزانہ اپنے جسم کو ہری اور پیلی ترکاریوں کے ذریعہ وٹامن 'اے' دیتے ہو۔ یہاں پہنچ کر وٹامن 'اے' بڑا کام کرتا ہے۔ دیکھو یہ آنکھیں چمک رہی ہیں۔ دیواریں صاف ستھری ہیں اور شہر صفائی کی وجہ سے خوبصورت لگ رہا ہے۔ یہ سب وٹامن 'اے' کی کرامات ہیں۔ دیوار جب کہہ چکی تو آنکھیں غائب ہو گئیں۔

مجھے اشلوک پڑھنے والے پنڈت نے پکارا تو میں چونک پڑا۔ "راکیش تمھارے شہر میں بارات آئی ہے اور تم کونے میں چھپے کھڑے ہو۔ آؤ تمھیں یہاں رہنا ضروری ہے۔"

میں جب پنڈت کے پاس پہنچا تو سب کی نظریں مجھ پر پڑیں۔ مجھے بیٹھنے کی جگہ دی گئی۔ پھر پنڈت نے اشارہ کیا۔ اور ایک عجیب بات ہوئی۔" راکیش نے ممی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"سارے باراتی اور محل کے لوگ پانچ گروپ میں بٹ گئے۔ اور سب اپنی اصل

www.taemeernews.com

شکل میں آگئے۔ میں نے دیکھا، ایک گروپ ہری اور پیلی سبزیوں کا تھا۔ ان کے سامنے ایک جھنڈا لہرایا جس پر لکھا تھا "وٹامن "اے۔" دوسرے گروپ میں مختلف طرح کے پھل تھے۔ آنولہ سب کے اوپر دکھائی دیا۔ اب جھنڈا لہرایا تو اس پر لکھا تھا "وٹامن سی"۔ تیسرا گروپ مونگ پھلی، تل وغیرہ کا تھا جس کے بیچ میں دلہن سویابین بجی سنوری بیٹھی تھی۔ جھنڈا لہرایا تو اس پر لکھا تھا "پروٹین اور وٹامن "بی۔" چوتھا گروپ اناج کا تھا جس میں مکا، جوار، باجرا اور چاول تھا۔ بیچ میں دولہا گیہوں نظر آیا۔ اب جھنڈا لہرایا تو اس پر "کاربوہائیڈریٹ" لکھا تھا۔ ایک طرف پانچواں گروپ تھا جس میں دودھ، دہی، کھویا، پنیر وغیرہ تھے۔ جھنڈا لہرایا تو لکھا تھا "کیلشیم اور فاسفورس۔" کہیں سے بیچ میں کیمرہ لیے فوٹوگرافر آگیا تھا جس نے پانچوں گروپ کے الگ الگ فوٹو اتارے۔

پنڈت کی آواز گونجی "راکیش تم نے متوازن غذا لی تھی۔ اس لیے تمھارے کھانے میں پانچوں گروپ میں سے کوئی نہ کوئی ضرور شامل ہوا ہے۔ یہ بارات جو تمھارے جسم میں آکر ٹھہری ہے اسی کا نتیجہ ہے۔"

یہ کہہ کر پنڈت نے اشلوک پڑھتے ہوئے آگ جلائی۔ گیہوں اور سویابین نے اس کے سات پھیرے کیے۔ ساتویں پھیرے پر ہی می میری آنکھ کھل گئی۔"

می نے کہا "راکیش جسم تو سچ مچ جادو کا نگر ہے۔ سچ ہے اگر روزانہ غذا میں ایسی چیزیں شامل کرلی جائیں جن سے سارے غذائی جزو صحیح مقدار میں حاصل ہوں تو یہ صحت کا جادو جگا ہی دیتے ہیں۔"

www.taemeernews.com

نسیم انہونوی

لال بجھکڑ

لال بجھکڑ کا نام تم سب نے سنا ہو گا۔ دور دور ان کا شہرہ تھا۔ جس گاؤں میں وہ رہتے تھے وہ ان کی وجہ سے کافی مشہور ہو گیا تھا۔ اس وقت پڑھے لکھے اور سمجھ داروں کی کمی تھی۔ دوسرے، جہاں لال بجھکڑ رہتے تھے وہاں کے لوگ یوں کہنا چاہیے کہ بڑے بے وقوف تھے اور ان احمقوں میں لال بجھکڑ ہی بڑے عالم فاضل تھے۔ حالانکہ جو قصے ان کے نام سے مشہور ہیں ان سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ وہ ان احمقوں کے سردار تھے اور ان سب سے زیادہ بے وقوف اور احمق تھے۔ لیکن ان کی مان دان ایسی تھی کہ سب ان ہی کے کہنے پر چلتے۔ اور جو کچھ وہ کہہ دیتے اس پر یقین کر لیتے۔

اس دیہات کے رہنے والوں نے کبھی ہاتھی نہیں دیکھا تھا۔ لیکن ایک رات ادھر سے نہ جانے کیسے کسی کا ہاتھی گزرا اور اس کے پیروں کے بڑے بڑے گول گول نشانات دھول بھری زمین پر بن گئے۔ صبح جب دیہات والوں نے یہ نشانات دیکھے تو حیران رہ گئے۔ سمجھ میں نہ آسکا کہ یہ کاہے کے نشانات ہیں۔ آخر کار سب لال بجھکڑ کے پاس پہنچے اور انھیں سڑک پر لے جا کر وہ نشانات دکھائے۔

لال بجھکڑ نے مسکرا کر داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔

بوجھے تو بوجھے لال بجھکڑ اور نہ بوجھے کوئے
پیر میں چکی باندھ کے ہرن نہ کودا ہوئے

www.taemeernews.com

واہ واہ کے نعرے لگے اور سب نے یہی یقین کر لیا کہ ہرن چکی باندھ کر اچھلتا کودتا ادھر سے گیا ہوگا۔

آخر عمر میں ایک دن ایسا ہوا کہ ایک آدمی کسی درخت پر چڑھ تو گیا مگر اتر نہ پا رہا تھا۔ لوگ پریشان ہو کر لال بجھکڑ کے پاس پہنچے اور یہ بپتا بیان کی۔ لال بجھکڑ یہ سن کر رونے لگے۔ لوگ پریشان ہو گئے۔ انھوں نے کبھی انھیں روتے نہ دیکھا تھا۔ گھبرا کر پوچھا "رو کیوں دیے؟۔"

لال بجھکڑ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے ایک آہ سرد بھری اور کہا "بھائیو! رونا اس بات پر آگیا کہ ابھی تو خیر میں زندہ ہوں۔ تم لوگوں کی مشکل آسان کر دیتا ہوں۔ مگر اب میں بڈھا ہو گیا ہوں۔ سوچتا ہوں کہ جب میں مر جاؤں گا تو تم لوگوں کا کیا حشر ہوگا۔ کون تمھارے کام آیا کرے گا۔ کون تمھیں عقل کی باتیں بتایا کرے گا۔"

یہ سن کر وہ سب لوگ بھی رو دیے جو ان سے ترکیب پوچھنے آئے تھے۔ آخر کار جب رونا دھونا کم ہوا تو لال بجھکڑ نے کہا "جاؤ۔ ایک رسّی لے جاؤ اور اسے بانس میں باندھ کر اس آدمی تک پہنچا دو۔ اس سے کہو کہ اسے اپنی کمر میں باندھ لے۔ کہ تم سب مل کر رسّی کو کھینچ لینا۔ وہ نیچے آ جائے گا۔"

سب نے اسی ترکیب پر عمل کیا۔ اور جب رسّی کھینچی تو آدمی پیڑ سے گر کر مر گیا۔ لوگ پھر روتے پیٹتے لال بجھکڑ کے پاس پہنچے اور یہ حادثہ بیان کیا۔

لال بجھکڑ نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "بھائیو! موت آ جائے تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ تم لوگوں کو یاد ہوگا کہ نہ جانے کتنے آدمیوں کو جو کنوؤں میں گر گئے تھے۔ ہماری اسی ترکیب سے رسّی میں باندھ کر کھینچا گیا اور وہ اوپر آ گئے۔ اس آدمی کی موت آ گئی تھی اس لیے وہ مر گیا۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔"

www.taemeernews.net

بدرہ تبسم

چھپی ہوئی دولت

بچے بڑی عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں۔ سب ہی بچے ایسے ہوتے ہیں۔ لیکن میرے بچے کچھ زیادہ ہی عجیب باتیں کرتے ہیں۔ میرے سارے بچے بارہ تیرہ سال کی عمر کے اندر ہیں۔ لیکن کبھی کبھی وہ ایسی باتیں بھی کر جاتے ہیں جن کی اس عمر کے بچوں سے ذرا بھی امید نہیں کی جاسکتی۔ مذہب کے متعلق، اللہ میاں کے متعلق، غریبی امیری کے متعلق۔

مثلاً ایک دن میرے صاحب زادے ٹیپو سلطان بہت ہی فکر مند ہو کر پوچھنے لگے "ممی، بے چارے اللہ میاں کا دل کیسے لگتا ہوگا؟۔"

میں نے نہایت حیرت سے سوچا۔ یا اللہ، یہ اللہ میاں "بے چارے" کب سے ہوگئے؟ پھر بھی میں نے مارے تجسس کے پوچھ ہی لیا "لیکن بات کیا ہوگئی؟"

کہنے لگے "یہی کہ اللہ کی نہ بیوی ہے نہ بچے۔ پھر آسمان پر ان کا دل اکیلے میں کیسے لگتا ہوگا؟"

مجھے یہ دعویٰ تو نہیں ہے کہ مذہب کے بارے میں سب کچھ جانتی ہوں۔ ہاں، تھوڑا بہت ضرور جانتی ہوں۔ اور جب بھی بچوں نے اس قسم کا سوال کیا ہے۔ "ممی دنیا کو اور ہم سب کو اللہ میاں نے پیدا کیا ہے، لیکن خود اللہ میاں کو کس نے پیدا کیا؟" تو میں نے اپنے رسول ﷺ کے ارشاد کے مطابق یہی جواب دے کر انھیں سمجھایا کہ "خدا نے ہر چیز پیدا کی۔ لیکن خود اسے کسی نے پیدا نہیں کیا۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اور جب بھی

www.taemeernews.com

ذہن میں ایسا خیال آجائے، فوراً لاحول پڑھ دیا کرو کیونکہ ایسے وسوسے شیطان کی دین ہوتے ہیں۔

لیکن جب بچے اللہ میاں کی "بے چارگی" کے بارے میں سوال کرنے لگیں تو میں انھیں ڈانٹنے اور خود خدا سے معافی مانگنے کے سوا اور کچھ نہیں کرسکتی کہ "مالک، یہ بچے ہیں، اگر نادانی سے ایسا سوال کر بھی دیا تو توانھیں بھی معاف کردے اور مجھے بھی۔" لیکن جب سوال دولت کی نابرابر تقسیم، یعنی امیری اور غریبی کا آجاتا ہے اور بچے پوچھتے ہیں "ممی دنیا میں کچھ لوگ بے حد امیر اور کچھ لوگ بے حد غریب کیوں ہیں؟ شاید بے چارے اللہ میاں کی چلتی نہیں کچھ۔ ورنہ اللہ میاں ضرور امیروں سے پیسہ لے کر غریبوں کو دے دیتے" تو میں جان بوجھ کر خاموش رہ جاتی ہوں۔ اتنے اتنے بچوں کو دولت کی غلط تقسیم کا حساب کیسے سمجھاؤں؟ کیا اللہ میاں نے ایسے قانون نہیں بنائے کہ دولت برابر برابر بٹی رہے۔ آمدنی کا چالیسواں حصہ غریبوں کے لیے وقف کرنا، زراعت میں کھیتی کی پیداوار کا ایک حصہ نکال دینا، قربانی میں تیسرا حصہ، عید میں فطرہ۔ کتنی ہی باتیں ہیں۔ لیکن بچے تو بہت ہی چھوٹے ہیں۔ اس لیے میں ان سے کہہ دیتی ہوں کہ "بچو، امیر لوگ اپنی دولت چھپا چھپا کر رکھ دیتے ہیں۔ جو مذہب کی رو سے گناہ ہے اور حکومت کی نظر میں جرم۔ اگر سب امیر لوگ اپنی ضرورت کا روپیہ خود رکھ کر باقی غریبوں کو دے دیں یا خود حکومت کو واپس کردیں تو دنیا میں اور خاص طور سے ہمارے ہندوستان میں اتنی غریبی نہ رہے۔

ابھی کچھ ہی دن پہلے کی بات ہے، ایک غریب سی عورت گود میں ایک بیمار اور مریل سا بچہ سنبھالے، بھیک مانگتی آئی۔ شدید سردی پڑ رہی تھی۔ مجھے اس عورت پر بڑا رحم آیا۔ میں نے اپنی ایک ساڑی اور اپنے چھوٹے بیٹے التمش کی ایک شرٹ اسے دے دی۔ اور اپنے کام میں لگ گئی۔ تھوڑی دیر بعد گیلری میں آئی تو دیکھا کہ وہی عورت کپڑوں کی ایک اچھی خاصی پوٹلی سنبھالے جارہی ہے۔ سراج الدولہ، چاند بی بی اور غازی صلاح الدین نے مجھے بتایا ممی وہ بے چاری عورت کہہ رہی تھی کہ اس کے اور بھی کئی بچے ہیں، اس لیے ہم سب نے اپنا اپنا ایک ایک جوڑا اسے دے دیا۔"

میں نے بچوں سے کہا "بچو، اگر سب لوگ اسی طرح غریبوں کی مدد کریں اور اپنی دولت اور کپڑے اس طرح چھپا کر نہ رکھیں تو کتنے ہی غریبوں کا بھلا ہوجائے۔"

www.taemeernews.com

شام کو سب ٹی وی دیکھنے بیٹھے۔ حکومت کی طرف سے ایک اشتہار دکھلایا گیا جو چھپی ہوئی دولت کے بارے میں تھا۔ بچوں نے ایک دم چونک کر اور چلا کر مجھ سے کہا۔

''ارے ممی، حکومت بھی تو وہی کہتی ہے جو آپ کہتی ہیں۔''

''ہاں بچو، میں بھی وہی کہتی ہوں جو حکومت کہتی ہے۔ لیکن لوگ مانیں تب نا۔ ہم لوگ سڑک سے گزرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ہماری ہی طرح کتنے لوگ جھونپڑیوں میں رہتے ہیں۔ شدید سردی، شدید گرمی جھیلتے ہیں، فاقے کرتے ہیں، ننگے رہتے ہیں، بیماریاں سہتے ہیں۔ انسان کی انسان سے یہ بے حسی! کیا وہ بھی ہماری طرح دنیا کی ہر نعمت کے حقدار نہیں؟ اگر چھپی ہوئی دولت اور کالا دھن جائز ہاتھوں میں پہنچ جائے تو کیا دنیا جنت نہیں بن سکتی؟''

معصوم اور ننھے منے بچوں کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میرے بچے حساس دلوں کے مالک ہیں۔

میرے ایک ماموں جان پولیس میں آفیسر ہیں۔ اپنی مصروفیات کے مارے وہ بہت کم آپاتے ہیں۔ مگر جب بھی آتے ہیں، سارے بچے انھیں گھیر لیتے ہیں اور میری ہی طرح ''ماموں جان، ماموں جان'' کرنے لگتے ہیں۔

اس دن۔ ابھی پرسوں ہی کی بات ہے۔ ماموں جان آئے۔ کھانے وانے کے بعد وہ چلنے لگے تو میری دس سال کی بچی چاندنی بی اپنی ایک چھوٹی سی تھیلی لے کر آئی اور شرماتے شرماتے اس نے وہ تھیلی ماموں جان کے ہاتھ میں دے دی۔

''یہ کیا ہے، بی بی۔'' ماموں جان خوش دلی سے بولے۔

وہ ایک عجیب سی درد بھری خوشی کے ساتھ کہنے لگی ''ممی، مجھے روزانہ اسکول میں کھانے کے لیے پیسے دیتی ہیں نا۔ وہ میں جمع کرتی رہتی تھی۔ چھپا چھپا کر رکھتی تھی کہ چھوٹی سی گڑیا خریدوں گی۔ وہی جو چابی سے چلتی ہے اور ڈانس کرتی ہے نا ماموں جان وہ۔ لیکن ممی کہہ رہی تھیں کہ ہم اپنی چھپی ہوئی دولت حکومت کو دے دیں تو غریب امیر ہو سکتے ہیں۔ ماموں جان اتنے روپوں میں کسی غریب کے لیے ایک کمبل تو آجائے گا نا؟''

گیارہ روپے چودہ پیسے کی رقم ماموں جان کے ہاتھوں میں کانپ رہی تھی، لرز رہی تھی۔

''میری بچی۔'' میں نے اپنے آنسوؤں کو روک کر کہنا چاہا ''مہنگائی اتنی بڑھ چکی

www.taemeernews.com

ہے کہ گیارہ روپے کی حقیر رقم میں نہ ایک کمبل آسکتا ہے، نہ ایک ساڑی، نہ کسی غریب ٹھٹھرتے ہوئے بچے کے لیے ایک سویٹر۔ لیکن تیرا یہ بیش بہا جذبہ اس دیوار کو ضرور ڈھا سکتا ہے جو امیروں اور غریبوں کے بیچ میں ناقابلِ عبور چٹان بن کر کھڑی ہوئی ہے۔"

ماموں جان نے چاند بی بی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ پولیس آفیسر بڑے سخت دل ہوتے ہیں۔ لیکن میں نے ماموں جان کی آنکھوں میں جھلملاتے آنسو دیکھے جنھیں پینے کی وہ ناکام سی کوشش کر رہے تھے۔

نہیں ماموں جان۔ ان آنسوؤں کو پینے کی کوشش نہ کیجیے۔ ان میں جو پیغام چھپا ہے اسے سارے ہندوستان کو پڑھ لینے دیجیے!

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

منظوم کہانیاں

www.taemeernews.com

عادل رشید

ایک منظوم کہانی

ایک کہانی تمھیں سناؤں
منّو کی اک بات بتاؤں
سات سال کی وہ ہے بچّی
عمر ابھی اس کی ہے کچّی
لیکن وہ حسّاس بڑی ہے
رحم دلی گھٹّی میں پڑی ہے
ایک صبح اک چڑیا آئی
ساتھ میں چڑے کو بھی لائی
چونچ میں دونوں کے تنکا تھا
گھر سارا جیسے ان کا تھا
ایک گھونسلہ لگے بنانے
سارے گھر کو لگے ستانے
کوڑا کرکٹ ہوا جمع جب
پیشانی پہ شکن پڑی تب

www.taemeernews.com

منّو کی امی جھنجھلائیں
لے کر وہ اک جھاڑو آئیں
گھونسلہ ان کا نہیں بنے گا
یہاں یہ سب کچھ نہیں چلے گا
سٹنگ روم یہ گندا ہو گا
اچھا کب یہ دھندا ہو گا
منّو نے تب شور مچایا
غم کا طوفاں پر چھایا
وہ امی کے پیچھے پڑ گئی
وہ اپنی امی سے لڑ گئی
نہیں نہیں، یہ سب رہنے دو
بات بڑی ہے یہ کہنے دو
بے چاری چڑیا روئے گی
انڈے کہاں وہ پھر سیئے گی
محنت ان کی دیکھو امی
کچھ تو دل میں سوچو امی
تنکا تنکا جمع کیا ہے
دونوں نے کیا درد لیا ہے
گھونسلہ تب تیار ہوا ہے
یہ محنت ہے، نہیں جوا ہے
پھیرے مت محنت پر پانی
یہ دنیا ہے آنی جانی
انڈوں سے نکلیں گے بچے
پیارے پیارے کچے کچے
پھر جب ان کے پر آجائیں

www.taemeernews.com

چوں چوں کرکے شور مچائیں
تب یہ گھر سے اُڑ جائیں گے
دانہ دُنکا خود کھائیں گے
گھونسلہ تب اُٹھوا دیجئے گا
ان کی دعائیں بھی لیجئے گا
ترس خدا کو بھی بھاتا ہے
اچھے دن تب وہ لاتا ہے

اچھی بیٹی پیاری بیٹی
میری راج دلاری بیٹی
امی نے منو کو اٹھا کر
خوب زور سے سینے سے لگا کر
جھاڑو چھینی ہاتھ سے اپنے
پورے ہوئے منو کے سپنے

www.taemeernews.com

گلزار

بوسکی کی گنتی

بچے اچھے سچے نیک
بوسکی نے کہنا سیکھا ایک

دودھ ملائی لاکر دو
بوسکی نے کہنا سیکھا دو

آؤ بجاؤ باجا بین
بوسکی نے کہنا سیکھا تین

پھولوں کا پہنے گی ہار
بوسکی نے کہنا سیکھا چار

لگ جائے گا ٹوٹا کانچ
بوسکی نے کہنا سیکھا پانچ

آیا پپّی برتھ ڈے
بوسکی نے کہنا سیکھا چھے

کچھوا کھائے مچھلی بھات
بوسکی نے کہنا سیکھا سات

بوسکی کی گنتی

اچھے کپڑے اونچے ٹھاٹھ
بوسکی نے کہنا سیکھا آٹھ
لالٹین کی لمبی لو
بوسکی نے کہنا سیکھا نو
آج سبق ہے اتنا بس
بوسکی نے کہنا سیکھا دس

ایک ہے ایک لکھو دو بارا
بوسکی گنتی ہے اب گیارہ
چندا ماما بھیا تارا
بوسکی گنتی ہے اب بارا
گیند کسی کی بلّا میرا
بوسکی گنتی ہے اب تیرا
پھولوں کی پتی پتوں کا پودا
بوسکی گنتی ہے اب چودا
تالی چابی تالا چندرا
بوسکی گنتی ہے اب پندرا
کھاتی ہے جب برف کا گولا
بوسکی گنتی ہے تب سولا
کاٹھ کی پیٹی لوہے کا پترا
بوسکی گنتی ہے اب سترا
بنجارے کے ہاتھ اکتارا
بوسکی گنتی ہے اٹھارا
صادق کی ممی بلقیس
بوسکی گنتی ہے انیس

www.taemeernews.com

دال بگھاری آٹا پیس
گنتی ہے اب بوسکی بیس

پاؤں میں چوٹ اور چوٹ میں ٹیس
بوسکی گنتی ہے اکیس
گھوڑا مالک نوکر سائیس
بوسکی پڑھتی ہے بائیس
ریس میں جاتے ہیں رئیس
بوسکی پڑھتی ہے تیئیس
چور ہیں سارے چار سو بیس
بوسکی پڑھتی ہے چوبیس
آگ لگاتی ہے ماچس
بوسکی گنتی ہے پچیس
گیتا گرنتھ قرآن حدیث
بوسکی پڑھتی ہے چھبیس
اسٹاپو کھولو آئس پائس
بوسکی پڑھتی ہے ستائیس
آئس کریم میں نہیں ہے آئس
بوسکی پڑھتی ہے اٹھائیس
راون کے تھے دس ہی سیس
بوسکی پڑھتی ہے انتیس
ماسٹر جی کی کھا گئی فیس
خود پڑھ لیتی ہے اب تیس

www.taemeernews.com

بوسکی کی گنتی

آؤ جائیں پھر مجلس
بوسکی لکھتی ہے انتیس
رنگ لگائے گی مہندی گھیس
بوسکی لکھتی ہے بتیس
بل میں سانپ اور سانپ میں بس
بوسکی لکھتی ہے تینتیس
دور کو اُس اور پاس کو اِس
بوسکی لکھتی ہے چونتیس
پھول گلاب اور موگرا نرگس
بوسکی لکھتی ہے پینتیس
پنکچر زور سے ہوا فیس
بوسکی لکھتی ہے چھتیس
عیسائی تھے سینٹ فرانسس
بوسکی لکھتی ہے سینتیس
سرکس میں بھوپو میس
بوسکی لکھتی ہے اڑتیس
ایفل ٹاور از ان پیرس
بوسکی لکھتی ہے انتالیس
دودھ تھا شدھ اور پانی خالص
بوسکی لکھ پڑھ گئی ہے چالیس

لوہا چپکو مقناطیس
بوسکی سیکھی اکتالیس
بائبل میں شیطان ابلیس
بوسکی سیکھی بیالیس

www.taemeernews.com

اردو میں آسان سلیس
بوسکی سیکھی تینتالیس
بندر کرتا چار کی ریس
بوسکی سیکھی چوالیس
شاہ سکندر ریس گریس
بوسکی سیکھی پینتالیس
انکل معراج اور ادریس
بوسکی سیکھی چھیالیس
غالبؔ ذوقؔ اور میر انیس
بوسکی سیکھی سینتالیس
پرنام کرو تو ملے اسیس
بوسکی سیکھی اڑتالیس
انار انگور اور اناس
بوسکی نے سیکھا انچاس
دھت تیرے کی ستیاناس
پورے ہوگئے آج پچاس

بارش لے کر آیا ساون
بوسکی بولتی ہے اکیاون
کپڑا کاٹ بنایا جھاڑن
بوسکی بولتی ہے اب باون
لڈو کھانے کو ترسے من
بوسکی بولتی ہے ترپن
دروپدی کا دشمن دریودھن
بوسکی بولتی ہے اب چون

www.taemeernews.com

بوسکی کی گنتی

بڑا بڑھاپا چھوٹا بچپن
بوسکی بولتی ہے اب پچپن
کاجل ڈال کے دیکھو درپن
بوسکی بولتی ہے اب چھپن
گڑ اور ستو ہیں من بھاون
بوسکی بولتی ہے ستاون
کمبھ کرن کا بھائی تھا راون
بوسکی بولتی ہے اٹھاون
مندر مسجد گرجا مٹھ
بوسکی بولتی ہے انسٹھ
لوہا ڈوبے تیرے کاٹھ
بوسکی چلائی لو ساٹھ

شہر پڑوسی دہلی میرٹھ
بوسکی سوچتی ہے اب اکسٹھ
چور کی لاٹھی پولیس کا لٹھ
بوسکی سوچتی ہے اب باسٹھ
بھیڑ ہجوم یا مجمع جمگھٹ
بوسکی سوچتی ہے اب تریسٹھ
مان بھی جاؤ چھوڑدو ہٹھ
بوسکی سوچتی ہے اب چونسٹھ
کرم کرے کہلائے کرمٹھ
بوسکی سوچتی ہے اب پینسٹھ
جوڑ گانٹھ گرہ یا گٹھ
بوسکی سوچتی ہے اب چھیاسٹھ

www.taemeernews.com

پھیکا پانی میٹھا شربت
بوسکی سوچتی ہے اب سڑسٹھ
نیواں جانداں تیز نہ نٹھ
بوسکی سوچتی ہے اب اڑسٹھ
ٹونا ٹوٹکا جادو منتر
بوسکی سوچتی ہے اب انھتر
ستر نہیں کہتے ہیں پتھر
بوسکی نے اب سوچا ستر

بد برا بدنام ہے بدتر
بوسکی پہنچی ہے اکہتر
چلو اٹھاؤ بوریا بستر
بوسکی پہنچی ہے بہتر
اچھے سے اچھا ہے بہتر
بوسکی پہنچی ہے تہتر
بول غٹرغوں بول کبوتر
بوسکی پہنچی ہے چوہتر
باہر بارش بھاگو بھیتر
بوسکی پہنچی ہے پچھتر
پھٹ جائے تو جوتی چھتر
بوسکی پہنچی ہے چھہتر
چھوڑ بٹیرا پکڑا تیتر
بوسکی پہنچی ہے ستتر
پینٹ کوٹ اور کوٹ کا استر
بوسکی پہنچی ہے اٹھتر

www.taemeernews.com

بوسکی کی گنتی

راکھی می رنکو ماسی
بوسکی پہنچی ہے اناسی
جل جائے نا جل جائے رسّی
بوسکی جاپہنچی ہے اسّی

سی سی زیادہ مرچ ذرا سی
بوسکی رٹتی ہے اکاسی
تازہ سالن روٹی باسی
بوسکی رٹتی ہے بیاسی
مٹکا خالی چھمیا پیاسی
بوسکی رٹتی ہے تریاسی
چوکیدار نہیں چپراسی
بوسکی رٹتی ہے چوراسی
راگ رسیلا بھیم پلاسی
بوسکی رٹتی ہے پچاسی
داس ہے سیوک سیوکا داسی
بوسکی رٹتی ہے چھیاسی
بھانڈ گوپال کی ذات میراثی
بوسکی رٹتی ہے ستاسی
پورے چاند کی پورن ماسی
بوسکی رٹتی ہے اٹھاسی
تو بڈھا تو میں ہاں جوان وے
بوسکی رٹتی ہے اُنناوے
بگلے چٹے کالے کوے
بوسکی نے رٹ لیا ہے نوے

www.taemeernews.com

ایک اور نو جو انیس ہوئے
الٹو تو اکیانوے ہو
دائیں دو اور بائیں نو
پلٹو تو انتیس بانوے ہو
تین پہ تین کے تینے نو
الٹا لکھ ترانوے ہو
چار کے بعد جو لکھا نو
الٹا پڑھو چورانوے ہو
بعد میں پانچ اور پہلے نو
پڑھنے میں پچانوے ہو
سیدھا چھے اور الٹا نو
انہتر ہو یا چھیانوے ہو
سات رنگ سیارے نو
ساتھ ساتھ ستانوے ہو
آٹھ کے بعد آتا ہے نو
پہلے آئے اٹھانوے ہو
بعد میں یا پہلے تو
ہر صورت ننانوے ہو
آہا ہا ہو ہو ہو
گنتی ہو گئی پورے سو

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

ڈرامے

www.taemeernews.com

اظہر افسر

دو آدمی

کام کرنے والے۔۔۔ (۱) پہلا آدمی (۲) دوسرا آدمی

ایک آدمی بے ڈھنگا سا سوٹ پہنے کھڑا ہے کہ ایک طرف سے نہایت شوخ سوٹ پہنے دوسرا آدمی آتا ہے۔

پہلا آدمی : آداب عرض ہے جناب!

دوسرا آدمی: (پہچان کر)، آداب عرض ہے جناب، آداب عرض ہے جناب فرمایئے بہت دنوں بعد ملاقات ہوئی۔

پہلا : کل میں آپ کے گھر کی طرف آیا تھا۔

دوسرا : اچھا۔

پہلا : جی ہاں۔ مگر آپ سے ملے بغیر آگے چلا گیا۔

دوسرا : بہت بہت شکریہ۔

پہلا : میں سمجھا نہیں

دوسرا : آپ سمجھ بھی نہیں سکتے۔

پہلا : وہ کیوں؟

دوسرا : کیونکہ لوگ جس چیز سے سمجھتے ہیں وہ شے آپ کے پاس نہیں ہے۔

پہلا : ہو سکتا ہے۔ خیر یہ تو بتایئے اس وقت کیا وقت ہے۔

www.taemeernews.com

دوسرا : وقت ہے اس وقت دس بجنے میں دس منٹ باقی ہے۔

پہلا : اوہو۔

دوسرا : مگر گھڑی تو آپ کے پاس بھی ہے۔ کیا یہ بند ہے؟

پہلا : جی نہیں۔ بند نہیں چل رہی ہے۔

دوسرا : کیا کچھ تیز ہے؟

پہلا : جی نہیں، پیچھے ہے۔

دوسرا : کیا وقت ہے۔ معلوم ہو تو کتنی پیچھے ہے۔

پہلا : قریب قریب صحیح وقت ہی ہے۔ صورف دو گھنٹے دس منٹ پیچھے ہے۔

دوسرا : پھر تو بڑی دقت ہوتی ہوگی آپ کو آنے جانے میں۔

پہلا : جی نہیں اس کا لحاظ رکھتا ہوں۔ ہر کام دو گھنٹے دس منٹ پہلے شروع کر دیتا ہوں۔

دوسرا : ایسا معلوم ہوتا ہے یہ جو آپ کا سر ہے نا۔۔۔

پہلا : جی ہاں، جی ہاں۔ میرا سر۔ کیا ہوا اس کو؟

دوسرا : ایسا معلوم ہوتا ہے اس سر میں کچھ نہیں ہے۔

پہلا : کیوں نہیں ہے۔ جناب صبح سے سر میں درد ہے۔

دوسرا : درد ہے؟

پہلا : جی ہاں، صبح سے سر میں درد ہے۔

دوسرا : خدا کا شکر ہے کچھ تو ہے۔

پہلا : یہ لوگ جب ان کے سر میں درد ہوتا ہے تو بار بار ہاتھ سے سر کو مارتے کیوں ہیں؟

دوسرا : وہ بھی آپ ہی کی طرح دیکھتے ہیں کہ اس سر میں کچھ ہے یا نہیں۔

پہلا : میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

دوسرا : آ بھی نہیں سکتا۔

پہلا : ہی ہی ہی۔

دوسرا : آپ منہ چڑا رہے ہیں۔

www.taemeernews.com

پہلا : ارے ہاں۔ کل نمائش میں ایک عجیب و غریب مقابلہ تھا۔

دوسرا : عجیب و غریب مقابلہ؟

پہلا : جی ہاں۔ آپ نے فلمی گانوں کا مقابلہ، غزلوں کا مقابلہ، دوڑ کا مقابلہ، آہستہ چلنے کا مقابلہ سنا ہوگا۔

دوسرا : جی ہاں۔

پہلا : یہ منہ چڑانے کا مقابلہ تھا۔

دوسرا : منہ چڑانے کا مقابلہ؟

پہلا : جی ہاں۔ جو سب سے زیادہ برا منہ بنائے گا اس کو جج لوگ انعام دے رہے تھے۔

دوسرا : آپ نے بھی اس میں حصہ لیا تھا؟

پہلا : جی ہاں۔

دوسرا : تو پھر دوسرا انعام کس نے لیا؟

پہلا : کیا مطلب؟

دوسرا : بھئی منہ چڑانے کا مقابلہ تھا نا۔ اس میں آپ نے حصہ لیا تو پہلا انعام آپ کے سوا اور کون لے سکتا ہے؟

پہلا : جی نہیں۔ جب وقت ختم ہوا تو جج لوگ چلتے ہوئے ایک کونے میں بیٹھی ہوئی خاتون کے پاس آئے اور بولے، خاتون اس منہ چڑانے کے مقابلہ میں سب سے زیادہ آپ بازی لے گئیں اب یہ پہلا انعام ہے۔

دوسرا : پھر؟

پہلا : وہ بولی، مگر جج صاحب میں تو مقابلے میں حصہ نہیں لے رہی تھی۔ جج نے کہا، پھر بھی یہ انعام آپ کا ہے۔ ان سب حصہ لینے والوں کو چاہیے کہ وہ آپ سے سبق سیکھیں۔

دوسرا : آپ اس مقابلہ میں حصہ لینا چاہتے ہیں۔ اور انعام حاصل کرنا چاہتے ہیں؟

پہلا : جی ہاں، کوئی ترکیب بتایئے۔

دوسرا : ترکیب بہت آسان ہے۔

www.taemeernews.com

پہلا : تو پھر بتایئے نا۔

دوسرا : ترکیب یہ ہے کہ آپ سوتے جاگتے، چلتے پھرتے منہ بنایا کیجیے۔

پہلا : یعنی منہ چڑایا کروں۔

دوسرا : جی ہاں۔

پہلا : یہ تو بڑی آسان ترکیب ہے۔

دوسرا : آسان ترکیب ہے نا؟

پہلا : ہے تو لیکن ایک بات ہے۔ لوگ اگر سمجھیں کہ میں انھیں دیکھ کر منہ چڑا رہا ہوں۔ نہیں بھئی، لوگوں سے لڑائی ہو جائے گی۔

دوسرا : دیکھیے لڑائی ہوتے۔ آپ کسی کی پرواہ کیے بغیر منہ بناتے رہیے۔

پہلا : اور جو لڑائی ہونے لگے۔

دوسرا : تو سلام کر کے معافی چاہ لیجیے۔ کہیے میں آپ کو نہیں چڑا رہا ہوں بلکہ منہ چڑانے کے ایک مقابلے میں حصہ لینے کی مشق کر رہا ہوں۔

پہلا : بہت بہت شکریہ۔

دوسرا : آپ کے مقابلہ میں پہلا انعام آپ کا ہوگا۔ ٹ۔۔۔ٹ۔۔۔ ٹھہریئے مجھے یہاں سے چلے جانے دیجیے۔ اس کے بعد منہ بنایئے۔

پہلا : بہت اچھا۔ آپ کب جائیں گے۔

دوسرا : ابھی چلا جاؤں گا۔ یہ تو بتایئے وہ آپ کے چچا کیسے ہیں؟

پہلا : کالے ہیں۔ چہرہ پر چیچک کے داغ ہیں۔

دوسرا : جناب میں حلیہ نہیں پوچھ رہا ہوں، اب ان کی طبیعت کیسی ہے؟

پہلا : طبیعت، طبیعت کے وہ بہت تیز ہیں۔

دوسرا : بھئی پچھلے دنوں وہ بیمار تھے نا اب کیا حال ہے؟

پہلا : ہاں ہاں حال، اب حال اچھا ہے، کافی مالدار ہیں۔

دوسرا : او ہو۔ مالدار تو وہ ہیں۔ خیر جانے دیجیے۔ آپ اپنے چچا سے ملیں تو انھیں میرا سلام کہیے اور میری طرف سے مزاج پوچھ لیجیے۔

www.taemeernews.com

پہلا : آج صبح ان سے جھک جھک ہو گئی۔

دوسرا : جھک جھک، وہ کیوں؟

پہلا : صبح چچا صاحب نے مجھے اپنے پاس بلایا اور بولے، اگر تم اپنی آوارہ گردی چھوڑ دو، فضول خرچی چھوڑ دو، ساری برائیوں سے توبہ کر لو تو۔۔۔

دوسرا : تو۔

پہلا : بولے، تو میں تمھیں پچاس ہزار روپے دوں گا۔ وعدہ کرو کہ ساری بری عادتیں چھوڑ دو گے۔

دوسرا : پھر آپ نے وعدہ کر لیا اور پچاس ہزار روپے لے لیے۔

پہلا : جی نہیں۔ میں نے وعدہ نہیں کیا۔

دوسرا : کیوں؟

پہلا : کیا فائدہ پچاس ہزار روپوں کا۔

دوسرا : کیوں، کیوں۔

پہلا : جب ساری بری عادتیں ہی چھوڑ دوں گا تو روپے لے کر کیا کروں گا؟

دوسرا : تو آپ کے دل پر بوجھ نہیں ہے۔

پہلا : بوجھ تو ہے۔ مگر دل پر نہیں دماغ پر ہے۔

دوسرا : دماغ نہیں دل ہی کہیے۔

پہلا : وہ کیوں؟

دوسرا : دماغ ہو گا تو اس پر بوجھ ہو گا نا۔

پہلا : جی ہاں، جی ہاں۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ بہت بہت شکریہ۔

(دونوں ہنستے ہیں)

(پردہ گرتا ہے)

www.taemeernews.com

جگن ناتھ آزاد

بنگال کا جادو

(ریڈیو فیچر)

راوی : آج سے تین سو سال پہلے کا زمانہ ہے۔ مغلیہ سلطنت اپنے عروج پر ہے۔ شہنشاہِ وقت جہانگیر کشمیر جاتے ہوئے کچھ دنوں کے لیے لاہور میں فروکش ہے۔ قلعہ کے نزدیک راوی کے کنارے شاہی خیمے ہیں۔ بادشاہ کھلی فضا میں اپنے بعض مقربین کے ساتھ خوش گپیوں میں محو ہے۔

ایک آواز : جہاں پناہ، بنگال سے کچھ جادوگر آئے ہیں اور حضور والا کی خدمت میں باریابی کے خواہشمند ہیں۔

بادشاہ : حاضر کرو۔ (قدموں کی چاپ)

ملی جلی آوازیں : عالی جاہ، جہاں پناہ۔

بادشاہ : تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو!

ایک شعبدہ گر : حضور ہم آپ کے غلام ہیں۔ شعبدہ بازی ہمارا پیشہ ہے۔ ہم بنگال کی طرف سے آئے ہیں۔ اگر حضور ہمیں اجازت دیں تو ہم اپنے ناچیز فن کی نمائش عالی جاہ کے دربار میں کریں۔

بادشاہ : تم لوگ کون کون سے کھیلوں کا مظاہرہ کر سکتے ہو؟

www.taemeernews.com

شعبدہ باز : عالم پناہ۔ آپ کی عنایت سے ہم طرح طرح کے کمالات دکھا سکتے ہیں۔ جادو کے زور سے رات کو دن اور دن کو رات بنا سکتے ہیں۔ چاہیں تو پانی میں آگ لگا کر دکھادیں۔ چاہیں تو آگ میں فوارہ چلادیں۔ بہار میں خزاں کا سماں پیدا کر دیں۔ خزاں میں بہار کے مناظر دکھادیں۔ دریا کو خشک کر دیں اور آناً فاناً زمین پر نہریں جاری کر دیں۔ آناً فاناً میں ایک باغ لگنا اور دیکھتے دیکھتے اسے صفحۂ ہستی سے مٹانا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

جہانگیر : اچھا تو پہلے باغ لگا کر دکھاؤ۔

شعبدہ باز : جہاں پناہ، بہت بہتر۔ از راہِ کرم خانہ زاروں کو پھلوں کے بیج یا ان کی گٹھلیاں مرحمت ہوں۔

بادشاہ : امیر خان۔

ایک آواز : عالم پناہ۔

بادشاہ : شاہی باغات کے داروغہ کو حکم دو کہ مختلف پھلوں کے بیج اور گٹھلیاں لے کر حاضر ہو۔

(قدموں کی چاپ)

شعبدہ باز : سرکار گردوں وقار، ہم لوگ ہندوستان کے مختلف حصوں میں اپنے فن کی نمائش کر چکے ہیں۔ آج ہماری خوش قسمتی ہمیں حضور کے دربار میں لے آئی ہے تاکہ ہم اپنے کمالات کا اظہار آپ کے سامنے کریں اور آپ کی زبانِ مبارک سے دادِ تحسین حاصل کریں۔

(قدموں کی چاپ)

بادشاہ : کون کون سے پھلوں کے بیج اور گٹھلیاں لائے ہو۔

جواب : حضور۔ شہتوت، سیب۔ ناریل، آم، اناس، انجیر اور لونگ۔

بادشاہ : لیکن یہ چیزیں تو یہاں پیدا ہی نہیں ہوتیں۔ زمین سے پھوٹ بھی آئیں تو جلد مرجھا جاتی ہیں۔ کیا انتخاب کیا تم نے۔

بازی گر : حضور کچھ مضائقہ نہیں۔ ہم اپنے باغ میں یہی چیزیں اگائیں گے اور آپ کو لہلہاتے ہوئے باغوں کا نظارہ دکھائیں گے۔ خاں صاحب لائیے۔

www.taemeernews.com

امیر خان : یہ لیجئے۔

ایک آواز : دھرتی ماتا باغ لگا / جس میں سیب اور آم اگا / ساتھ ان کے شہتوت انجیر / جن کو کھائیں امیر وزیر / ناریل اور انار اگا / لونگ کھجور بھی ساتھ اگا / جب دیکھیں یہ باغ حضور۔

(شعبدہ بازی کی ملی جلی آوازیں)

ایک شعبدہ گر: لونی چماری ٹونک مٹونک حنتوش باری۔

دوسرا : وبریم وبریم کاسم سناری لونی چماری۔

سب مل کر: لونی چماری۔ باری۔

بادشاہ : خوب، تو آپ لوگوں کا باغ اگنا شروع ہو گیا۔

بازی گر : حضور آپ دیکھتے جایئے۔

ایک درباری : اف کتنی سرعت سے اشجار بلند ہو رہے ہیں۔

ایک اور درباری : واہ واہ۔

تیسرا : اب تو کافی بلند ہو گئے۔ اس سے زیادہ بلند کیا ہوں گے۔

بازی گر : لیجئے حضور والا۔ اب دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔

بادشاہ : واہ کیا خوش نما پھل شاخوں سے آہستہ آہستہ باہر نکل رہے ہیں۔

درباری : سبحان اللہ۔

بادشاہ : واہ واہ تم لوگوں نے تو کمال ہی کر دیا۔ آناً فاناً گلزار پر بہار پیدا کر دیا۔ شاہی باغات میں تو اس قسم کے اشجار کوشش کے باوجود پیدا نہ ہو سکے۔

شعبدہ باز : جہاں پناہ اگر اجازت ہو تو ان درختوں کے پھل توڑ کر حضور اور دیگر اہل دربار کی خدمت میں پیش کیے جائیں تاکہ عالی جاہ اور امرا ان کے ذائقہ کا بھی امتحان کر سکیں۔

بادشاہ : اجازت ہے۔

شعبدہ باز : ملاحظہ ہوں۔

ایک درباری: سبحان اللہ کیا خوش ذائقہ پھل ہیں۔

دوسرا : بھئی اناس کا تو کیا کہنا۔ ہو بہو اصل کے مطابق ہیں۔

www.taemeernews.com

تیسرا : تو کیا آم، سیب اور شہتوت اصل سے کم ہیں۔

چوتھا : ایک سے بڑھ کر ہے۔

پانچواں : واہ واہ۔

چھٹا : بھئی آپ لوگوں نے تو کمال کر دیا۔

ساتواں : انجیر اور اس موسم میں۔ کیا کہنے اس شعبدہ بازی کے۔

بادشاہ : مابدولت تمھارے اس کام سے بہت محظوظ ہوئے ہیں۔

شعبدہ باز : عالی جاہ۔ ابھی تو ہمارے کمال کی ابتدا ہے۔ یہ باغ جو ابھی زمین سے نمودار ہوا ہے حضور اور اہلِ دربار کے دیکھتے زندگی کے تمام مدارج طے کر لے گا۔ لیجیے اب اس میں بہار کا زمانہ آتا ہے۔ (پرندوں کی آوازیں۔ ان کے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کی آواز پروں کی پھڑپھڑاہٹ)۔

ایک شعبدہ گر: لونی چماری ٹونک منتونک۔ سنتوش ہاری۔

دوسرا : وبریم وبریم کاسم ستاری لونی چماری۔

سب مل کر: لونی چماری ٹونک منتونک سنتوش ہاری۔ وبریم وبریم کاسم ستاری لونی چماری۔

ایک آواز : اڑ جائے اب باغ ہمارا / سندر سندر پیارا پیارا / جس کے پھل کھائے ہیں ہم نے / جس کے گن گائے ہیں ہم نے / جس کو سب نے پسند کیا ہے / جس سے سب کو فیض ملا ہے۔
اب خزاں کی آمد ملاحظہ ہو۔

(سوکھے پتوں کے آپس میں ٹکرانے کی آواز اشجار کے پتوں میں سے تیز ہوا کے گزرنے کی آواز) حضور ہمارا باغ زندگی کے سب مراحل ختم کر چکا ہے۔ اب آپ دیکھ رہے ہیں کہ اشجار کی شاخیں سوکھ رہی ہیں۔ پھولوں کا نام و نشان باقی نہیں۔ خوش الحان پرندوں کا ذکر ہی کیا اب اس کی فضا میں کوا بھی پر نہیں مارتا۔ ہمیں اس سے جو فیض حاصل کرنا تھا کر چکے۔ اب اس کا قیام بے سود ہے۔ لیجیے اب یہ غائب ہوتا ہے۔

ایک شعبدہ گر: لونی چماری ٹونک منتونک سنتوش ہاری۔

دوسرا : وبریم وبریم کاسم ستاری لونی چماری۔

www.taemeernews.com

سب مل کر: لونی چماری ٹونک منتونک سنتوش باری و بریم و بریم کا سم ستاری لونی چماری۔

درباری : افوہ۔

بادشاہ : خوب! آناً فاناً درخت بھی پیدا ہوگئے۔ پھل بھی لگ گئے۔ خزاں کا موسم بھی آگیا اور گلزار تاراج بھی ہوگیا۔

شعبدہ باز : جہاں پناہ۔ اگر آپ کا کوئی درباری کسی اور چیز کی خواہش کرے تو وہ بھی حاضر کی جاسکتی ہے۔

ایک آواز : پلاؤ کھلایا جائے۔

شعبدہ باز : پلاؤ بھی تیار ہوجائے گا۔ آپ بیس من گوشت چاول اور مصالحوں کا حکم دیں۔

بادشاہ : سرفراز خاں۔ مطبخ کے داروغہ سے کہو کہ گوشت چاول اور مصالحہ لے کر جلد حاضر ہو۔

سرفراز خاں: بہت اچھا حضور۔

(قدموں کی چاپ)

بادشاہ : کہو کنور دلیپ سنگھ۔ کیسا رہا یہ کھیل۔

دلیپ سنگھ : جہاں پناہ۔ ایسا کرشمہ آج تک تو کبھی نہ دیکھا تھا۔ ہاں سنا کرتے تھے کہ جادوگر اپنے علم وفن کے زور سے عجیب وغریب تماشے دکھا سکتے ہیں۔ آج آنکھوں سے دیکھ لیا۔

بادشاہ : شاہزادوں کو یہ کھیل پسند آیا۔

ایک آواز : عالی جاہ، یہ تو بے نظیر تماشہ تھا۔ ایسی چیز نہ کبھی دیکھی نہ سنی۔

دوسری آواز: اس کھیل نے ہمیں سراپا غرقِ حیرت کردیا ہے۔ اب اس پر کیا رائے زنی کریں۔

(قدموں کی چاپ)

آواز : عالم پناہ۔

بادشاہ : لے آئے۔

آواز : جی ہاں۔

www.freeurdunews.com

بادشاہ : کیا کچھ ہے۔

آواز : حضور جو آپ نے فرمادیا تھا۔اس کے مطابق لے آیا ہوں۔گوشت،چاول اور مصالحے۔

بادشاہ : ان کے حوالے کر دو۔

ملازم : آگ جلانے کا سامان بھی درکار ہوگا۔

شعبدہ باز : نہیں۔اچھا تو تم گوشت چاول مصالحوں کو ایک دیگ میں ڈال دو۔

دوسرا شعبدہ باز: کیوں بھئی چولہا تیار ہو گیا۔

تیسرا : جی ہاں ہو گیا۔لیکن ابھی گیلا ہے۔

پہلا : کوئی مضائقہ نہیں۔دیگ میں پانی ڈال دو اور اس پر رکھ دو۔

(دیگ پکنے کی آواز)

ایک درباری: آگ تو ہے نہیں یہ کیا ہو رہا ہے۔دیگ کیسے پک رہی ہے۔

دوسرا درباری: شعبدہ باز ہی تو ہیں۔

شعبدہ باز : حضور والا پلاؤ تیار ہے۔برتن منگوائے جائیں تاکہ اہلِ دربار میں تقسیم کیا جائے۔

بادشاہ : وزیر خاں۔برتن منگواؤ۔

وزیر خاں : بہت اچھا حضور۔

(قدموں کی چاپ)

ایک درباری: کیوں صاحب،اس کے بعد کیا ہوگا۔

شعبدہ باز : جناب اپنے خادموں کے کارنامے دیکھتے جایئے۔جس چیز کی طلب ہو وہی حاضر کر دی جائے گی۔جس نظارے کی خواہش ہو وہی پیش کیا جائے گا۔

ملازم : (قدموں کی چاپ)۔ جہاں پناہ برتن حاضر ہیں۔

بادشاہ : تو دستر خوان بچھا دو۔اور طشتریاں اہلِ دربار کے سامنے رکھ دو

(برتن رکھنے کی آواز)

ایک درباری: بھئی یہ چیز تو پھلوں سے بھی بڑھ گئیں۔

دوسرا درباری : وہ بھی کم نہیں ہے۔

www.taemeernews.com

تیسرا درباری : اتنا نفیس پلاؤ تو شاہی دستر خوان کے سوائے کہیں بھی میسر نہ ہو۔

چوتھا درباری : نفاست کا کیا کہنا۔ لاجواب چیز ہے۔

پانچواں درباری : اسے کہتے ہیں ہتھیلی پہ سرسوں جمانا۔

چھٹا درباری : وہ دیکھیے وہ تو کچھ اور کرنے لگے۔ زمین پر کچھ لگا رہے ہیں۔ شاید فوارہ ہے۔

ساتواں درباری : فوارے کا یہاں کیا کام۔ پانی کہاں سے لائیں گے۔

پہلا درباری : اگر دیگ بغیر آگ کے پک سکتی ہے تو فوارہ پانی کے بغیر بھی چل سکتا ہے۔

دوسرا درباری : وہ دیکھو جاری ہو گیا فوارہ

(پانی کے گرنے کی آواز)

تیسرا درباری : یہ منظر تو بہت عجیب ہے۔

چوتھا درباری : پانی کی بلندی دس گز کے قریب ہو گئی۔

پانچواں درباری : ہوں۔

چھٹا درباری : اے لو۔ پانی کا رنگ بدل گیا۔

ساتواں درباری : پانی گر رہا ہے یا دودھ گر رہا ہے۔

پہلا درباری : دودھ کہاں، اب تو خون کے قطروں کی طرح سرخ ہے۔

دوسرا درباری : اور اب دیکھیے۔ زمرد کے دانوں سے کم سبز نہیں۔

تیسرا درباری : لیکن زمین کو تو دیکھیے۔ وہ تو اس طرح خشک ہے جس طرح پہلے تھی۔

چوتھا درباری : واہ پانی کی بجائے آگ۔ ایک طرف پانی دوسری طرف آگ۔

بادشاہ : بہت خوب۔

(فضا تالیوں سے گونج اٹھتی ہے)

شعبدہ باز : جہاں پناہ۔ آسمان پر اندر دیوتا اور باقی دیوتاؤں میں جنگ ہو گئی ہے۔ میرے لیے اس جنگ میں حصہ لینا بہت ضروری ہے۔ حضور مجھے اجازت دیں کہ میں وہاں جا کر اپنا فرض ادا کروں۔

بادشاہ : تم جا سکتے ہو۔

www.taemeernews.com

شعبدہ باز : لیکن حضور والا، میں اپنی بیوی کو جہاں پناہ کی حفاظت میں چھوڑے جاتا ہوں۔ اگر میں جنگ میں کام آ گیا تو میرا ایک ایک عضو نیچے گرے گا۔ اس حالت میں آپ میری بیوی کو اجازت دے دیں کہ میری لاش کے ٹکڑوں کے ساتھ ستی ہو جائے۔ اگر وہاں مجھے فتح نصیب ہوئی تو میں نیچے آ جاؤں گا۔ سرکار یہ سوت کی انٹی ملاحظہ ہو۔ یہی میرا اوپر جانے کا زینہ ہے۔ دیکھیے ایک سرا میرے ہاتھ میں ہے دوسرے کو میں ہوا میں پھینکتا ہوں۔

بادشاہ : واہ واہ۔ دوسرا سرا قطعاً ہوا میں گم ہو گیا۔

شعبدہ باز : اچھا حضور، اب رخصت۔ آپ کا خادم مزید انتظار نہیں کر سکتا۔

ایک درباری: دیکھیے کتنی باریک سی ڈوری اور اس کے سہارے آسمان پر چڑھتا جا رہا ہے۔

دوسرا درباری : اب تو نگاہوں سے بھی اوجھل ہو گیا۔

تیسرا درباری : دور نکل گیا کہیں۔

پہلا درباری : وہ دیکھو سوت کے دھاگے کی طرف۔

دوسرا درباری : خون۔ خون (سر کے گرنے کی آواز)

تیسرا درباری : لو اس کا سر کٹ کے نیچے آ گرا (بازو گرنے کی آواز)

چوتھا درباری : ایک بازو بھی آ گرا۔ (بازو گرنے کی آواز)

پانچواں درباری : لو دوسرا بھی آ گرا۔ (دھڑ گرنے کی آواز)

چھٹا درباری : اب تو دھڑ بھی آ گرا۔

ساتواں درباری : مر گیا بے چارہ۔

شعبدہ باز کی بیوی: (روتی پیٹتی ہے) ہائے میرے پتی۔ ہائے میرے پتی دیو۔ یہ کیا ہو گیا۔ میں اب تمھارے بغیر کیسے رہوں گی۔ ہا ہائے میری قسمت پھوٹ گئی۔ ہائے ایشور۔ اب میں کیا کروں۔ حضور والا۔ میرا پتی لڑائی میں کام آ گیا۔ میری بہار لٹ چکی۔ میرے لیے زندہ رہنا بے سود ہے۔ چتا تیار کرائی جائے تاکہ میں اپنے پتی کے ساتھ ستی ہو جاؤں۔

بادشاہ : سردار خاں۔ لکڑیوں کا ایک ڈھیر لگاؤ اور اسے آگ لگا دو۔

www.taemeernews.com

سردار خاں: بہت اچھا حضور۔

(لکڑیاں رکھنے کی آواز اور دیا سلائی جلنے کی آواز)

عورت : عالم پناہ۔ آگ بہت زور سے بھڑک اٹھی ہے اور اس کے شعلے مجھے اپنی آغوش میں لینے کے لیے بے قرار ہو رہے ہیں۔ میں اب اور انتظار نہیں کر سکتی۔

ایک آواز : اف۔

دوسرا درباری : بے چاری آگئی آگ کی لپیٹ میں۔

تیسرا درباری : پل بھر میں تو یہ جل کر راکھ ہو جائے گی۔

چوتھا درباری : اب تو نظر بھی نہیں آتی۔

پانچواں درباری : گھیر لیا ہے نہ شعلوں نے اس کو۔

چھٹا درباری : اتنی تیز آگ ہے دیکھنا اس کی راکھ بھی نہ ملے گی۔

ساتواں درباری : اب تو بجھنے لگی۔

پہلا درباری : شعلے مدھم پڑ چکے ہیں۔

دوسرا درباری : لیکن اس بے چاری کا تو نام و نشان بھی موجود نہیں۔

تیسرا درباری : ذرا دیکھنا۔

چوتھا درباری : ہیں یہ کیا۔

پانچواں درباری : وہ تو واپس آ رہا ہے۔

شعبدہ باز : حضور والا کے اقبال سے دشمن پر فتح پا کر آ رہا ہوں۔ جو اعضا وغیرہ کٹ کر گرے تھے وہ میرے دشمن کے تھے۔ از راہ کرم میری بیوی میرے سپرد کر دی جائے۔

بادشاہ : تمھاری بیوی۔ تمھاری بیوی تو تمھارے جسم کے ٹکڑوں کے ساتھ ستی ہو گئی۔ ہم نے اور اس نے بھی سمجھا کہ وہ اعضا تمھارے ہیں۔ بلکہ تمھاری بیوی نے تو تمھارے دھڑ اور بازو کو پہچان بھی لیا تھا۔

شعبدہ باز : (روتا پیٹتا ہوا) ہائے میری رانی تو مجھے پردیس میں چھوڑ کر کہاں چلی گئی۔ میں اب کس منہ سے واپس گھر جاؤں گا۔ ہائے اب میں کیا کروں۔ بادشاہ

www.taemeernews.com

سلامت اپنی دھرم پتنی کے بغیر میرے لیے زندہ رہنا ناممکن ہے۔ اپنے وطن سے ہم اکٹھے چلے تھے۔ زندگی کے رنج و راحت میں برابر کے شریک تھے۔ اب جبکہ وہ اس دنیا میں نہیں تو میں بھی زندگی کو بے سود سمجھتا ہوں۔ میرے لیے بھی چتا کا انتظام کیا جائے تاکہ میں بھی وہیں پہنچ جاؤں جہاں وہ جاچکی ہے۔

بیوی کی آواز : میرے پتی دیو۔ خودکشی نہ کرو۔ میں زندہ ہوں۔ میں تو تمھیں تلاش کرنے گئی تھی۔ پرماتما کا ہزار ہزار شکر ہے کہ تم لڑائی سے صحیح سلامت واپس آئے اور دشمن کا خون بہا کر آئے ہو۔

ملی جلی آوازیں : بھئی واہ۔ کمال کی حد ہو گئی۔ کیا کہنے تمھارے کمال کے۔ بھئی بہت اچھے خوب رہا یہ نظارہ۔

(تالیوں کی آواز)

بادشاہ : مابدولت تمھارے اس کام سے بہت خوش ہوئے ہیں۔ یہ پروانہ لو اور شاہی خزانے سے پچاس ہزار روپے اور خلعتیں حاصل کرو۔

ایک آواز : دس ہزار روپیہ مجھ سے بھی لے لو۔

دوسری آواز : پانچ ہزار مجھ سے لے لو۔

تیسری آواز : تین ہزار مجھ سے۔

چوتھی آواز : چھ ہزار مجھ سے۔

پانچویں آواز : دو ہزار مجھ سے۔

شعبدہ باز : خدائے ذوالجلال حضور کا اقبال اور بلند کرے۔ آپ کی سلطنت وسیع ہو۔ کامیابی آپ کے قدم چومے اور آپ کے دشمن ہمیشہ ذلیل و خوار ہوں۔

ایک آواز : آمین!

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

طنز و مزاح

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

احمد جمال پاشا

اب تب اور اب نہ تب

ایک بادشاہ بہت عقلمند تھا۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ ایک دن اس نے اپنے وزیر سے کہا "میں آج تمھیں آزمانا چاہتا ہوں۔ اگر تم امتحان میں پورے اترے تو اپنی سلطنت تمھیں دے دوں گا اور ناکام ہوئے تو تمھیں قتل کر دیا جائے گا۔ لو یہ تین اشرفیاں اور ان میں سے ایک اشرفی کی "اب" دوسری کی "تب" اور تیسری کی "اب نہ تب" خرید کر دو دن کے بعد میرے حضور میں پیش کرو۔"

بادشاہ کی اس عجیب و غریب فرمائش پر وزیر بے چارے کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ڈرتا کانپتا محل سے نکلا۔ دن بھر بازار میں مارا مارا پھرتا رہا مگر اسے بادشاہ کی چیزیں نہ مل سکیں۔ غمزدہ وزیر رات کو ناکام اپنے محل میں واپس آگیا۔

وزیر کی بیوی نے جب اپنے شوہر کو انتہائی نروس دیکھا اور اس کا سبب پوچھا تو وزیر نے بیوی کو سب قصہ سنا دیا۔ وزیر اور اس کی مسز میں بات چیت ہو رہی تھی کہ اچانک ایک فقیر نے محل کے پھاٹک پر صدا لگائی "خدا کے نام پر تم میری مشکل آسان کرو، خدا تمھاری مصیبت دور کر دے گا۔"

یہ آواز سنتے ہی وزیر نے فوراً فقیر کو محل میں بلا لیا اور کھانا کھلانے کے بعد سارا قصہ سنا دیا۔ قصہ سننے کے بعد فقیر نے (جو کہ بہت ہی پہنچا ہوا تھا) وزیر سے کہا "چلو، میں بازار میں تینوں چیزیں تمھیں خرید وا دوں۔"

www.taemeernews.com

بازار پہنچ کر فقیر نے وزیر سے کہا "سامنے والی دکان سے بادشاہ سلامت کے لیے ایک اشرفی کی مٹھائی خرید لو۔ اور ایک اشرفی اس شخص کو دے دو جو سامنے معذور اور اپاہج بیٹھا ہوا ہے اور تیسری اشرفی اس آوارہ اور بد چلن آدمی کو دے دو جو سڑک پر بیٹھا شراب پی رہا ہے۔"

وزیر نے حیران ہو کر پوچھا "بابا یہ بادشاہ سلامت کے مطلب کی چیزیں کیسے ہوئیں؟۔"

فقیر نے کہا "بادشاہ کو ان ہی چیزوں کی ضرورت ہے۔ وہ اس طرح کہ مٹھائی تو بادشاہ کے لیے "اب" ہوئی۔ اپاہج شخص کو تم نے ایک اشرفی دی ہے اس سے بادشاہ کو "تب" ملے گا۔ یعنی دوسرے جہان میں یہ کام آئے گی۔ اور جو اشرفی شرابی کو دی گئی ہے اس سے "اب نہ تب" ملے گا۔ اس لیے کہ یہ تو ضائع گئی۔"

فقیر کی باتیں سن کر وزیر بہت خوش ہوا "اب تب اور اب نہ تب" خریدنے کے بارے میں بادشاہ سلامت کو رپورٹ دی۔

بادشاہ سلامت وزیر باتدبیر کی عقلمندی سے بہت خوش ہوئے اور وعدے کے مطابق اپنی سلطنت ان کے حوالے کر کے خود دربار سے مسجد میں چلے گئے اور بقیہ عمر یادِ الٰہی میں بسر کر دی۔

www.taemeernews.com

راجہ مہدی علی خاں

درختوں کے آگے

درختوں کے آگے مکاں اور بھی ہیں
شرارت کے کچھ آستاں اور بھی ہیں
چچی اور خالہ ہی دشمن نہیں ہیں
ہمارے بہت مہرباں اور بھی ہیں
جو ابا نے گھر سے نکالا تو کیا غم
"مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں"
ہوئے فیل اگر ہم تو کیا فکر اس کی
بہت سے ابھی امتحاں اور بھی ہیں
پچے ہو تو نارنگیاں لے کے بھاگو
کہ اس باغ میں باغباں اور بھی ہیں
پڑے نیل پٹ کر نہ رو رو کے دیکھو
کہیں پر چھپے کچھ نشاں اور بھی ہیں
رلانے کو اک آسماں ہی تھا کافی
سنا ہے کہ چھ آسماں اور بھی ہیں

www.taemeernews.com

ضیا نقوی واہی

نورِ چشم

رہتے تھے اک بزرگ مرے گھر کے متصل
تھا جن کے نورِ چشم سے شیطان بھی خجل
تھا یوں تو نورِ چشم کا نو دس برس کا سن
لیکن ابھی سے آپ تھے اک روگ مستقل
اہلِ محلّہ کانپتے رہتے تھے خوف سے
تھے یوں سوار ان کے کلیجے پہ بن کے سل
گھر میں کسی کے گھس کے چرا لائے مرغیاں
چپکے سے بیچ آئے پڑوسی کی سائیکل
جب بھی گئے دکان پہ کسی کام کے لیے
دھیرے سے جیب میں کوئی شے کر لی منتقل
ہر وقت سوجھتی تھی شرارت نئی نئی
دن رات توڑ پھوڑ میں لگتا تھا خوب دل
ہوتی تھی خوب مار کٹائی بھی آپ کی
لیکن مجال کیا جو طبیعت ہو منفعل

www.taemeernews.com

نورِ چشم

تعلیم سے تھا آپ کو اک بغض للّٰہی
پڑھنے کا نام سنتے ہی ہوتے تھے مضمحل
گو والدین پر تھے عیاں گُن سپوت کے
ان کے معاملات میں ہوتے نہ تھے مخل
آخر جو سر سے پانی زیادہ گزر گیا
اک وفد ان کے والد ماجد کے گھر گیا
سب نے یہ دست بستہ کہا آنجناب سے
للّٰہ بخش دیجئے ہم کو عذاب سے
لختِ جگر نے آپ کے ناکوں میں دم کیا
ہم میں کوئی بچا نہیں ان کے عتاب سے
دنگا، فساد، جیب تراشی، فریب، جھوٹ
چھوٹا نہیں ہے کچھ بھی شرارت مآب سے
تعلیم و تربیت کا یہی خاص وقت ہے
اب آپ کام لیجئے کچھ رعب داب سے
نورِ نظر کو کام کا انساں بنائیے
ورنہ سدھر سکیں گے نہ وہ اس حساب سے
بل ابروؤں پہ ڈال کے یوں بولے وہ بزرگ
حیرت میں پڑگئے سبھی ان کے جواب سے
فرمایا آپ نے کہ "یہ بکواس ہے فضول
میں مشورہ طلب تو نہیں ہوں جناب سے
جس راہ پر لگا ہے وہی راہ ہے درست
کیوں آپ کو جلن ہے مرے ماہتاب سے
پڑھ لکھ کے ڈاکٹر نہ پلیڈر بنے گا وہ
ہوکر جوان قوم کا لیڈر بنے گا وہ"

www.taemeernews.com

سرور جمال

دھڑاپا

عنوان پڑھ کر چونکو نہیں۔ شاید لفظ "دھڑاپا" آج تم نے پہلی بار سنا ہے۔ میں نے بھی ایک دن پہلی ہی بار سنا تھا۔ لیکن آج نہیں۔ اپنے بچپن میں۔ جب میں نے یہ کہانی پہلی مرتبہ سنی تھی۔ اور جب تم یہ کہانی پوری سن لو گے تو تمھیں بھی معلوم ہو جائے گا کہ "دھڑاپا" کسے کہتے ہیں۔

ہاں تو ایک گاؤں میں ایک برات بڑی دھوم دھام سے داخل ہوئی۔ برات ابھی دلہن کے گھر تک بھی نہ پہنچی تھی کہ کہیں سے ایک 'دھڑاپا' آگیا۔ دھڑاپا اور اس کے کچھ مددگار۔ پھر کیا تھا۔ اس نے دھڑ پڑ، دھڑ پڑ، طرح طرح کی آتش بازیاں چھوڑنا شروع کر دیں۔ بڑے بڑے انار، چرخیاں، مہتابیاں، سات آواری، چھچھوندر، چوہا، بلی، گھن چکر، پٹاخے، دھماکے غرض برات کے آگے پیچھے، اوپر نیچے، دائیں بائیں ہر طرف آتش بازیاں ہی آتش بازیاں چھوٹ رہی تھیں۔

برات والے بے حد خوش تھے۔

دلہن والے بے حد خوش تھے۔

دولہا والے بے حد خوش تھے۔

اور گاؤں والے تو سب سے زیادہ خوش تھے۔

رات بھر خوب جشن رہا۔ دھڑاپا نے خوب ہی دھڑ پڑ مچائی۔ اس کی بڑی آؤ بھگت

www.taemeernews.com

ہوئی۔

صبح کو دھڑ اپا اٹھا تو اس نے پورے تماشے کا بل بنایا۔ بل بنا تین ہزار روپے۔ اس نے دولہا کے باپ کو بلایا اور کہا "اچھا جناب، میرا کام تو ختم ہو چکا اس لیے اب میں جاتا ہوں۔ یہ رہا میرا بل۔"

دولہا کا باپ بولا "کیسا بل؟ میں نے تو تمھیں نہیں بلایا تھا۔"

دھڑ اپا نے دلہن کے باپ سے کہا "اچھا، تو آپ ہی بل ادا کیجیے۔"

دلہن کا باپ بولا "کیسا بل؟ میں نے تو تمھیں نہیں بلایا تھا۔"

دھڑ اپا نے بل دونوں کے سامنے رکھ دیا۔

"تین ہزار روپے۔" دولہا کا باپ چلایا۔

"تین ہزار روپے۔" دلہن کا باپ چلایا۔

"میں تو یہ سمجھا کہ تم برات کے ساتھ ہو۔" دلہن کا باپ بولا۔

"اور میں یہ سمجھا تھا کہ تم دلہن والوں کی طرف سے ہو۔" دولہا کا باپ بولا۔

"آپ راجا ہو کر ایسی باتیں کرتے ہیں۔" دھڑ اپا غصے سے چیخا۔

"یہاں راجا کون ہے؟" دولہا کا باپ بولا۔

"میں راجا نہیں ہوں۔" دلہن کا باپ بولا۔

"تو پھر راجا وکرم سنگھ کون ہے۔ جس نے اپنے لڑکے کی شادی پر مجھ کو بلایا تھا؟۔"

"راجا وکرم سنگھ! وہ تو ایک گاؤں آگے رہتے ہیں۔" کئی گاؤں والے ایک ساتھ بولے۔

لیکن اب کیا ہوتا۔ بے چارہ دھڑ اپا تو لٹ ہی گیا۔ وہ شہر سے کئی گاؤں پار کرتا ہوا چلا آرہا تھا۔ دور سے ہی برات کی چھم چھم سن کر اور اس کی شان و شوکت دیکھ کر وہ سمجھا کہ یہ بارات راجا صاحب کے لڑکے ہی کی ہے۔ اور یہ سمجھتے ہی اس نے دھڑ دھڑ شروع کر دی تھی۔ لیکن اس غریب کے تو لینے کے دینے ہی پڑ گئے۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔

آخر باراتیوں نے اور گاؤں والوں نے مل کر کچھ چندہ جمع کیا اور دھڑ اپا کی واپسی کا انتظام کیا۔

اب جب کوئی دھڑ اپا کسی گاؤں میں جاتا ہے تو جب تک چار پانچ گاؤں میں پوچھ کر

www.taemeernews.com

اطمینان نہیں کر لیتا کہ کہیں ایک گاؤں پہلے کی بارات میں تو نہیں جا پہنچا، اپنی دھڑ پڑ شروع نہیں کرتا۔ اس لیے اگلی بار تم کسی بارات میں جاؤ تو یہ پتہ ضرور لگا لینا کہ دھڑ اپا کو واقعی بلایا گیا ہے یا وہ غلطی سے وہاں آ گیا ہے، ورنہ تمھیں بھی دھڑ پڑ کا چندہ دینا پڑے گا۔

www.taemeernews.com

شفیقہ فرحت

کرکٹ۔ ہماری، آپ کی

کولڈ کافی سے لے کر ہر طرح کے بدرنگے کولڈ ڈرنکس پینا، چائنیز میں بیٹھ کے اور اگر بیٹھنے کی جگہ نہ ملے تو کھڑے کھڑے بساندی ڈیشیں کھانا، انگلش فلمیں دیکھنا، ریپ میوزک سننا اور کرکٹ میں بے پناہ دلچسپی لینا ہائی کلاس ماڈرن سوسائٹی کے "موز" ٹیسٹ ہیں۔

جو خدانہ خواستہ ہزار کوشش کے بعد بھی ٹھنڈی کافی اور بوتلوں والے بے مزہ ڈرنکس آپ کے حلق سے نہیں اترتے اور چینی کھانوں میں تیرتے کیچوے، کیکڑے دیکھ کر آپ کو ابکائی آتی ہے۔ اسّی فیصدی انگریزی فلموں سے وحشت، بریک ڈانس اور شیک میوزک سے سر میں درد ہوتا اور کرکٹ یا اس کی کمنٹری سے بلڈ پریشر بڑھتا ہے تو سمجھ لیجیے کہ ان لوگوں کی نظروں میں آپ سے زیادہ بدذوق اور قابلِ رحم کوئی نہیں۔ بچہ بچہ آپ کو حیرت سے دیکھے گا کہ آپ نے تو اسکول اور کالج کی لٹیا ہی ڈبو دی۔ خاک پڑے ایسی تعلیم پر اور لعنت ہے ایسے انگلش میڈیم پبلک اسکولوں پر جو آپ کو اتنا بھی مہذب نہ بنا سکیں کہ POP میوزک کے ساتھ آپ کا سر بھالو والے کی ڈگڈگی کی طرح نہ ہلنے لگے اور کرکٹ میچ پر آپ بھائی مجنوں کی طرح اچھل کود نہ مچا سکیں، خیر صاحب کولڈ کافی، کولڈ ڈرنکس، چائنیز فوڈ وغیرہ وغیرہ کی بساط ہی کیا۔ اس سے تو آپ سو طرح سے دامن بچا سکتے ہیں۔۔۔ ایسے موقعوں پر خدا کے بعد "الرجی" کا سہارا لیا جا سکتا ہے۔ چٹخارے لے لے کر قورمہ بریانی

www.taemeernews.com

کھائیے اور دوستوں سے کہتے جائیے:

"بھئی سوچو تو سہی یہ قورمہ کباب بریانی بھی بھلا کوئی کھانے کی چیزیں ہیں۔ کھانا تو واللہ چائنیز ہوتا ہے۔۔۔۔ آہاہا۔۔۔۔ کیا رنگ۔۔۔۔ کیا روپ۔۔۔ کیا خوشبو۔۔۔۔ کچوا پلاؤ۔۔۔۔ کیکڑا سوپ۔۔۔۔ کاکروچ فرائڈ۔۔۔۔ واہ واہ۔۔۔۔ کروم، کروم۔ لیکن کیا کریں۔۔۔۔ سخت الرجی ہو جاتی ہے منہ میں رکھتے ہی۔

سب سے آپ بچ سکتے ہیں۔ لیکن نہیں بچ سکتے تو کرکٹ سے۔ ہمارے زمانے میں تو یہ صرف سال میں ایک مرتبہ یعنی سردی کی سردی ہوا کرتے تھے۔ (مگر پورے پانچ پانچ دن) اور کمنٹری ہوتی تھی صرف ریڈیو پر۔

مگر اب یعنی آپ کے دور میں موسم کی کوئی قید نہیں۔ بلکہ دن اور رات کا فرق باقی نہیں رہ گیا۔ دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں سورج چمکتا ہی رہتا ہے اور موسم میں خنکی ہوتی ہے اور بجلی، کولر، ہیٹر کے سہارے رات کو دن اور گرم کو ٹھنڈا بنانا کون بڑی بات ہے۔ سو اب دن رات ٹی وی ہے، آپ ہیں اور چوے چھکے ہیں اور دھکے کے ہیں۔ دودھ پیتے بچے، ماں باپ، خالہ ماموں، چچا پھوپھی کو پہچانیں نہ پہچانیں مگر اظہر، تیندولکر، عمران خاں اور وسیم اکرم کو یقیناً جانتے ہیں۔ اور انھیں کلمہ یاد ہو نہ ہو، ہر میچ کا پورا پورا اسکور ضرور رٹا ہوا ہوگا۔

مگر اب آپ سے کیا چھپائیں کسی زمانے میں ہم بھی اپنی بساط بھر اس میں دلچسپی لیتے تھے اور ہندوستان و آسٹریلیا کے درمیان ہونے والا ایک ٹیسٹ بھی گراؤنڈ پہ جاکے دیکھا تھا۔ پورے پانچ دن تک اور اس کے نتیجے میں سارا سال پوری کلاس کی لڑکیوں پہ رعب جمایا تھا۔ ہر طرف ہماری شہرت تھی کہ بھئی یہی ہیں وہ جنھوں نے ٹیسٹ میچ دیکھا ہے۔"

اسی کارنامے کی وجہ سے ہمیں نہ صرف ششماہی امتحان کے ہر مضمون میں پاس کر دیا گیا تھا بلکہ سال کے باقی مہینوں کے لیے کلاس مانیٹر بھی بنا دیا گیا تھا۔ ورنہ پڑھائی میں جو ہمارا حال تھا وہ ہم ہی جانتے ہیں یا پھر ہمارا خدا۔

ہوتے ہوتے اس اکلوتے کرکٹ میچ دیکھنے کی شہرت ہماری پرنسپل صاحب کے کانوں تک بھی پہنچی اور انھوں نے اسپورٹس ڈے میں ہمیں ایک اسپیشل ایوارڈ دیا۔

ویسے انعام دینے سے پہلے انھوں نے بہت کوشش کی کہ ہم انٹرنیشنل کرکٹ کی طرح اسکول میں ہونے والے مختلف کھیلوں میں بھی دلچسپی لیں اور یہاں بھی وہی شہرت

www.taemeernews.com

حاصل کریں۔ لیکن اپنی اس مہم میں وہ اوران کے اسٹاف کی پوری ٹیم کامیاب نہیں ہو سکی۔ کیونکہ اسپورٹس سے ہماری دلچسپی کھیلنے سے نہیں کھلانے سے تھی اور خود گراؤنڈ پر اترنے کے بجائے دوسروں کو میدان میں دھکیل دیا کرتے تھے۔ اور پھر ہارنے والوں اور جیتنے والوں دونوں پر ہوٹنگ کرتے اور دونوں کی طرف سے تالیاں بجاتے۔ اس لیے کسی کپ یا میڈل کی کبھی کوئی گنجائش نہ نکل سکی۔

اور اب جو موقعہ آیا تو ایسا سنہرا۔ ایسا شاندار کہ پرنسپل صاحب بھی بھڑک اٹھیں اور اپنی پچھلی زیادتیوں کی پردہ پوشی کرتے ہوئے ہمیں خاص انعام یعنی ایک بڑا سا کپ دیا گیا۔ پہلے نمبر والے کپ سے بھی بڑا۔

داستان کرکٹ کی بہت لمبی ہے۔ ٹیسٹ سیریز کی طرح۔ لیکن ہم ون ڈے میچ کی طرح اسے ختم کرتے ہیں کہ شام کا اندھیرا پھیل رہا ہے اور وقت ختم ہو رہا ہے۔

آپ بھی انتظار کیجئے۔ کسی نہ کسی ملک کے کسی نہ کسی شہر میں ہونے والے میچ کا کہ ہر چیز سے آپ بچ سکتے ہیں۔ کرکٹ سے نہیں۔ یہ وہ جادو ہے جو سر چڑھ کر بولتا ہے۔

سو اس جادو کے بقیہ منتر اور بول ہم پھر کبھی آپ کو سنائیں گے۔

www.taemeernews.com

کنہیالال کپور

ہر فن مولا

سب قصور اس کتاب کا تھا جو پنڈت بھولا رام نے ایک کباڑی سے اڑھائی آنے میں خریدی تھی۔ کتاب کا نام تھا "جدید ہر فن مولا۔" اس میں دیسی صابن بنانے سے لے کر ریڈیو سٹ تک مرمت کرنے کے طریقے درج تھے۔ کتاب حاصل کرنے کے بعد پنڈت بھولا رام کو ایسا محسوس ہوا جیسے انھیں دبا ہوا خزانہ مل گیا ہے۔ گھر میں قدم رکھتے ہی انھوں نے پکار کر کہا "شمبھو کی ماں ذرا ادھر آئیو۔ دیکھو ہم تمھارے لیے کیا لائے ہیں۔"

شمبھو کی ماں کو رس گلے بہت بھاتے ہیں اس لیے اس نے یہ سمجھا کہ پنڈت جی اس کی مرغوب مٹھائی لائے ہیں۔ ویسے بھی مہینے کی پہلی تاریخ تھی۔ جب پنڈت جی کو تنخواہ ملا کرتی تھی۔ چنانچہ وہ بھاگم بھاگ پنڈت جی کے پاس آئی اور مسکرا کر کہنے لگی "گھوش بابو کی دکان سے لائے ہیں نا۔"

"اری نہیں۔ یہ تو فضلو کباڑی کے یہاں سے ملی ہے۔ ایک بہت بڑے ڈھیر کے نیچے دبی پڑی تھی۔ شکر ہے کسی کی نظر نہیں پڑی۔ نہیں تو عمر بھر انتظار کرنا پڑتا۔"

شمبھو کی ماں ذرا موٹی عقل کی عورت ہے۔ اس نے یہ سمجھا کہ رس گلے نہیں برفی ہے۔ حیران ہو کر پوچھنے لگی "اچھا تو فضلو کباڑی اب برفی بھی تیار کرنے لگ گیا ہے۔"

پنڈت جی نے پنڈتانی کی سادہ لوحی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا "شمبھو کی ماں پرماتما جانے تمھیں کب عقل آئے گی۔ اری فضلو کباڑی بھلا برفی کیوں بیچے گا۔ یہ تو ایک نایاب

www.taemeernews.com

کتاب ہے۔ نام ہے "جدید ہر فن مولا۔" شمبھو کی ماں کا چہرہ اتر سا گیا۔ پھٹی پھٹی نگاہوں سے پنڈت جی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "بھاڑ میں جائے فضلو کباڑی اور چولہے میں جائے کتاب۔ مہینہ کی پہلی کو بھی منہ میٹھا نہ کیا تو پھر کب کریں گے۔"

"اری شمبھو کی ماں، یہ معمولی کتاب نہیں۔ اس میں دس باب ہیں۔ پہلا باب ہے صابن سازی۔ دوسرا مکمل مرغی خانہ۔ تیسرا گھر کا درزی۔ چوتھا میٹھی گولیاں بنانا۔ پانچواں بوٹ پالش بنانے کی ترکیب۔ چھٹا۔۔۔"

"بس بس رہنے دیجئے۔ یونہی کہیے کہ سارے زمانے کا کوڑا کرکٹ اس کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے۔ پنڈت ہو کر اب بوٹ پالش بنائیے گا۔"

"ارے نہیں۔ تمھیں بوٹ پالش پسند نہیں تو نہیں بناؤں گا۔ لیکن پاؤڈر کریم بنانے میں کیا حرج ہے۔"

"جی ہاں، میں اس عمر میں کریم اور پاؤڈر لگاؤں گی۔" اور پنڈتانی منہ لٹکا کر کچن میں چلی گئی۔

پنڈت جی کرسی پر بیٹھ کر کتاب کا باقاعدہ مطالعہ کرنے لگے۔ ہر پانچ سات منٹ کے بعد کرسی سے اچھل کر کہتے "دوماراب اچار اور مربے خود ہی ڈالا کریں گے۔۔۔ ارے واہ کوٹ اور پتلون سینا تو کوئی مشکل نہیں۔۔۔ اچھا تو تھ پیسٹ میں صرف یہ تین چیزیں ہوتی ہیں۔ بھئی خوب۔ موم بتی پانچ منٹ میں تیار کی جاسکتی ہے۔۔۔ اچھا مچھر مار تیل کا نسخہ یہ ہے۔"

ادھر پنڈتانی کچن میں بیٹھی یہ سوچ رہی تھی کہ پنڈت جی یا تو پاگل ہو گئے ہیں یا بہت جلد ہونے والے ہیں۔ دوسرے دن اتوار تھا۔ پنڈت جی نے شمبھو کی ماں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "تمھاری رسٹ واچ ہر روز سات منٹ پیچھے ہو جاتی ہے۔ لاؤ ذرا اسے ٹھیک کر دوں۔"

"رہنے دیجئے۔" پنڈتانی نے بھنا کر کہا "آپ کہاں کے گھڑی ساز ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ کل تک ہم گھڑیوں کے پرزوں کے متعلق اتنا ہی جانتے تھے جتنا کہ تم۔ لیکن اس کتاب کو پڑھنے کے بعد یوں لگتا ہے جیسے ہمارا پیشہ لڑکوں کو پڑھانا نہیں گھڑیاں درست کرنا ہے۔"

www.taemeernews.com

"نہیں، میں گھڑی نہیں دوں گی۔"

"اری خواہ مخواہ ضد کرتی ہو بس پانچ منٹ کی بات ہے۔ اگر ایک منٹ پیچھے رہے تو نام بدل دینا۔"

پنڈتانی نے پنڈت جی کا اعتبار بالکل نہ کرنے کے باوجود انھیں اپنی رسٹ واچ دے دی۔ انھوں نے پیچ کش کی مدد سے اسے کھولا۔ گھڑی بے حد نازک تھی۔ سکنڈ کی سوئی فرش پر گری اور کوشش کے باوجود ہاتھ نہ آئی۔ منٹ کی سوئی نکال رہے تھے کہ دباؤ زیادہ پڑنے کی وجہ سے عین درمیان سے ٹوٹ گئی۔ ایکسل کا بھی یہی حشر ہوا۔ پانچ چھ پیچ بھی ادھر ادھر ہوگئے۔ پنڈت جی بہت گھبرائے۔ پنڈتانی سے کہا 'ہمسایہ سے تھوڑا سا پٹرول مانگ لائے۔ جب پٹرول کٹوری میں لایا گیا تو انھوں نے تمام پرزے اس میں ڈالتے ہوئے کہا "دو چار منٹ میں یہ صاف ہو جائیں گے۔ انھیں اپنی جگہ لگادوں گا۔ جو پرزے کم ہوگئے ہیں وہ بازار سے لے آئیں گے۔ پھر دیکھنا جو ایک سکنڈ بھی پیچھے رہ جائے۔"

پنڈت جی نے یہ وقفہ گزارنے کے لیے سگریٹ سلگایا، بے دھیانی میں جلتی ہوئی دیا سلائی کٹوری میں پھینک دی۔ کٹوری سے ایک شعلہ لپکا۔ پنڈت جی کی داڑھی جھلنے سے بال بال بچ گئی۔ گھبرا کر چلانے لگے۔ "ریت ریت۔ اری بھاگ کر ریت لاؤ۔"

جب تک ریت آئی تمام پرزے جھلس کر تباہ ہوگئے۔ پنڈتانی نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھالیا "ہائے میری ڈیڑھ سو روپے کی گھڑی کا ستیاناس کر دیا۔"

پنڈت جی نے جھڑک کر کہا "کیا بکواس لگا رکھی ہے۔ شکر نہیں کرتی کہ ہم جھلنے سے بچ گئے۔ جان ہے تو جہان ہے، گھڑی کا کیا ہے۔ نئی آجائے گی۔"

چند دن پنڈت جی نے کتاب کو ہاتھ نہ لگایا۔ ایک دن پنڈتانی سودا سلف خریدنے گئی۔ پنڈت جی کو ترنگ آئی۔ الماری سے کتاب کو نکالا، اتفاق سے جوں ہی اسے کھولا نظر اس عنوان پر پڑی۔ "کوٹ اور پتلون کی کٹائی۔" باچھیں کھل گئیں۔ ان کے پاس ایک گرم سوٹ کا کپڑا تھا۔ اسے نکالا اور قینچی اور فیتہ لے کر کتاب میں سے دیکھ دیکھ کر پتلون اور کوٹ کی کٹائی کرنے لگے۔ جب پتلون کی کٹائی ختم کر کے کوٹ کے کالر کاٹ رہے تھے تو یکلخت پنڈتانی کمرے میں داخل ہوئی۔ پنڈت جی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ کہنے لگے "یوں ہی بیکار بیٹھا تھا۔ سوچا کہ کوٹ اور پتلون تیار کرلوں۔"

www.taemeernews.com

پنڈ تائن نے غصہ سے کہا "ہاں، ہاں۔ گھڑی کے بعد اب گرم کپڑے کی شامت آئی۔"

"ارجی نہیں۔ وہ تو ایک سانحہ تھا۔ آخر زندگی میں سانحے بھی ہوتے ہیں۔ اس بار غلطی نہیں ہوگی۔ ہر حصے کی کٹائی کتاب میں تین بار دیکھنے کے بعد کی ہے۔

"اچھا ذرا دیکھوں ـــــ بھلا پتلون کی لمبائی کتنی رکھی ہے؟"

"لمبائی، یہی بس چوالیس انچ۔"

"ہائے رام۔ اتنی لمبی پتلون آپ پہنیں گے۔"

"لمبی کہاں ہے۔ کتاب میں یہی لمبائی لکھی ہے۔"

"لائیے ذرا کتاب۔"

کتاب پڑھنے کے بعد پنڈ تائن نے قہقہہ لگایا اور کہا "معلوم ہوتا ہے آپ کی عقل گھاس چرنے گئی ہے۔ چوالیس انچ تو پڑھ لیا۔ یہ نہیں پڑھا کہ یہ لمبائی اس شخص کے پتلون کی ہے جس کا قد چھ فٹ ہو۔ اور آپ کا قد تو خیر ساڑھے چار فٹ ہے۔"

پنڈت جی نے ذرا بھی نہ جھینپتے ہوئے فرمایا "تو کیا ہوا۔ کل باز خاں پٹھان کو دے دیں گے۔ اس کا قد چھ فٹ ہے۔"

دو تین ماہ بعد پنڈت جی کو پھر شوق چرایا کہ "جدید ہر فن مولا" کی ورق گردانی کی جائے۔ پنڈ تائن مندر میں ست نارائن کی کتھا سننے گئی تھی۔ انھوں نے آٹھواں باب پڑھنا شروع کیا۔ اس میں ریڈیو سٹ مرمت کرنے کا بیان تھا۔ پنڈت جی کے ریڈیو سٹ کی آواز میں گڑبڑ ہو رہی تھی۔ پنڈت جی نے پیچ کش سے ریڈیو سیٹ کا پچھلا حصہ کھولا۔ جوں ہی پیچ کش نے ایک پیچ کو چھوا، انھیں زور سے دھچکا لگا اور وہ اوندھے منہ فرش پر گر کر بے ہوش ہو گئے۔ جب انھیں ہوش آیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہسپتال میں ایک بستر پر لیٹے ہوئے ہیں اور پنڈ تائن کے علاوہ چند دوست ان سے پوچھ رہے ہیں کہ اب طبیعت کا کیا حال ہے۔ سانحہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ ریڈیو کھولنے سے پہلے پلگ (PLUG) کو علیحدہ نہیں کیا تھا۔

پنڈ تائن نے سب کے سامنے پنڈت جی سے قسم کھلوائی کہ اچھا ہونے کے بعد وہ

www.taemeernews.com

"جدید ہر فن مولا" کو اپنے گھر میں نہیں رکھیں گے۔

پنڈت جی ہسپتال سے گھر لوٹے۔ اور سب سے پہلا کام انھوں نے یہ کیا کہ "جدید ہر فن مولا" فضلو کباڑی کو واپس کر دی۔ سنا ہے کتاب کے ساتھ انھوں نے اڑھائی آنے بھی ادا کیے۔

www.taemeernews.com

یوسف ناظم

کدّو عرف لوکی

کدو بھی کیا ترکاری ہے۔اس کے دو نام ہیں۔ایک نام زنانہ ایک مردانہ۔اس کا زنانہ نام لوکی ہے۔لوکی اچھی ہوتی ہے جب کہ کدو اچھا ہوتا ہے۔دونوں کا مزا لیکن ایک سا ہوتا ہے۔منہ کا ذائقہ نہیں بدلتا۔بس زبان بدل جاتی ہے۔یہی اس ترکاری کا کمال ہے۔ترکاری کی دکان پر جاؤ تو سب سے بلند و بالا ترکاری یہی کدو ہے۔اسے دیکھتے ہی یہ فقرہ زبان پر آجاتا ہے کہ کیا قد نکالا ہے۔کدو کی قسمیں بھی دو ہیں۔ایک طویل جسے یا تو کھڑا کرنا پڑتا ہے یا نوکری میں لٹانا پڑتا ہے۔لیٹا ہوا کدو ایک لمبے قد کے بچے کی طرح دکھائی دیتا ہے جو پالنے میں سو رہا ہو۔لمبے کدو بیٹھ نہیں سکتے (کدو کے گھٹنے نہیں ہوتے کہ موڑے جا سکیں) جس طرح لمبے کدو بیٹھ نہیں سکتے، بیٹھنے والے کدو کھڑے نہیں ہو سکتے۔ان کا نقشا زمین کی طرح گول ہوتا ہے۔زمین کی مثال شاید ٹھیک نہیں ہے۔یوں سمجھو یہ کدو۔والی بال کی طرح ہوتا ہے۔والی بال میں ہوا بھری ہوتی ہے۔اس میں گودا ہوتا ہے۔اس کدو کو دیکھ کر کبھی کبھی تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دکان پر کوئی سیٹھ بیٹھا ہے جس کی توند ذرا باہر کو نکلی ہوئی ہے۔لیکن یہ صرف نظر کا دھوکا ہے۔کیونکہ یہ سیٹھ نہیں ہوتا۔کدو ہوتا ہے۔گول کدو چونکہ جگہ زیادہ گھیرتے ہیں اس لیے کم تعداد میں پیدا ہوتے ہیں۔اگر زیادہ تعداد میں پیدا ہوتے بھی ہیں تو بازار میں نہیں لائے جاتے۔گھروں میں عام طور پر وہی کدو منگائے اور پکائے جاتے ہیں جو مٹی کے مادھو کی طرح بیٹھے ہوئے

www.taemeernews.com

نہ ہوں۔ آرام سے بیٹھنے والے کدوؤں کو شکر قندی کدو بھی کہا جاتا ہے۔ لوگ کچھ بھی کہیں، ہوتا تو وہ کدو ہی ہے۔ اور یہ شکر قند کیا چیز ہوتی ہے۔ شکر خود قند ہوتی ہے۔ اسے قند شاید اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا حلوہ بہت اچھا بنتا ہے۔ کدو ان ترکاریوں میں سے ایک ہے جس کا میٹھا بنایا جائے تو گاجر کے حلوے کو مات کردے۔ بس میٹھا بنانے والے کو میٹھا بنانا آنا چاہیے۔ ان دونوں میں ایک فرق یہ ہے کہ کدو کا میٹھا انگوری رنگ کا ہوتا ہے۔ اور گاجر کا سرخ انار کے رنگ کا۔ رنگ کے حساب سے دیکھا جائے تو یہ دونوں ترکاریاں پھل ہیں پھل۔ انھیں چولہے پر پکانا پڑتا ہے۔ ورنہ پھل تو درخت ہی پر پک جاتے ہیں۔ اب تو مٹھائی کی دکان پر بھی یہ میٹھا لڈو برفی کی طرح بکنے لگا ہے۔ حالانکہ یہ بھی شیر خرمے کی طرح گھروں میں بنائے جانے کی چیز ہے۔ کدو پر اگر آدمی تھوڑی محنت اور کرتا تو کدو بھی خربوزہ بن جاتا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ خربوزہ گھر کے آنگن میں پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ اسے ندی کا کنارہ چاہیے اور گھر کے آنگن میں نہر کہاں سے آئے گی۔ لیکن کدو گھریلو ترکاری ہے۔ اگر آپ کے گھر میں آنگن ہے اور آنگن میں کونے ہیں جو خالی پڑے ہیں تو ان چار کونوں میں سے کسی ایک کونے میں کدو پیدا کیا جاسکتا ہے۔ ترئی بھی اس کے ساتھ اگائی جاسکتی ہے۔ ان دونوں میں خوب نبھتی ہے۔ کچھ لوگ تو کدو کو آرام پہنچانے کی خاطر ایک منڈوا بھی بنا دیتے ہیں۔ وہ منڈوا نہیں جس میں دولہے بیٹھتے ہیں۔ اس پر تو بہت پیسہ خرچ ہوتا ہے۔ اسے سجانا پڑتا ہے، پھولوں کے ہار لٹکانے پڑتے ہیں (جس بچے کا بھی ہاتھ ان تک پہنچتا ہے وہ ایک پھول ضرور توڑ لیتا ہے)۔ روپہلے سنہرے پردے بھی ڈالنے پڑتے ہیں۔ ایک مخملی مسند اور دو تین کارچوبی گاؤ تکیوں کا انتظام کرنا پڑتا ہے تب کہیں جاکر دولہا اس میں بیٹھتا اور قاضی صاحب کے انتظار میں سوکھتا ہے، ویسے وہ پسینے میں تر رہتا ہے۔ کیونکہ وہ خود بھی سجا سجایا ہوتا ہے۔ اس کا چہرہ سہرے میں چھپا ہوتا ہے۔ بازوؤں پر بھی گجرے بندھے ہوتے ہیں لیکن وہ کچھ دیکھ نہیں سکتا۔ اس کی آنکھوں پر پٹی تو نہیں بندھی ہوتی لیکن پھولوں کی لڑیاں لٹکی ہوتی ہیں۔ دولہے کو اس وقت قاضی صاحب کے علاوہ اپنے جوتوں کی بھی فکر ہوتی ہے کہ کوئی ان سلیم شاہی جوتوں کو اڑا نہ لے۔ اور بعد میں اسے ان کی دوگنی قیمت دے کر چھڑانے پڑیں۔ دولہے کو

www.taemeernews.com

جوتے ہمشہ مہنگے پڑتے ہیں۔ ٹھہرو ہمیں یاد آیا، ہم کدو کے منڈوے کی بات کر رہے تھے یہ دولہا تو بیچ میں یوں ہی چلا آیا۔ کدو کی بیل کے لیے جو منڈوا تیار کیا جاتا ہے وہ گھر میں پڑی ہوئی پرانی لکڑیوں سے بنایا جاتا ہے۔ اس بات کی ممانعت ہوتی ہے کہ اس منڈوے میں کوئی نئی لکڑی لگی ہو۔ نئی لکڑی پر بیل چڑھنے میں وقت لگتا ہے۔ گھر میں جو کدو پیدا ہوتے ہیں وہ کھیت میں پیدا ہونے والے کدوؤں کے مقابلے میں ذرا دبلے ہوتے ہیں۔ ان کا قد بھی چھوٹا ہوتا ہے۔ لیکن ذائقے میں یہ اتنے ہی مزے دار ہوتے ہیں جتنے کہ بازار سے خریدے ہوئے کدو ہوتے ہیں۔ (گھر کی ترکاری کھا کر خوشی ذرا زیادہ ہی ہوتی ہے)۔

کدو کا گودا بہت نرم ہوتا ہے۔ رنگ سفید۔ ایسا معلوم ہوتا ہے سفید ریشم کا لچھا ہو۔ جی تو چاہتا ہے جس حالت میں ہے اسی حالت میں کھا لیا جائے۔ لیکن ایسا کرنا نہیں چاہیے۔ اسے پکانے میں دیر کتنی لگتی ہے۔ اس ترکاری کی خوبی یہ ہے کہ یہ روٹی کے بغیر بھی کھائی جاتی ہے۔ بس مسالے اچھے ہونے چاہئیں۔ دو لمبے لمبے کدو اگر بچوں کے ہاتھ میں تھما دیے جائیں تو بچے جنگ میں کافی دیر تک مصروف رہ سکتے ہیں۔ کدو تو نہیں ٹوٹیں گے لیکن بچوں کی اچھی خاصی ورزش ہو جائے گی۔ بھوک بھی کھل کر لگے گی۔ یہی دونوں کدو ان کے کام آئیں گے۔

آدمیوں کے مزاج کی طرح ترکاریوں کا بھی مزاج ہوتا ہے۔ آدمیوں کا مزاج تو خیر بدلتا رہتا ہے۔ جن لوگوں کو اپنے گھر میں غصے میں رہنے کی عادت ہوتی ہے ان کا غصہ دفتر میں قدم رکھتے ہی ختم ہو جاتا ہے۔ جو لوگ دفتر میں غصہ فرماتے ہیں گھر میں داخل ہوتے ہی بھیگی بلی بن جاتے ہیں۔ اسکے علاوہ عمر کے ساتھ ساتھ آدمی کا مزاج بھی بدلتا رہتا ہے۔ ترکاریوں میں ایسا نہیں ہوتا۔ ان کا جو بھی مزاج ہوتا ہے، برقرار رہتا ہے۔ لوکی کا مزاج ٹھنڈا ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے کھانے کے بعد ریفریجریٹر بن جاتا ہے۔ یا پیٹ میں ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگتی ہیں۔ مطلب یہ کہ کدو کی تاثیر میں ٹھنڈک ہوتی ہے۔ یہ ہضم بھی جلد ہو جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ آلو کی طرح ہضم ہونے میں دو گھنٹے لے لے۔ لیکن صرف کدو کے سہارے تو زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔ اس لیے ہر وہ ترکاری خواہ وہ زمین کے اندر پیدا ہوتی ہو چھپ کر یا زمین کے اوپر سب کی نظروں کے

www.taemeernews.com

سامنے، کھانی چاہیے۔

ہمارا کام تھا کہ ہم تمھیں کدو اور لوکی سے واقف کرادیں۔ اب تمھارا جو جی چاہے کھاؤ۔ کدو کھاؤ یا لوکی۔ تمھاری مرضی!

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

سفرنامہ

www.taemeernews.com

گوپی چند نارنگ

لندن اردو کا نیا گہوارہ

لندن کہنے کو شہر ہے، لیکن ایک پوری تہذیب، ایک پوری تاریخ، علم و ادب اور دانشوری کی ایک پوری روایت کا مظہر بھی ہے۔ اٹلانٹک میں اکڑوں بیٹھے ہوئے ایک چھوٹے سے جزیرے میں دھڑکتا ہوا یورپ کا دل سا۔ تاریخ نے صدیوں کے ورق پلٹ دیے، لیکن لندن آج بھی جوان ہے۔ بین الاقوامی تحریکیں خواہ وہ ایشائی افریقی ہوں، فرانسیسی، یورپی یا امریکی یہاں سب کی آویزش و پیکار دیکھی جا سکتی ہے۔ لندن آج بھی دنیا کی ایسی شہ رگ ہے جس سے اس کرۂ ارض کی تمام شریانوں میں تازہ علمی، ادبی، فکری، سماجی، سیاسی افکار کا نیا خون کسی نہ کسی طرح پہنچتا رہتا ہے۔ یہ تاریخ کی ستم ظریفی نہیں تو کیا ہے کہ انگریزوں کو ہم نے برصغیر سے کھدیڑ دیا اور خود لاکھوں کی تعداد میں آکر لندن اور اس کے نواح میں بس گئے۔ پچھلے دنوں لندن میں اردو کی کیسی کیسی شخصیتوں سے ملاقات ہوئی۔ بار بار محسوس ہوا کہ برصغیر سے باہر لندن بھی تو اردو کا ایک گہوارہ ہے۔ اردو کے کئی ادیب اور شاعر یہاں آکر بس گئے ہیں۔ فکر و اظہار کی ایسی فضا ہے کہ جو آتا ہے یہ زمین اس کی جڑیں قبول کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتی۔ غور کیجئے جس شہر میں فیض احمد فیض آتے جاتے رہتے ہوں جہاں ساقی فاروقی اور زہرہ نگار بستے ہوں، جہاں عبداللہ حسین، مشتاق احمد یوسفی، الطاف گوہر اور افتخار عارف جیسی شخصیتیں آباد ہوں، جہاں عاشق حسین بٹالوی، رالف رسل، ڈاکٹر فاخر حسین، خالد قاری، ڈیوڈ میتھیوز، ڈاکٹر ضیاء الدین

www.taemeernews.com

شکیب اور ڈاکٹر زوار حسین زیدی جیسے اہلِ قلم اردو کے لیے عرق ریزی کرتے ہوں، جہاں سے اردو کے ایک سے زیادہ روزنامے اور متعدد ماہنامے اور رسائل نکلتے ہوں، جہاں چپے چپے پر اردو کی انجمنیں، ادارے اور مجلسیں ہوں، وہ شہر اردو کا بین الاقوامی گہوارہ کیونکر نہ ہوگا۔

میں جس دن لندن پہنچا، موسم خلافِ معمول صاف تھا۔ ہلکی ہلکی گرمی تھی، اتنی کہ تھوڑی دیر کے لیے کوٹ اتار دینا پڑا۔ فضائی کنٹرولروں کی ہڑتال کی وجہ سے پرواز آٹھ نو گھنٹے لیٹ تھی۔ ساقی فاروقی نے سوچا ہوگا اب جہاز کیا آئے گا۔ موصوف سے بعد از سعی بسیار کیلی ڈونیا ٹرمنل پر ملاقات ہوئی۔ وہی مسکراتا چہرہ، چمکتی آنکھیں اور زوردار قہقہہ، بغل گیر ہوتے ہی بولے، یار آپ کی فلائٹ نے سارا پروگرام چوپٹ کردیا۔ پہلے افتخار عارف کو فون کیجیے، ان کے ساتھ آپ کو آج شام برمنگھم پہنچنا تھا۔ بی بی سی ٹیلی ویژن ریکارڈنگ کے لیے۔ وہ الگ پریشان ہوگا۔ میں نے کہا، میں رات بھر کا تھکا ہوں، اس وقت تو جتنی جلدی ہوسکے گھر چلو، وہاں سے جس کو چاہو گے فون کرلیں گے۔ ساقی نے اپنی گہرے سرخ رنگ کی وولوو میں بیٹھتے ہی میری جغرافیائی تربیت شروع کردی، آبادیاں اور علاقے سمجھاتے رہے۔ بیچ بیچ میں کوئی لطیفہ، قہقہہ، طنز، استہزا، کبھی کوئی اچھا شعر، غرض یہ محسوس ہی نہ ہونے پایا کہ ساقی شہر کے مرکز سے جنوب مغرب میں کتنی دور رہتے ہیں۔ مکان تو اچھا خاصا تھا لیکن معماروں، مزدوروں نے حلیہ خراب کر رکھا تھا۔ ساقی پہلے ہی بتا چکے تھے کہ موسم سے فائدہ اٹھا رہا ہوں، کچھ مرمت اور توسیع کا پروگرام ہے، گرمیوں میں نمٹ جائے تو اچھا ہے۔ بیوی اور بچی آسٹریلیا گئی ہوئی تھیں اور مطلع صاف، گویا گرجنے برسنے والوں کی عدم موجودگی سے ساقی فائدہ اٹھا رہے تھے۔ باہر پتھروں، ٹائلوں اور عمارتی ساز و سامان کا یہ حال تھا گویا بکنگھم پیلس کا باورچی خانہ یہیں تعمیر ہورہا ہے۔ ہمارے پہنچتے ہی چھوٹی سی ایک خوبصورت بلی ان کی منڈیر پر آکر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر میں ایک کالا بلا نمودار ہوا، اور چھتری کی طرح دم اٹھائے نہایت بے اعتنائی سے گزر گیا۔ ساقی نے اپنے خاندان کے معزز اراکین کا مجھ سے تعارف کراتے ہوئے کہا، یہ میکسی ہے، سالا بدمعاش مُنسی کے حصے کا دودھ بھی پی جاتا ہے۔ مُنسی نے خفت سے میاؤں کی اور ساقی کی کالی پتلون سے پیٹھ کھجانے لگی۔ گھر کا تالا بند تھا لیکن میکسی اور مُنسی فرشتوں کی طرح آجا رہے تھے۔

www.tabeernews.com

میں نے ادھر ادھر دیکھنا چاہا تو ساقی نے کہا ادھر پیچھے کی طرف کچن میں Cat Door ہے، وہاں سے یہ داخل ہو جاتے ہیں، آئیے پہلے آپ کو کچھوے سے ملاؤں کیا حسین جانور ہے۔ سامان بعد میں رکھ لیں گے۔ پائیں باغ کے بیچوں بیچ لوہے کے ایک ننھے سے کٹہرے میں ساقی نے جب ایک غار میں ہاتھ ڈالا تو ایک ملگجی سی زردی مائل چیز برآمد ہوئی۔ ساقی نے پچکارا ساتھ ہی کچھ اپنی شاعری کی مخصوص آوازیں نکالیں تو کچھوے سے ملتی جلتی کسی چیز نے سر باہر نکالا اور گردن گھما کر کھلی فضا اور چمکیلی دھوپ کی داد دینے لگا۔ ساقی نے کہا برادرم یہ کائنات صرف انسانوں ہی کے لیے نہیں سب جانداروں کے لیے ہے بعض جانور انسان سے بھی زیادہ حساس ہوتے ہیں، اور انتہائی وفادار بھی۔ میں نے کہا جی ہاں تبھی تو پچھلے سال آپ نے لکھا تھا دو کچھوے کٹہرہ توڑ کر بھاگ گئے۔ ساقی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا شاید کوئی کچھوی نظر آ گئی ہو گی۔

یوں تو لندن میں کئی ادبی انجمنیں ہیں جو اردو کے لیے خاصا کام کر رہی ہیں، لیکن اردو مرکز کا قیام علمی اور تحقیقی کام کو آگے بڑھانے اور اردو کے لیے برطانیہ میں ایک مضبوط پلیٹ فارم فراہم کرنے کے لیے عمل میں آیا ہے۔ اس کے تحت بڑے پیمانے پر ادبی تقریبات منعقد ہوتی رہتی ہیں۔ ۲۵ اگست کے لیے میرے پروگرام کا اعلان کر دیا گیا۔ مجھ سے پہلے پروفیسر انماریہ شمل، فیض احمد فیض، پروفیسر رالف رسل اور سبط حسن کے توسیعی خطبات ہو چکے تھے۔

اگلے روز ہندوستان کے ہائی کمشنر ڈاکٹر سید محمد سے ملاقات مقرر تھی۔ وہیں انڈیا ہاؤس کے ساتھ ہی بی بی سی کا دفتر ہے۔ یہاں اطہر علی سے جو پاکستان سروس میں کام کرتے ہیں، اور دیگر احباب سے ملاقات ہوئی۔ نیچے اتر رہے تھے تو یاور عباس دکھائی دیے۔ بی بی سی کے لیے انھوں نے ہندوستان پر جو فلم بنائی تھی وہ خاصی بحث خیز ثابت ہوئی تھی۔ میر ببر علی انیس کے پڑپوتے، وضع قطع، لہجے اور گفتگو میں ایسی دلنوازی اور شائستگی کہ یوں محسوس ہوا گویا کسی چمن میں ایک ساتھ کئی پھول کھل اٹھے ہوں۔ کہنے لگے پرسوں آکسفورڈ میں آپ کے اعزاز میں تقریب ہے، اس میں میں اور میری بیگم حاضر ہوں گے۔ تفصیلی ملاقات ہو گی۔ وہیں گراؤنڈ فلور پر بی بی سی کلب ہے جو ملنے ملانے اور پروگرام طے کرنے کے لیے بہترین جگہ ہے۔ یہاں کیسے کیسے لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ رما پانڈے

www.taemeernews.com

جنھیں پانچ چھ سال پہلے میں نے لکھنؤ اور پھر دہلی ٹیلی ویژن کے لیے پروڈیوسر منتخب کیا تھا، اب بی بی سی کی ہندوستانی سروس میں کام کرتی ہیں۔ اچلا شرما، آل انڈیا ریڈیو کی مشہور آواز کی خدمات حال ہی میں بی بی سی نے چند برسوں کے لیے مستعار لی ہیں۔ یہ سب لوگ اپنے اپنے خیابان میں چہکتے ہوئے نظر آئے۔

گھر پہنچے تو ساقی بہت سے ٹیلی فون نمبروں کے درمیان بیٹھے پریشان نظر آئے۔ کہنے لگے یار تمھارے چاہنے والوں نے ناک میں دم کر دیا ہے۔ فون پر فون، میں تو اپنی بلیوں اور کچھوے کو آرام سے کھانا تک نہیں کھلا سکا۔ کچھ معلوم ہے کل کیا ہوا، کچھوا تو صرف کیلے اور سلاد کے پتے کھاتا ہے۔ کل میں اسے سلاد کے پتے کھلانا بھول گیا۔ دفتر میں یاد آیا تو فوراً ٹونی کو فون کیا کہ بھئی تم مکان کی مرمت میں، مصروف تو ہو گے لیکن کچھ نیکی کا کام بھی کرو۔ تھوڑے سے سلاد کے پتے لا کر کچھوے کو کھلا دو۔ ساقی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا، یار پتہ ہے ٹونی نے کتنے کا بل دیا۔ دس پاؤنڈ! اس کے بعد موٹی سی گالی۔ ساقی کی گفتگو میں چھوٹی بڑی گالیاں اس روانی سے آتی ہیں جیسے پابند شاعری میں ردیف و قافیہ۔ ساقی کا گھر بڑے مزے کی جگہ ہے۔ مغرب کے گھر میرے لیے نئے نہیں ہیں۔ لیکن ساقی کے گھر کا اپنا ایک کردار ہے۔ طرح طرح کے عجائبات روزگار، سوکھے سڑے پتے، برسوں کی مری ہوئی بیلیں، نئے پرانے کارڈ جو نوادر بن چکے ہیں، پرانے کلنڈر کے اوراق، بیتے ہوئے برسوں اور مہینوں کی تاریخیں جو یگوں پہلے نمٹ چکیں، طرح طرح کی گڑیاں اور پرانی دھرانی تصویریں، ادھر ادھر جہاں تہاں چیزیں، جگہ جگہ چیزیں، اتنی چیزیں کہ کبھی کبھی چیزوں کے لیے راستہ چھوڑ دینا پڑتا تھا۔ ان سب پر ساقی کا وہی قہقہہ۔ یار اس گھر میں۔۔۔ سب پرانی چیزیں ہیں، اس گھر میں نئی چیز بس میں ہی ہوں۔

ساقی کی بیٹی انگے بنی اسکول میں پڑھتی ہے، وہ بھی ماں کے ساتھ آسٹریلیا گئی ہوئی تھی۔ دونوں سے آئے دن صبح سویرے فون پر بات ہوتی تھی اور دونوں کا تقاضا تھا کہ اپنے دوست کو جانے نہ دینا۔ بس ہم آنے ہی والے ہیں۔ انگے کے خط طرح طرح کی پہیلیوں اور معموں سے بھرپور ہوتے تھے اور ساقی فون پر قہقہے لگاتے لگاتے انھیں حل کرتے تھے۔ ایک خط میں لکھا پاپا مجھے امید ہے آپ کے دوست کو جانوروں سے ضرور محبت ہو گی۔ مجھے بچپن کے دن یاد آ گئے جب موسیٰ خیل بلوچستان میں تحصیل کے احاطے میں

www.taemeernews.com

بڑا سا مکان تھا اور مرغیاں ہر طرف کٹکناتی پھرتی تھیں۔ اور ہم کبھی انڈوں کو اٹھاتے اور کبھی مرغیوں کو ڈربے میں بند کرتے، کبھی انڈوں کو سواتے اور چوزوں کو اٹھاتے اور مرغوں کو لڑائی لڑاتے۔ اب ساقی کے گھر میں برسوں کے بعد میری تربیت یوں ہوئی کہ جس کمرے میں میں داخل ہوا وہاں تو شک پر کئی بھالو، خرگوش اور ونڈر ورلڈ کے کئی عجیب الخلقت جانور ساتھ ساتھ لیٹے ہوئے تھے۔ صوفے کی طرف دیکھا تو سوٹ بوٹ ڈاٹے چھوٹے بڑے کئی گڈے، شیر، چیتے، بھیڑیے، ہرن، خرگوش اور جانے کون کون براجمان تھا۔ دیوان پر بھی ایسی ہی دنیا آباد تھی۔ ساقی کی رفاقت، بٹیا کے کمرے میں بسیرا اور بھانت بھانت کے جانوروں کے ساتھ بسر اوقات بس مزہ ہی تو آ گیا۔ سوچا ہو نہ ہو، ساقی نے اپنے نیچے کے کتابوں کے کمرے سے دور رکھنے کے لیے یہ سب کچھ کیا ہوگا۔ چنانچہ اگلی صبح جب میں اس کمرے میں کتابوں کی الماریوں کے پاس نظر آیا تو ساقی نے کہا یار تمھیں جو کتابیں چاہئیں مجھے بتا دو میں سب اوپر لے آؤں گا، دیکھتے نہیں اس کمرے میں بلڈرز کام کر رہے ہیں۔ سامنے کی پوری دیوار نکال دی ہے۔ اب یہ کمرہ آٹھ فٹ چوڑا ہو جائے گا۔ میں نے آگے بڑھ کے دیکھا باغ کی طرف کی دیوار واقعی نکالی جا چکی تھی، اگلی الماریاں بھی کھسک گئی تھیں۔ نیچے کی طرف کئی فٹ گہرا غار تھا جس پر لوہے کی پڑتی ہوئی تھی۔ میرا کمرہ عین اس کمرے کے اوپر تھا۔ اس رات سونے کو تو میں سو گیا۔ لیکن خواب میں کچھ عجیب کیفیت پیدا ہوئی کہ اس چھت کے نیچے جہاں میں سو رہا ہوں، ایک طرف کی دیوار کھسکتی جا رہی ہے، اور پلنگ نیچے ہوتا جا رہا ہے۔ یا اللہ! یہ چھت نیچے نہ دھنس جائے اور یہ پلنگ، بھالو، گڈے گڑیا سب اس غار اور لوہے کی باڑ میں، نہیں نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ایک دو بجے ہوں گے، میں نے روشنی کی اور نیچے گیا جہاں دیوار نکال دی گئی تھی۔ ٹھوک بجا کے اس جگہ کو دیکھا۔ ہمارے ملک میں بلیوں کو رسیوں سے کستے ہیں، یعنی باقاعدہ پاڑ باندھی جاتی ہے، یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ بڑی وحشت ہوئی۔ بلڈرز نے ساتھ کی دیوار پہ سائبان تان رکھا تھا، ڈرتے ڈرتے اسے ہٹا کر دیکھا۔ لوہے کے ڈنڈے کسے ہوئے تھے۔ بار بار آنکھیں جھپکائیں، ہاتھ لگا کر دیکھا تب اوپر آیا۔ لندن میں رواج ہے لوگ سوتے جاگتے ریڈیو بجاتے ہیں، ریڈیو کے الارم سے جاگتے ہیں اور ریڈیو کو گلے سے لگا کر سوتے ہیں۔ اس رات کی کھڑ کھڑاہٹ سے ساقی کو خدشہ ہوا شاید مجھے نیند نہیں آتی اور میں کھڑ کھڑ کرتا

www.taemeernews.com

پھرتا ہوں، اس لیے انھوں نے ایک عدد ریڈیو میرے حوالے کرتے ہوئے فرمایا۔ رات کو خبریں سنا کیجیے، نیند اچھی آتی ہے۔

دیک انڈ پر مردانِ حر کو کئی ضروری اور غیر ضروری کام کرنے پڑتے ہیں۔ ساقی ایسے کاموں میں لگے رہے مثلاً موٹر دھونا، بلیوں کے لیے دودھ لانا، کچھوے کے لیے کیلے اور سلاد کے پتے، ناشتے کے لیے انڈے ڈبل روٹی وغیرہ وغیرہ۔ میں اس دوران عبداللہ حسین اور محسن شمسی کی تلاش کرتا رہا جن کو تاریخوں کی صحیح اطلاع نہیں تھی اور فون پر نہیں مل پا رہے تھے۔ جب ہم آکسفورڈ کے لیے روانہ ہوئے تو موسم صاف تھا۔ سڑکیں خالی، راستہ بھر باتیں ہوتی رہیں اور سفر مزے سے کٹا۔ تین بجے آکسفورڈ پہنچ گئے۔ لندن اور لندن کے نواح میں لگ بھگ ہر جگہ اردو کے ادیب و شاعر آباد ہیں۔ ایک حالیہ جائزے کے مطابق برطانیہ میں اردو بولنے اور سمجھنے والوں کی تعداد دس لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ اس وقت اردو بولنے والوں کا اوسط برطانیہ کی کل آبادی کا دو فیصد ہے اور یہ حقیقت ہے کہ برطانیہ میں انگریزی کے بعد اردو ہی رابطے کی دوسری بڑی زبان ہے۔ برطانیہ سے اردو کے دو روزنامے، تین ہفت روزے اور متعدد ماہنامے شائع ہوتے ہیں۔ ابھی دنوں یہ دلچسپ بیان شائع ہوا تھا کہ برطانیہ کی عدالتِ عالیہ نے بریڈ فورڈ میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دے دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ برطانوی حکومت نے بریڈ فورڈ کے اردو بولنے والے شہریوں کا یہ مطالبہ منظور نہیں کیا تھا جس پر ان شہریوں نے برطانیہ کی عدالتِ عالیہ میں مقدمہ دائر کیا اور عدالتِ عالیہ نے شہریوں کے حق میں فیصلہ دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ پروی کونسل میں اپیل ہو رہی ہے۔ اردو کے فروغ کے لیے کئی علمی اور ادبی انجمنیں کام کر رہی ہیں جن میں اردو مجلس، انجمن ترقی اردو ہند، حلقۂ ادب، اکیڈمی آف اردو اسٹڈیز، بزم ثقافت پاکستان، انجمن اردو برطانیہ، انجمن برگِ گل اور اردو فورم بطورِ خاص لائق ذکر ہیں۔ لندن یونی ورسٹی کے اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز کا بھی اردو کے فروغ میں بڑا ہاتھ ہے لیکن ان سب کے علاوہ قابلِ تعریف یہ ہے کہ خود حکومتِ برطانیہ بھی اردو کی ترویج کا ایک خاص ذریعہ ہے، یعنی برطانیہ میں آنے والے ان ہندوستانی اور پاکستانی افراد کی سہولت کے لیے جو انگریزی نہیں جانتے، حکومت ایسے سرکاری اہل کاروں کا تقرر کرتی ہے جو اردو میں استعداد رکھتے ہوں۔ نیز ایسے باشندوں کے لیے مختلف سرکاری ادارے وقتاً

www.taemeernews.com

فوقتاً اپنے قواعد و ضوابط، اشتہارات و اطلاعات اردو میں ترجمہ کر کے شائع کرتے ہیں۔ سرکاری افسروں کے لیے "ہولبرن کالج آف لا اینڈ لینگویج" میں باقاعدہ اردو درس و تدریس کا انتظام ہے۔ کئی دوسرے پرائیویٹ اداروں کے ذریعہ بھی اردو تعلیم کی سہولتیں فراہم کی جا رہی ہیں۔ بی بی سی ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے اردو کے باقاعدہ پروگرام نشر ہوتے ہیں، اور یہ روزانہ اور ہفتہ وار پروگرام برطانیہ میں اردو بولنے والوں کی زندگی کا لازمی عنصر ہیں۔ بعض شہروں کے مقامی ریڈیو بھی وقتاً فوقتاً اردو پروگرام نشر کرتے ہیں۔ ان پروگراموں میں خبروں کے علاوہ اردو ڈرامے اور نغمات بھی پیش کیے جاتے ہیں اور مشاعروں اور تقاریب کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔ لندن کے بعد برمنگھم، مانچسٹر، بریڈفورڈ اردو کے خاص علاقے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے بعد دنیا بھر میں برطانیہ اور بالخصوص لندن اردو کا سب سے بڑا مرکز بنتا جا رہا ہے۔ اس گفتگو میں سفر مزے سے کٹ گیا۔ آکسفورڈ میں اکبر حیدرآبادی نے پُر تکلف دعوت کا اہتمام کیا تھا اور کئی احباب کو بلایا تھا۔ دہلی میں ان سے پچھلے سال ان کے دیوان "خموشی آگ" کی تقریب میں ملاقات ہوئی تھی۔ ان کی اطالوی بیوی لینا، بیٹی ریحانہ اور بیٹا نجف مہمانوں کی خاطر داری میں لگے ہوئے تھے۔ یاور عباس اور ان کی رفیقہ حیات حمیدہ بیگم سے ملاقات ہوئی۔ حبیب حیدرآبادی، بیگم صدیقہ شبنم، ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب اور سب سے بڑھ کر علی باقر اور نجمہ ظہیر باقر سے بھی ملاقات ہوئی۔ نجمہ سجاد ظہیر کی بیٹی ہیں اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں سائنس کی ایسوسی ایٹ پروفیسر ہیں۔ نجمہ اور علی باقر اپنے علمی کام کے سلسلے میں لندن آئے ہوئے تھے۔ ان سب لوگوں سے مل کر خوشی ہوئی۔ دیر تک بات چیت رہی اور شعر و سخن کا دور رہا۔ لیکن اس نشست کا حاصل امیر خسرو کی وہ غزلیں تھیں جو حمیدہ بیگم نے ہارمونیم پر گائیں۔ جب انھوں نے خسرو کی یہ غزل چھیڑی تو سماں بندھ گیا:

نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم
بہر سو رقصِ بسمل بود شب جائے کہ من بودم

یہ شعر سیکڑوں بار کے سنے ہوئے تھے لیکن اب کی کیفیت ہی اور تھی۔ ہر ہر شعر لوگوں نے بار بار سنا اور جذب کی سی کیفیت طاری تھی۔ ان اشعار سے اس اجنبی ماحول میں عجیب و غریب کیفیت پیدا ہوئی، اور مجھ درویش راہ گیر پر جو بیت گئی بیان سے

www.taemeernews.com

باہر ہے۔

رات کو گھر پہنچے تو کئی خط اور پیغام ملے۔ جی چاہا کہ لندن کچھ دن اور رک سکوں۔ لیکن وقت کی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ ساقی نے کہا، یار دنیا بھر سے ملنا ملانا ہو رہا ہے۔ ٹھہرے آپ میرے پاس ہیں لیکن میری تو آپ سے ملاقات ہی نہیں ہو پا رہی ہے۔ میں صوفے میں دھنسا کارڈورائے کی سلوٹوں سے ساقی کی بلیوں کے بال نکال رہا تھا، کہنے لگے یار یہ ہندوستانی پاکستانی عجیب چیز ہوتے ہیں۔ کیسا کیسا دوست میرے گھر آتا ہے لیکن جانوروں سے کوئی محبت نہیں کرتا۔ اور تو اور بلیوں سے بھی بدکتے ہیں۔ میں نے کہا، یار سنو مجھے یوں لگتا ہے تمھاری بلی مجھ سے مانوس ہو گئی ہے۔ آج جب میں مکان میں اکیلا تھا اور دروازے کے پاس کھڑا فون سن رہا تھا کہ مُنسی آئی اور قریب کھڑی ہو گئی۔ میں نے دو ایک بار پچکارا، پیٹھ سہلائی، پھر میں فون پر باتوں میں لگ گیا۔ مجھے لگا پیروں میں کوئی چیز گدبدا رہی ہے۔ دیکھا تو مُنسی موڈ میں ہے۔ کچھ دیر تو میں حیران رہا پھر سوچا ہو نہ ہو یہ دروازے سے باہر جانا چاہتی ہو گی۔ میں نے دروازہ کھول دیا، مُنسی باہر تشریف لے گئیں۔ اب ہر دو تین منٹ کے وقفے سے یہ عمل دہرایا جانے لگا۔ یعنی پاس آ کے کھڑی ہو جاتی، پیٹھ کھجاتی، میں دروازہ کھولتا، وہ نکل جاتی، پھر ایک منٹ کے بعد آموجود۔ آخر میں نے فون بند کر دیا اور دروازہ سے ہٹ گیا۔ لگتا ہے موصوفہ کو اظہارِ عشق میں قدرتِ تامہ حاصل ہے۔ ساقی دیر تک ہنستے رہے کہ چلیے ہمارے ایک دوست سے تو کچھ ربط ضبط پیدا ہوا۔

اگلے دن مجھے اپنے ایک لکچر کے لیے کچھ کتابوں کی ضرورت تھی۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ساقی کی الماریوں میں ہندوستان اور پاکستان کے تقریباً سبھی قابلِ ذکر شاعروں کے مجموعے موجود تھے۔ ساقی کے گھر اور کچن سے میری واقفیت کافی بڑھ چکی تھی۔ وہ کہیں جانے والے تھے تو میں نے انھیں اطمینان دلاتے ہوئے کہا کہ آپ میرے ناشتے کی فکر نہ کیجیے ناشتہ میں تیار کر لوں گا۔ یوں چاہیے بھی کیا تھا دو سلائس، تھوڑا سا جوس اور چائے کی پیالی۔ جب بھوک لگی تو سب سے پہلے مجھے جوس کا خیال آیا۔ جوس عموماً گتے کے ہلکے پھلکے ڈبوں میں آتا ہے۔ ریفریجریٹر کھول کر دیکھا دو ایک بوتلیں دکھائی دیں مگر خالی۔ گتے کے ڈبوں کی ایک لمبی قطار دیوار کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ سوچا ہفتہ شروع ہوا

www.taemeernews.com

ہے۔ ساقی بہت سا جوس لے آئے ہوں گے۔ قریب جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ بلیوں کی خوراک ہے۔ ساقی ہر روز صبح مجھے نہایت فیاضی سے آدھا ابلا انڈا بنا کر دیتے تھے۔ میں لاکھ منع کروں کہ بھئی تکلیف کیوں کرتے ہو تو بھی انڈا مجھے ضرور ملتا۔ کہتے تھے یار تم بھی کیا یاد کرو گے کس رئیس سے پالا پڑا تھا۔ دعوت تو تمھاری ہر روز باہر ہوتی ہے، میرے حصے کا تو یہی ناشتہ ہے۔ اور تو کچھ کر نہیں سکتا انڈا تو کھلا سکتا ہوں۔ مجھے آدھا ابلا انڈا بنانا ہی آتا ہے، سوائے تم ضرور کھالیا کرو۔ سو میں خاموشی سے انڈا قبول کر لیتا۔ اب مجھے سلائس کی تلاش ہوئی ریفریجریٹر میں نیپکن والی ٹوکری میں، ادھر ادھر ہر جگہ دیکھا، نہ ملی، میز پر ایک سرخ رومال میں کالی روٹی کے کچھ ٹکڑے لپٹے ہوئے تھے۔ کالی نہیں جیٹ بلیک۔ ساقی اس کالی روٹی کی کئی بار تعریف کر چکے تھے، لیکن خدا جانے کیا بات تھی خود اسے نہیں کھاتے تھے اور چند ٹکڑے جوں کے توں لپیٹ کے رکھے تھے۔ بھوک نے زور مارا تو میں نے ایک ٹکڑا اٹھالیا۔ لگا کوئی چبا رہا ہوں۔ پھر ڈھونڈنا شروع کیا تو ایک جگہ لکڑی کا چوہے دان سا پڑا نظر آیا۔ سوچا اس کی کرامات بھی دیکھی جائے۔ ڈھکنا کھولا تو ڈبل روٹی اس میں تشریف رکھتی تھیں۔ میں نے خدا کا شکر بجالایا لیکن اب ٹوسٹر کی ضرورت پیش آئی۔ اس دن معلوم ہوا کہ دوسرے کے گھر میں ہاتھی ڈھونڈنے والی مثال کچھ ایسی غلط نہیں تھی۔ لیکن ٹوسٹر ہو تو ملے۔ تعجب یوں ہوا کہ ساقی روٹی روز سینک کر پلیٹ میں رکھتے تھے۔ بعد میں پتہ چلا کہ موصوف اسے گیس کے تنور پر تاپتے تھے۔ چائے کے لیے دودھ کی تلاش کا نتیجہ بھی کچھ ایسا ہی نکلا۔ منسی، میکی اور میں ناشتہ ایک ہی جگہ کرتے تھے اور ان کے دودھ کے برتن ہمیشہ بھرے بھرے رہتے تھے۔ جب میں نے ایک ایک کرکے دودھ کی سب بوتلیں دیکھ ڈالیں، اور کسی میں دو بوندیں اور کسی میں چار بوندیں نظر آئیں تو احساس ہوا کہ خونِ جگر ودیعت مژگانِ یار تھا۔ دودھ سب بلیوں کے تصرف میں آچکا تھا۔ کالی روٹی کے ساتھ کالی چائے کا بھی اپنا مزہ تھا Black is Beautiful شاید اسی کو کہتے ہیں۔

اگلی رات مزے کی بات ہوئی۔ جس کمرے میں میں تھا بڑھئی وہاں تک پہنچ گئے تھے اور انھوں نے اس کمرے کی الماریاں ڈھادی تھیں کیونکہ دروازے، کھڑکیاں، الماریاں، ساقی کے گھر کی ہر پرانی چیز نئی ہو رہی تھی۔ میں بتی بجھا کر سو گیا۔ تھوڑی دیر میں محسوس ہوا کہ کوئی نرم چیز کمبل کے نیچے سرسرا رہی ہے۔ جاڑا کڑاکے کا ہو تو شاید بھی

www.taemeernews.com

کے ساتھ نبھ جائے۔ لیکن کچھ ایسی سردی بھی نہیں تھی۔ میں نے سونے کی کوشش کی لیکن بلّی ذہن سے نہیں نکلی۔ یہ بھی خیال تھا کہ ساقی کو باور کراچکا ہوں کہ مجھے ان کے جانوروں سے محبت ہے تاکہ وہ گُنڈی اور اِنگے بی کو بتا سکیں کہ آخر میرا ایک دوست تو ایسا ہے جو جانوروں سے نفرت نہیں کرتا۔ بہت کوشش کی کہ سو رہوں۔ لیکن جب کوئی صورت اپنی جانور پرستی کا بھرم رکھنے کی نظر نہ آئی تو تین ساڑھے تین بجے میں آہستہ سے اٹھا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ دسرے کمرے میں ساقی اپنا پاجامہ سر کے نیچے رکھے بے سُدھ سو رہے تھے۔ میں نے کہا حضرت آدھی رات تو میں نے بلّی کے ساتھ گزار دی، اب کچھ آپ بھی تو۔۔۔ ساقی ہڑبڑا کے اٹھے، اوہو ۔۔۔ کمال ہو گیا یار، یہ بلا وہاں کیسے پہنچ گئی ۔۔۔ ؟

لندن کے دورانِ قیام ایک ایسی خبر بھی سنی جس سے خوشی بھی ہوئی اور فخر بھی، اور جس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کا تجسس پیدا ہوا۔ معلوم ہوا کہ مونوٹائپ کمپنی نے اردو نستعلیق کتابت کو نوری نستعلیق کے نام سے کمپیوٹر میں ڈھال لیا ہے۔ اس میں پاکستان کے دو ماہرین احمد مرزا جمیل اور مطلوب الحسن سیّد کی کوششوں کو خاصا دخل تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ یکم اکتوبر سے 'جنگ' لاہور اسی برقیاتی کتابت سے شائع ہونا شروع ہوگا۔ یہ واقعہ ہے کہ فورٹ ولیم کالج کے زمانے سے آج تک نستعلیق کو مشینی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی جتنی بھی کوششیں کی گئی تھیں، ان میں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ صدیوں پہلے کوفی اور نسخ کی بنیادوں پر اسلامی خطاطوں اور مصوروں کی تاریخی کوششوں سے جو چھ بنیادی خط "شش قلم" کے نام سے وجود میں آئے تھے، یعنی نسخی، ثُلث، محقق، ریحانی، رقاع اور توقیع اور بعد میں دو مزید بنیادی خط یعنی تعلیق اور نستعلیق ایران اور برِ صغیر ہند میں بالترتیب فارسی اور اردو زبانوں کے لیے گویا قومی خط کا درجہ اختیار کر گئے، لیکن صنعتی دور کی تکنیکی ضرورتوں نے نستعلیق کو ایسا دھچکا پہنچایا کہ نہ صرف عالمِ اسلامیہ بلکہ ایران میں بھی نستعلیق کا چلن روز بروز کم ہونے لا، اور نسخ ٹائپ کا رواج عام ہونے لگا۔ یہ گویا ایک مہتم بالشان روایت سے دست برداری کا اعلان تھا۔ پاکستان میں بھی پچھلے کئی برسوں سے اس روش پر عمل پیرا ہونے کی کوششیں شروع ہو گئی تھیں، اور ابتدائی درسی کتابیں بھی نسخ میں لکھی جانے لگی تھیں۔ لیکن سب سے بڑا چیلنج ماس میڈیا

www.taemeernews.com

کی ضرورتوں یعنی اخباروں اور عام کتابوں کی طرف سے تھا جنھیں عوام صدیوں سے نستعلیق میں پڑھنے کے عادی ہو چکے تھے۔ احمد مرزا جمیل اور مطلوب الحسن سید نے کوشش یہ کی کہ کسی طرح نستعلیق کو برقیاتی ضرورتوں کے مطابق ڈھال دیں تو اس کا مستقبل روشن ہو جائے، اور ہمیشہ کے لیے اس کے چلن کی ضمانت بھی فراہم ہو جائے۔ یہ کارنامہ معمولی نہیں ہے کہ ان کی مساعی سے اردو برقیاتی طباعت کے تقاضے پورے کرنے کے لائق ہو گئی ہے۔ اور اس طرح دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کے شانہ بہ شانہ کھڑی ہو سکتی ہے۔ طباعت کے اس برقیاتی طریقۂ کار میں حروف کے الگ الگ جوڑ نہیں بٹھائے جاتے بلکہ پورے پورے لفظوں کا عکس سوراخ دار کاغذ پر کمپیوٹر کے ذریعہ چھیدا جاتا ہے اور پوری کی پوری عبارت فلم پر اتر آتی ہے۔ فلم سے اخبار یا کتاب چھاپنے کا باقی طریقہ وہی ہے جو آفسیٹ میں ہے۔ پورے لفظوں کے عکس سے مراد یہ نہیں کہ اردو کا پورا لغت کمپیوٹر کے ذہن نشین کرایا گیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ حرف اور لفظ کے بیچ کی راہ اختیار کی گئی ہے، جو طباعتی کفایت پر مبنی ہے اور تکمیل کا پہلو بھی رکھتی ہے، یعنی حرفوں کے وہ تمام جوڑ کمپیوٹر کے برقیاتی ذہن میں بٹھائے گئے ہیں جن کے ملانے سے اردو کے تمام الفاظ مشکل ہوتے ہیں۔ ان جوڑوں کی تعداد بھی تیس ہزار سے زائد پہنچتی ہے یعنی اردو کی کل لغت کا تقریباً نصف حصہ کتابت کر کے کمپیوٹر کو ہضم کرا دیا گیا ہے۔ ٹائپسٹ کی بورڈ پر حروف کو ٹائپ کرتا جاتا ہے اور جیسے ہی کوئی لفظ ٹائپ ہو چکتا ہے کمپیوٹر کا برقیاتی ذہن حروف کی مناسب شکلوں کو خود بہ خود جوڑ کر لفظ کو مکمل شکل دے دیتا ہے۔ گویا حرف بہ حرف کمپوزنگ کا پچھلا تصور از کار رفتہ ہو گیا۔ اب کثیر الاستعمال جوڑوں کی مدد سے پورے لفظ اور پوری عبارت از خود ڈھلتی ہے جس سے کام کی رفتار کئی گنا زیادہ تیز ہو جاتی ہے۔ کی بورڈ کے ذریعے تصحیح بھی بنائی جا سکتی ہے یعنی کوئی لفظ یا سطر سیکنڈوں کے اندر اندر تبدیل کی جا سکتی ہے، اور یہ سارا کام برقیاتی ذہن کے ذریعہ ہوتا ہے، کوئی عبارت کہیں لکھی یا ٹائپ نہیں کی جاتی۔ اردو کے کثیر الاستعمال جوڑوں کی دریافت اور پھر تکنیکی مہارت تامہ سے انھیں برقیاتی کمپیوٹر کے ذہن نشین کرنا ایسا کارنامہ ہے جس کے اثرات نہایت دور رس ہوں گے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ''لیزر کامپ'' مشین سے کمپوزنگ چھوٹے بڑے کئی پوائنٹ میں ہو سکتی ہے اور انگریزی عبارت اگر اردو متن کے بیچ میں آ جائے تو رومن میں

www.taemeernews.com

ڈھالی جا سکتی ہے۔ اس تاریخی دریافت سے ایک طرف تو نستعلیق کی خوبصورت روش، اس کے دائروں اور کششوں کا تحفظ ہو گیا، دوسرے کاتب پر کلّی انحصار بھی ختم ہو گیا۔ اردو اخبارات، رسائل اور تجارتی سطح پر طباعت واشاعت کے مستقبل پر اس کا کتنا زبردست اثر پڑے گا، اور اردو زبان کے فروغ میں اس سے کیسی بنیادی مدد ملے گی، اردو والوں کے لیے یہ سوچنے کی بات ہے۔

www.taemeernews.com

محمد امین

عدیس ابابا اور ویزا کا چکر

ہم ۱۱ مئی ۱۹۷۲ء کو ۱۱ بجے تک عدیس ابابا پہنچ گئے۔ عدیس ابابا ایتھوپیا کا دارالسلطنت ہے اور ایتھوپین پلیٹو پر واقع ہے۔ اس کی اونچائی سطح سمندر سے ۲۶۰۰ میٹر ہے۔ اس لیے اس کی آب و ہوا خوش گوار ہے۔ اچھی خاصی ٹھنڈی ہے۔

ایتھوپیا سے ہم کو سعودی عرب جانا تھا اور ہماری فلائٹ پرواز یا اڑان عدیس ابابا سے براہِ راست جدہ تھی۔ لیکن ہمارے پاس (سعودی عرب میں داخل ہونے کا اجازت نامہ۔ قاعدہ یہ ہے کہ اپنے سفر کے دوران اگر آپ کسی ملک میں ٹھہرنا چاہیں یا اس کی سیر کرنا چاہیں تو پہلے سے اس کا اجازت نامہ لینا پڑتا ہے۔ اور یہ اجازت نامہ اس ملک کا سفارت خانہ جاری کرتا ہے۔ اسی کو ویزا کہتے ہیں، اور اس کے بغیر آپ چوبیس گھنٹے سے زیادہ کسی ملک میں قیام نہیں کرسکتے) نہیں تھا۔

ہوائی اڈے پر اترتے ہی ہمیں سعودی عرب کے ویزا کی فکر تھی۔ ہوٹل ایتھوپیا میں لنچ کے لیے جب ہم نیچے آئے تو احتیاطاً معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی کہ کیا دوپہر سے پہلے سعودی عرب کے سفارت خانہ سے داخلے کا ویزا مل جائے گا۔ ریسپشن والوں نے ہمیں بتایا کہ لنچ کے لیے سفارت خانہ بند رہتا ہے۔ پھر ڈھائی تین بجے تک کھلتا ہے اور چھ بجے تک کھلا رہتا ہے۔ دو بجے ہم نے ٹیکسی کی اور سیدھے عرب کے سفارت خانہ پہنچے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سفارت خانہ بند پڑا ہے اور چوکیدار گیٹ پر پہرہ دے رہا ہے۔ دریافت کرنے پر

www.taemeernews.com

معلوم ہوا کہ ویزا بننے کا آج کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ اس کے لیے کل آنا پڑے گا۔ اور کام کے اوقات صبح نو بجے سے دوپہر کے دو بجے تک ہیں۔ اب سوا دو بج چکے ہیں اس لیے سفارت خانہ بند ہو چکا ہے۔

یہ معلوم کر کے میرے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی کہ دوسرے دن یعنی ۱۲ مئی کو تو صبح ۹ بجے ال اٹالیا سے ہماری فلائٹ بک تھی۔ اگر ۱۱ مئی کو ہمارا ویزا نہ بن پائے گا تو صبح بھلا کیسے جا پائیں گے۔ اپنی پریشانی دور کرنے اور مشکل آسان کرنے کے لیے میں بھاگ کر اٹالیا کے دفتر گیا۔ ان سے سارا حال کہہ سنایا۔ مگر وہاں پتہ چلا کہ اگر آج ویزا نہیں بن پائے گا تو کل کی فلائٹ کینسل کرنی پڑے گی۔ اور یہ پوچھنے پر کہ جدہ پہنچ کر وہاں سے ویزا بنوا لیں تو جواب ملا کہ جدہ میں ویزا نہیں بنتا ہے۔ اور اگر یہاں سے بغیر ویزا لیے چلے جائیں گے تو جدہ سے واپس کر دیا جاؤں گا۔

الغرض یہ کہ ۱۱ مئی کو ہمارا ویزا نہیں بن سکا۔ میں نے بہت بھاگ دوڑ کی۔ سفارت خانہ کے افسروں سے اپنی مشکلیں بتائیں کہ اگر عدیس ابابا میں ۲۴ گھنٹے سے زیادہ ٹھہر گیا تو کیا کیا نئے مسائل پیدا ہوں گے۔ لیکن سفارت خانے والوں نے ہماری کوئی بات نہیں سنی۔ مرغ کی ایک ٹانگ پر اڑے رہے۔

اتفاق کی بات، ہائلے سلاسی یونی ورسٹی کے سامنے سے جب میں گزر رہا تھا کہ اچانک میرا ایک پرانا ایتھوپین شاگرد مل گیا۔ اس نے مجھ کو دیکھا اور دیکھتے ہی پہچان گیا۔ بھاگ کر میرے قریب آیا۔ اور بڑی گرم جوشی سے ملا۔ میں نے مختصر اً زمیا کا حال بتایا۔ پھر آمدم برسر مطلب یعنی اس سے اپنی مشکلات کا ذکر کیا۔

اس لڑکے کا نام اوھانا ہیلے تھا۔ میرا پرانا شاگرد۔ میں ایتھوپیا میں ۲۳ نومبر ۱۹۶۶ء سے ۳۰ اپریل ۱۹۶۹ء تک تھا۔ اسی دوران اوھانا ہیلے، کاپری بن سیو سیکنڈری اسکول میں میرا شاگرد رہ چکا تھا۔ یہ بے چارہ لاوارث اور یتیم تھا۔ محنت مشقت سے کچھ پیسے کماتا تھا اور اپنا سارا خرچ نکالتا تھا۔ پڑھنے میں وہ بلا کا ذہین تھا اور ہر مضمون میں ممتاز پوزیشن لاتا تھا۔ اسکول لیونگ سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے بعد ۱۹۶۷ء سے وہ یونی ورسٹی میں داخل ہو گیا تھا۔

لیکن جس طرح یہ ہمارے ساتھ پیش آیا اور ہماری مدد کرنے پر کمر بستہ ہوا، واقعی

www.taemeernews.com

اس وقت وہ ہمارے لیے ایک فرشتے سے کم نہیں تھا۔ اس موقعہ پر مجھے جامعہ کالج کے پرانے دوست سنہا صاحب بہت یاد آئے۔ جب کبھی ہم سفر پر جاتے اور واپس آتے تو سنہا صاحب بے ساختہ پوچھتے "کیا کوئی فرشتہ ملا۔" اور میں سوچنے لگتا کہ فرشتہ ملنا کیا معنی رکھتا ہے۔ لیکن اب یہ بات واضح ہو گئی کہ فرشتہ ملنے کا کیا مطلب ہے۔ عدیس ابابا میں ہمیں ادھانا میلے کے روپ میں سچ مچ ایک فرشتہ صفت انسان ملا جس نے ہماری اس طرح مدد کی کہ کیا کوئی اپنا سچا دوست یا قریبی رشتہ دار اپنے خاص وطن میں کام آئے گا۔

عدیس ابابا میں ہمیں چار دن ٹھہرنا پڑا۔ اس دوران سب سے تلخ تجربہ ویزا بنوانے کا تھا۔ کئی بار کی دوڑ دھوپ اور ادھانا میلے کے مقامی زبان امہرک بولنے کی وجہ سے کام تو بن گیا لیکن تجربہ یہ ہوا کہ آپ کو جس دوسرے ملک میں جانا ہو، روانگی سے پہلے جس ملک سے آپ روانہ ہو رہے ہیں وہیں سے ویزا بنوا لیجئے۔ یہ نہیں کہ راستے میں ٹھہر کر ویزا بنوائیں گے۔ اس سے بہت زحمت ہوتی ہے۔ اور آپ کو مقامی کرنسی، امیگریشن ڈپارٹمنٹ کو اطلاع کرنے، اپنا ٹکٹ بدلوانے، بکنگ کینسل ہونے کی وجہ سے فلائٹ کی نئی بکنگ کرانے اور اس کے لیے مقامی کرنسی میں ادائیگی کرنے کی وجہ سے زبردست پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

منظومات

(نظمیں، غزلیں، حمد، دعا، مرثیہ، مثنوی، دوہے، رباعیاں،
قوالی، ماہیے، لوری، دوسخنے، پہیلیاں، کہہ مکرنیاں اور گیت)

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

اثر لکھنوی

مرغ اور موتی

ایک مرغ اپنی مرغیوں کے ساتھ
پاس خرمن کے چگتا پھرتا تھا
تھا وہ پُتلا غرور و نخوت کا
ٹھاٹھ لیتا، کبھی اذان دیتا
تہہ میں بھوسے کی ناگہاں اس کو
کچھ چمکتا ہوا نظر آیا
"میرا حصّہ ہے میرا حصّہ ہے"
یہی کہتا ہوا ادھر لپکا
پاس جاکر جو غور سے دیکھا
راز اس پر یہ آشکار ہوا
نہیں کھانے کی چیز، موتی ہے
کھوئے جانے کا جس کے چرچا تھا
مرغ بولا اکڑ کے موتی سے
بیش قیمت اگر ہے تو مجھے کیا
چھاج بھر موتیوں سے بہتر ہے
میرے نزدیک جو کا ایک دانا
ان کو جنسِ ہنر سے کیا سروکار
بندے ہیں نفس کے جو دنیادار

www.taemeernews.com

اخترالایمان

ایک لڑکا

دیارِ شرق کی آبادیوں کے اونچے ٹیلوں پر
کبھی آموں کے باغوں میں، کبھی کھیتوں کی مینڈوں پر
کبھی جھیلوں کے پانی میں، کبھی بستی کی گلیوں میں
کبھی کچھ نیم عریاں کمسنوں کی رنگ رلیوں میں
سحر دم جھٹپٹے کے وقت راتوں کے اندھیرے میں
کبھی میلوں میں ناٹک ٹولیوں میں ان کے ڈیرے میں
تعاقب میں کبھی گم تتلیوں کے، سونی راہوں میں
کبھی ننھے پرندوں کی نہفتہ خواب گاہوں میں
برہنہ پانو، جلتی ریت، یخ بستہ ہواؤں میں
کبھی ہمسن حسینوں میں بہت خوش کام دل رفتہ
کبھی پیچاں بگولہ سا، کبھی جیوں چشم خوں بستہ
ہوا میں تیرتا، خوابوں میں بادل کی طرح اڑتا
پرندوں کی طرح شاخوں میں چھپ کر جھولتا مڑتا
مجھے اک لڑکا، جیسے تُند چشموں کا رواں پانی
نظر آتا ہے یوں لگتا ہے جیسے یہ بلائے جاں

www.taemeernews.net

مرا ہمزاد ہے، ہر گام پر، ہر موڑ پہ جولاں
اسے ہمراہ پاتا ہوں، یہ سائے کی طرح میرا
تعاقب کر رہا ہے، جیسے میں مفرور ملزم ہوں
یہ مجھ سے پوچھتا ہے اخترالایمان تم ہی ہو

خدائے عز و جل کی نعمتوں کا معترف ہوں میں
مجھے اقرا ہے اس نے زمیں کو ایسے پھیلایا
کہ جیسے بسترِ کمخواب ہو، دیبا و مخمل ہو
مجھے اقرار ہے یہ خیمۂ افلاک کا سایہ
اسی کی بخششیں ہیں، اس نے سورج چاند تاروں کو
فضاؤں میں سنوارا اک حدِ فاصل مقرر کی
چٹانیں چیر کر دریا نکالے، خاکِ اسفل سے
مری تخلیق کی، مجھ کو جہاں کی پاسبانی دی
سمندر موتیوں، مونگوں سے، کانیں لعل و گوہر سے
ہوائیں مست کن خوشبوؤں سے معمور کر دی ہیں
وہ حاکم قادرِ مطلق ہے یکتا اور دانا ہے
اندھیرے کو اجالے سے جدا کرتا ہے، خود کو میں
اگر پہچانتا ہوں، اس کی رحمت اور سخاوت ہے
اسی نے خسروی دی ہے لعیموں کو مجھے نکبت
اسی نے یاوہ گویوں کو مرا خازن بنایا ہے
تونگر ہرزہ کاروں کو کیا، دریوزہ گر مجھ کو
مگر جب جب کسی کے سامنے دامن پسارا ہے
یہ لڑکا پوچھتا ہے اخترالایمان تم ہی ہو

www.taemeernews.com

یہ لڑکا پوچھتا ہے جب تو میں جھلا کے کہتا ہوں
وہ آشفتہ مزاج، اندوہ پرور، اضطراب آسا
جسے تم پوچھتے رہتے ہو، کب کا مر چکا ظالم
اسے خود اپنے ہاتھوں سے کفن دے کر فریبوں کا
اسی کی آرزوؤں کی لحد میں پھینک آیا ہوں
میں اس لڑکے سے کہتا ہوں وہ شعلہ مر چکا جس نے
کبھی چاہا تھا اک خاشاک عالم پھونک ڈالے گا
یہ لڑکا مسکراتا ہے، یہ آہستہ سے کہتا ہے
یہ کذب و افترا ہے، جھوٹ ہے دیکھو میں زندہ ہوں

www.taemeernews.com

اسرار الحق مجاز

رات اور ریل

پھر چلی ہے ریل اسٹیشن سے لہراتی ہوئی
نیم شب کی خامشی میں زیرِ لب گاتی ہوئی
ڈگمگاتی، جھومتی، سیٹی بجاتی، کھیلتی
وادی و کہسار کی ٹھنڈی ہوا کھاتی ہوئی
تیز جھونکوں میں وہ چھم چھم کا سرودِ دلنشیں
آندھیوں میں مینہ برسنے کی صدا آتی ہوئی
جیسے موجوں کا ترنم جیسے جل پریوں کا گیت
ایک اک لے میں ہزاروں زمزمے گاتی ہوئی
نونہالوں کو سناتی میٹھی میٹھی لوریاں
نازنینوں کو سنہرے خواب دکھلاتی ہوئی
ناز سے ہر موڑ پر کھاتی ہوئی سو پیچ و خم
اک دلہن اپنی ادا سے آپ شرماتی ہوئی
جیسے آدھی رات کو نکلی ہو اک شاہی برات
شادیانوں کی صدا سے وجد میں آتی ہوئی
منتشر کرتی فضا میں جابجا چنگاریاں
دامنِ موجِ ہوا میں پھول برساتی ہوئی

www.taemeernews.com

سینۂ کہسار پر چڑھتی ہوئی بے اختیار
ایک ناگن جس طرح مستی میں لہراتی ہوئی
اک ستارہ ٹوٹ کر جیسے رواں ہو عرش سے
رفعتِ کہسار سے میدان میں آتی ہوئی
مرغزاروں میں دکھاتی جوئے شیریں کا خرام
وادیوں میں ابر کے مانند منڈلاتی ہوئی
جستجو میں منزلِ مقصود کی دیوانہ وار
اپنا سر دھنتی فضا میں بال بکھراتی ہوئی
زد میں کوئی چیز آجائے تو اس کو پیس کر
ارتقائے زندگی کے راز بتلاتی ہوئی
ایک اک حرکت سے اندازِ بغاوت آشکار
عظمتِ انسانیت کے زمزمے گاتی ہوئی
وہ ہوا میں سیکڑوں جنگی دہل بجتے ہوئے
وہ بگل کی جاں‌فزا آواز لہراتی ہوئی

الغرض اڑتی چلی جاتی ہے بے خوف و خطر
شاعرِ آتش نفس کا خون کھولاتی ہوئی

www.taemeernews.com

ملمّع کی انگوٹھی

چاندی کی انگوٹھی پہ جو سونے کا چڑھا جھول
اوچھی تھی لگی بولنے اترا کے بڑا بول
چاندی کی انگوٹھی کے نہ میں ساتھ رہوں گی
وہ اور ہے میں اور یہ ذلت نہ سہوں گی
میں قوم کی اونچی ہوں بڑا میرا گھرانا
وہ ذات کی گھٹیا ہے نہیں اس کا ٹھکانا
میری سی چمک اس میں نہ میری سی دمک ہے
چاندی ہے کہ ہے رانگ مجھے اس میں بھی شک ہے
میری سی کہاں چاشنی میرا سا کہاں رنگ
وہ مول میں اور تول میں میرے نہیں پاسنگ
اے دیکھنے والو تمہیں انصاف سے کہنا
چاندی کی انگوٹھی بھی ہے کچھ گہنوں میں گہنا
یہ سنتے ہی چاندی کی انگوٹھی بھی گئی جل
اللہ رے ملمع کی انگوٹھی تیرے چھل بل
سونے کے ملمع پہ نہ اترا میری پیاری
دو دن میں بھڑک اس کی اتر جائے گی ساری

www.taemeernews.com

کچھ دیر حقیقت کو چھپایا بھی تو پھر کیا
چھوٹوں نے جو بچوں کو چڑایا بھی تو پھر کیا
مت بھول کبھی اصل کو اپنی اری احمق
جب تاؤ دیا جائے گا ہوجائے گا منہ فق
سچے کی تو عزت ہی بڑھے گی جو کریں جانچ
مشہور مثل ہے کہ نہیں سانچ کو کچھ آنچ
کھوٹے کو کھرا بن کے نکھرنا نہیں اچھا
چھوٹے کو بڑا بن کے ابھرنا نہیں اچھا

www.taemeernews.com

اکبر الہ آبادی

ہونہار بیٹا

بیٹے کو لوگ کہتے ہیں آنکھوں کا نور ہے
ہے زندگی کا لطف تو دل کا سرور ہے
گھر میں اسی کے دم سے ہر سمت روشنی
نازاں ہے اس پہ باپ تو ماں کو غرور ہے
خوش قسمتی کی اس کو نشانی سمجھتے ہیں
کہتے ہیں یہ خدا کے کرم کا ظہور ہے
اکبر بھی اس خیال سے کرتا ہے اتفاق
اس کا بھی ہے یہ قول کہ ایسا ضرور ہے
البتہ شرط یہ ہے کہ بیٹا ہے ہونہار
مائل ہے نیکیوں پہ برائی سے دور ہے
سنتا ہے دل لگا کے بزرگوں کے پند کو
وقتِ کلام لب پہ جناب و حضور ہے
برتاؤ اس کا صدق و محبت سے ہے بھرا
اس میں نہ ہے فریب نہ کچھ مکر و زور ہے
راضی ہے اس پہ باپ کی جو کچھ ہو مصلحت

www.taemeernews.com

صابر ہے باادب ہے عقیل و غرور ہے
افکارِ والدین میں ہے دل سے وہ شریک
ہمدرد ہے معین ہے اہلِ شعور ہے
رکھتا ہے خاندان کی عزت کا وہ خیال
نیکوں کو دوست صحبتِ بد سے نفور ہے
کسبِ کمال کی ہے شب و روز اس کو دُھن
علم و ہنر کے شوق کا دل میں وفور ہے
لیکن جو ان صفات کا مطلق نہیں پتہ
اور پھر بھی ہے خوشی تو خوشی کا قصور ہے

www.taemeernews.com

الطاف حسین حالی

نشاطِ امید

اے مری امید، میری جاں نواز
اے مری دلسوز، میری کارساز

میری سپر اور میرے دل کی پناہ
درد و مصیبت میں مری تکیہ گاہ

عیش میں اور رنج میں میری شفیق
کوہ میں اور درہ میں میری رفیق

کاٹنے والی غمِ ایام کی
تھامنے والی دلِ ناکام کی

دل پہ پڑا آن کے جب کوئی دکھ
تیرے دلاسے سے ملا ہم کو سکھ

تُو نے نہ چھوڑا کبھی غربت میں ساتھ
تُو نے اٹھایا نہ کبھی سر سے ہاتھ

جی کو ہوا گر کبھی عُسرت کا رنج
کھول دئے تو نے قناعت کے گنج

تجھ سے ہے محتاج کا دل بے ہراس
تجھ سے ہے بیمار کو جینے کی آس

خاطرِ رنجور کا درماں ہے تو
عاشقِ مہجور کا ایماں ہے تو

نوح کی کشتی کا سہارا تھی تو
چاہ میں یوسف کی دل آرا تھی تو

رام کے ہمراہ چڑھی رن میں تو
پانڈووں کے ساتھ پھری بن میں تو

تو نے سدا قیس کا بہلایا دل
تھام لیا جب کبھی گھبرایا دل

ہوگیا فرہاد کا قصہ تمام
پر ترے فقروں پہ رہا خوش مدام

تو نے ہی رانجھے کی یہ بندھوائی آس
ہیر تھی فرقت میں بھی گویا کہ پاس

ہوتی ہے تو پشت پہ ہمت کی جب
مشکلیں آساں نظر آتی ہیں سب

www.taemeernews.com

ہاتھ میں جب آ کے لیا تو نے ہات	سات سمندر سے گزرتا ہے بات
ساتھ ملا جس کو ترا دو قدم	کہتا ہے وہ یہ ہے عرب و عجم
گھوڑے کی لی اپنے جہاں تو نے باگ	سامنے ہے تیرے گیا اور پراگ
عزم کو جب دیتی ہے تو میل جست	گنبدِ گردوں نظر آتا ہے پست
تو نے دیا آ کے ابھارا جہاں	سمجھے کہ مٹھی میں ہے سارا جہاں

ذرے کو خورشید میں دے تو کھپا
بندے کو اللہ سے دے تو ملا

www.taemeernews.com

برج نرائن چکبست

ہمارا وطن

یہ ہندوستاں ہے ہمارا وطن
محبت کی آنکھوں کا تارا وطن
ہمارا وطن، دل سے پیارا وطن
وہ اس کے درختوں کی تیاریاں
وہ پھل پھول، پودے، وہ پھلواریاں
ہمارا وطن، دل سے پیارا وطن
ہوا میں درختوں کا وہ جھومنا
وہ پتوں کا پھولوں کا منہ چومنا
ہمارا وطن، دل سے پیارا وطن
وہ ساون میں کالی گھٹا کی بہار
وہ برسات کی ہلکی ہلکی پھوار
ہمارا وطن، دل سے پیارا وطن
وہ باغوں میں کوئل، وہ جنگل میں مور
وہ گنگا کی لہریں، وہ جمنا کا زور
ہمارا وطن، دل سے پیارا وطن
اسی سے ہے اس زندگی کی بہار
وطن کی محبت ہو یا ماں کا پیار
ہمارا وطن، دل سے پیارا وطن

www.taemeernews.com

بیکل اتساہی

منّے کی پھلواری

یہ منّے کی پھلواری ہے
رنگ برنگے پھول ہیں اس کے پتّی پتّی نیاری ہے
یہ منّے کی پھلواری ہے
اس کے کونے میں اک گڑیا سندر روپ سجائے
پیارا البیلا اک گڈا کھیر جلیبی کھائے
ڈھول، بانسری، بین پھیری باجہ بینڈ بجائے
پھولوں کے سب سجے براتی شادی کی تیاری ہے
یہ منّے کی پھلواری ہے
تھالوں میں یہ بھانت بھانت کی رکھی ہوئی مٹھائی
رس گلّوں کے ہاتھ لپیٹے شیرہ اور ملائی
مونچھ پہ اپنی ہاتھ پھیرتے ہیں چاچا حلوائی
دادی اماں روز کہیں یہ چاٹوں کا بیوپاری ہے
یہ منّے کی پھلواری ہے
یہ دیکھو اک گھوڑا دوڑا وہ بھاگی ایک موٹر
اس پر بیٹھا راج سپاہی اس پر بیٹھے مسٹر

www.taemeernews.com

یہ کھاتا دس کلو گھاس وہ ڈیزل دس لیٹر
چھک چھک پھک پھک شور مچاتی چلی ریل سرکاری ہے
یہ منّے کی پھلواری ہے

ککڑوں کوں وہ مرغا بولا، بلی میاؤں میاؤں
کھوں کھوں کر کے بندر اچھلا، کوا کاؤں کاؤں
بول غٹرغوں اڑا کبوتر، کتا بھوں بھوں بھاؤں
تان کے سینہ غرّایا وہ جنگل کا ادھیکاری ہے
یہ منّے کی پھلواری ہے

پرویز شاہدی

دوڑو لڑکو

دوڑو لڑکو، دوڑو لڑکو!
کیسا کھلونا لایا ہوں میں

ماں کا سپنا لایا ہوں میں
باپ کی آشا لایا ہوں میں
ہار دعا کا لایا ہوں میں

دوڑو لڑکو، دوڑو لڑکو!
پیار کی مالا لایا ہوں میں
کیسا کھلونا لایا ہوں میں

کیسا سندر ہے یہ کھلونا
رات کو جیسے چاند کا مکھڑا
دل کا اجالا لایا ہوں میں

دوڑو لڑکو، دوڑو لڑکو!
جوت سندیسہ لایا ہوں میں
کیسا کھلونا لایا ہوں میں

www.taemeernews.com

بھر لو، من میں گیت کوی کا
سن لو تم سنگیت خوشی کا
سندر باجا لایا ہوں میں

دوڑو لڑکو، دوڑو لڑکو!
من کی بینا لایا ہوں میں
کیسا کھلونا لایا ہوں میں

تم ہو میرے دل کے ٹکڑے
سندر سندر، پیارے پیارے
ایک کویتا لایا ہوں میں

دوڑو لڑکو، دوڑو لڑکو!
پیار کوی کا لایا ہوں میں
کیسا کھلونا لایا ہوں میں

www.taemeernews.com

جگر مراد آبادی

وقت کی پکار

اٹھو اٹھو کہ زندگی ہی زندگی پہ بار ہے
بڑھو بڑھو کہ چار سو پکار ہی پکار ہے
وہ وقت ہے کہ علم حق ہے علمِ شیطنت میں گم
وہ وقت ہے کہ آدمی کا آدمی شکار ہے
کہاں کے شاہد و چمن کہاں کے مطرب و غزل
کہ زندگی تمام تر بساطِ کارزار ہے
ستم کہ چھائی جا رہی ہیں ظلمتوں کی بدلیاں
غضب کہ زد میں آندھیوں کے شمعِ روزگار ہے
زمیں کو روندتے ہوئے صفوں کو چیرتے ہوئے
بڑھے چلو بڑھے چلو یہ وقت کی پکار ہے

www.taemeernews.com

جمیل مظہری

اے مادرِ ہندوستاں

تیری زمین پاک سے مہر و مہ و اختر اُگے
تیری مقدس خاک سے نانک اُگے اکبر اُگے
اک راکھ کی چٹکی تری ٹیگور اور گاندھی بنی
ہر ذرہ اک صحرا بنا ہر مشتِ خاک آندھی بنی

عرفان کا بادل بنا بھارت ترے دل کا دھواں
ہندوستاں ہندوستاں اے مادرِ ہندوستاں

اے پاک مٹی ہند کی تجھ سے بنا گوتم کا دل
ذروں میں تیرے آج بھی بے تاب ہے بھیشم کا دل
تو نے شعورِ عشق کو اک کیفِ روحانی دیا
پیاسی تھی روحِ زندگی تو نے اسے پانی دیا

تیرے کنارے آبسا تشنہ لبوں کا کارواں
ہندوستاں ہندوستاں اے مادرِ ہندوستاں

امید کے رخسار پر تھوڑی سی لالی تجھ سے ہے
ظلمت کی تاریک شب کچھ کچھ اجالی تجھ سے ہے

www.taemeernews.com

تو ہے ہتھیلی پر لیے اپنی روایت کا دیا
لے میرے سینے سے لہو اور تیز کر اس کی ضیا
اک ٹمٹماتی لو ہے اور تاریک ہے سارا جہاں
ہندوستاں ہندوستاں اے مادرِ ہندوستاں

ٹھنڈا ہے سینہ عشق کا زرتشت کا شعلہ بھی چپ
انجیل بھی خاموش ہے، قرآن بھی گیتا بھی چپ
فکر و نظر بیمار ہیں، روحانیت ہے نزع میں
اکھڑا ہے دم تہذیب کا انسانیت ہے نزع میں
اپنے جگر کا خون دے چشتی کی ماں گوتم کی ماں
ہندوستاں ہندوستاں اے مادرِ ہندوستاں

کھلنے کو آنکھیں کھل گئیں پلکیں مگر بھاری ہیں کیوں
بچوں پہ تیرے نیند کی کیفیتیں طاری ہیں کیوں
گرما دے جو ان کا لہو دل سے ترے وہ آگ اٹھے
سوزِ محبت جاگ اٹھے احساسِ غیرت جاگ اٹھے
قومی حمیت جاگ اٹھے دے ان کو ایسی لوریاں
اے مادرِ ہندوستاں اے مادرِ ہندوستاں

www.taemeernews.com

حامد اللہ افسر

گرمی کی چھٹیاں

مشکل سے پھر اسکول نہ جانے کے دن آئے
بے فکری سے پھر وقت گنوانے کے دن آئے

پھر رات کو چھپ چھپ کے ڈرانے کے دن آئے
سہمے ہوئے لوگوں کو ہنسانے کے دن آئے

پھر بیٹھ کے طبلہ سا بجانے کے دن آئے
پھر لیٹ کے تنہائی میں گانے کے دن آئے

ہر صبح کو پھر باغ میں جانے کے دن آئے
"تو" کہہ کے وہ کوئل کو چڑھانے کے دن آئے

پھر آم کا اچار، بنانے کے دن آئے
پھر چھپ کے کہیں کیریاں کھانے کے دن آئے

www.taemeernews.com

کردی تھی کتابوں نے ہماری تو زباں بند
گھر بھر میں پھر اک شور مچانے کے دن آئے

وہ دن گئے خوش رہنے کو جب بھولے ہوئے تھے
ہنسنے کے دن آئے ہیں ہنسانے کے دن آئے

اب وقت کا رونا نہیں، اب وقت بہت ہے
ہر کام میں پھر دیر لگانے کے دن آئے

گھر پر بھی تھے گھیرے ہوئے اسکول کے دھندے
آزادی سے اب موج اڑانے کے دن آئے

بہنوں کو ستایا، کبھی بھائی کو چڑھایا!
لڑنے کے دن آئے ہیں لڑانے کے دن آئے

پھر پھولوں سے لدنے لگا ہر بیلے کا پودا
پودوں میں سے پھر پھول چرانے کے دن آئے

کھولے گئے پھر گرد سے لپٹے ہوئے پردے
دو پہر کو پھر رات بنانے کے دن آئے

پھر لوٹیں گے ہم چاندنی راتوں کی بہاریں
پھر چھت پہ پلنگوں کے بچھانے کے دن آئے

کیوں اب بھی پسینے میں شرابور ہو افسر
ندی پہ کہیں جاکے، نہانے کے دن آئے

www.taemeernews.com

حسرت جے پوری

بندر ناچ دکھائے

بندر ناچ دکھائے
مال مداری کھائے
یہ کیسا انیائے
جب کہ باجیں تاشے
کرتا ہے تماشے
مالک اس کے دم پر
کھاتا ہے بتاشے
وہ بھوکا رہ جائے
یہ کیسا انیائے
سر پر ڈنڈے کھاتا
پھر بھی ناچ دکھاتا
ڈھپلی کو بجاکر
کولہوں کو مٹکاتا
لیکن چین نہ پائے
یہ کیسا انیائے

www.taemeernews.com

ساری محنت اس کی
دیکھو ہمت اس کی
کیا کیا دکھڑے سہتا
لیکن قسمت اس کی
پھر ظالم کہلائے
یہ کیسا انیائے

جو بھی پیسے پائے
مالک کو دے آئے
اس کے ہاتھ میں آکر
پیسے بھی پرائے
پھر بھی گالی کھائے
یہ کیسا انیائے

کیسی جھوٹی یاری
دنیا کی مکاری
الٹی جگ کی رتیں
قائم ہے عیاری
کس کو حال سنائے
یہ کیسا انیائے

www.taemeernews.com

ساحرلدھیانوی

مرے عہد کے حسینو

وہ ستارے جن کی خاطر کئی بے قرار صدیاں
مری تیرہ بخت دنیا میں ستارہ وار جاگیں
کبھی رفعتوں پہ لپکیں، کبھی وسعتوں سے الجھیں
کبھی سوگوار سوئیں، کبھی نغمہ بار جاگیں

وہ بلند بام تارے، وہ فلک مقام تارے
جو نشان دے کے اپنا رہے بے نشاں ہمیشہ
وہ حسین نورزادے، وہ خلا کے شاہزادے
جو ہماری قسمتوں پر رہے حکمراں ہمیشہ
جنہیں مضمحل دلوں نے ابدی پناہ جانا
تھکے ہارے قافلوں نے جنہیں خضر راہ جانا
جنہیں کمسنوں نے چاہا کہ لپک کے پیار کرلیں
جنہیں مہ وشوں نے مانگا کہ گلے کا ہار کرلیں
جنہیں عاشقوں نے چاہا کہ فلک سے توڑ لائیں
کسی راہ میں بچھائیں، کسی سیج پر سجائیں
جنہیں بت گروں نے چاہا کہ صنم بنا کے پوجیں

www.taemeernews.com

یہ جو دور کے حسیں ہیں انھیں پاس لا کے پوجیں
جنھیں مطربوں نے چاہا کہ صداؤں میں پرولیں
جنھیں شاعروں نے چاہا کہ خیال میں سمولیں
جو ہزار کوششوں پر بھی شمار میں نہ آئے
کبھی خاک بے بضاعت کے دیار میں نہ آئے
جو ہماری دسترس سے رہے دور دور اب تک
ہمیں دیکھتے رہے ہیں جو بصد غرور اب تک

مرے عہد کے حسینو! وہ نظر نواز تارے
مرا دور عشق پرور تمھیں نذر دے رہا ہے
وہ جنوں جو آب و آتش کو اسیر کرچکا تھا
وہ خلا کی وسعتوں سے بھی خراج لے رہا ہے
مرے ساتھ رہنے والو مرے بعد آنے والو
مرے دور کا یہ تحفہ تمھیں سازگار آئے
کبھی تم خلا سے گزرو کسی سیم تن کی خاطر
کبھی تم کو دل میں رکھ کر کوئی گلعزار آئے

www.taemeernews.com

ساغر نظامی

بڑھے چلو

سپوت ہو جو ملک کے تو بے گماں بڑھے چلو
رکے نہ اپنا کارواں بڑھے چلو بڑھے چلو
یہ خوفناک گھاٹیاں　　یہ ہر قدم پہ آندھیاں
یہ بدلیاں سی بدلیاں　　یہ رات کی سیاہیاں
سیاہیوں کے درمیاں بڑھے چلو بڑھے چلو
سپوت ہو جو ملک کے تو بے گماں بڑھے چلو
امید کی کرن ہو تم　　ہرے بھرے چمن ہو تم
مہک اٹھے ہیں جس سے من　　چمن کے وہ سمن ہو تم
نئی بہار کے ہو تم مزاج داں بڑھے چلو
سپوت ہو جو ملک کے تو بے گماں بڑھے چلو
قدم ذرا بڑھاؤ تو　　اڑان اک دکھاؤ تو
یہیں تک رہے ہو کیا　　نظر ذرا اٹھاؤ تو
دو قدم ہے آسماں بڑھے چلو بڑھے چلو
سپوت ہو جو ملک کے تو بے گماں بڑھے چلو

www.taemeernews.com

سلام سندیلوی

صبح

پورب سے جھلملاتا سورج نکل رہا ہے
رنگیں افق کی جانب سونا پگھل رہا ہے
اب جاگو پیارے بچو
اٹھو دلارے بچو

پیڑوں کی چوٹیوں پر چڑیا چہک رہی ہیں
پھلواریوں میں ہر سو کلیاں مہک رہی ہیں
اب جاگو پیارے بچو
اٹھو دلارے بچو

ٹھنڈی ہوا کے جھونکے پورب سے آرہے ہیں
سبزے پہ چاروں جانب موتی لٹا رہے ہیں
اب جاگو پیارے بچو
اٹھو دلارے بچو

بھیڑیں لیے گڈریہ جنگل کو جارہا ہے
کھیتوں میں دھیمی دھیمی بنسی بجا رہا ہے
اب جاگو پیارے بچو
اٹھو دلارے بچو

www.taemeernews.com

صبح

بازار کی سیاہی کرنوں سے دھل گئی ہے
ہر چیز کی سڑک پہ دوکان کھل گئی ہے
اب جاگو پیارے بچو
اٹھو دلارے بچو

www.taemeernews.com

سلام مچھلی شہری

اک جگنو کے ساتھ

بھاگ رہی ہے چنچل لڑکی اک جگنو کے ساتھ
ڈالی ڈالی پھیلاتی ہے اپنے کومل ہاتھ
دیکھ رہے ہیں پھول اور پودے
باغ کے یہ معصوم تماشے
چنچل لڑکی یہ کیا جانے
کھلے ہیں قدرت کے آئینے
بھاگ رہی ہے چنچل لڑکی اک جگنو کے ساتھ
ڈالی ڈالی پھیلاتی ہے اپنے دونوں کومل ہاتھ
ڈالے نین میں کاجل لڑکی
اپنی دھن میں بے کل لڑکی
پھیلائے ہے آنچل لڑکی
دوڑ رہی ہے چنچل لڑکی
بھاگ رہی ہے چنچل لڑکی اک جگنو کے ساتھ
ڈالی ڈالی پھیلاتی ہے اپنے کومل ہاتھ

www.taemeernews.com

جگنو اس کو دوڑاتا ہے
پاس آکر بھی مڑ جاتا ہے
شاخ میں اس کو الجھاتا ہے
"بھائی" بن کر اتراتا ہے
بھاگ رہی ہے چنچل لڑکی اک جگنو کے ساتھ
ڈالی ڈالی پھیلاتی ہے اپنے کومل ہاتھ

www.taemeernews.com

شمس الرحمٰن فاروقی

اس جنگل میں مور بہت ہیں

اس جنگل میں مور بہت ہیں
نیلے پیلے چور بہت ہیں
دن بھر موروں کی جھنکار
اوپر نیچے چیخ پکار
شیر میاں کو نیند نہ آئی
لے کر اک لمبی سی جمائی
لومڑی بی سے کہلایا
موروں کو کس نے بلوایا؟
مور تو کرتے شور بہت ہیں
اس جنگل میں مور بہت ہیں
نیلے پیلے چور بہت ہیں
رات کا آنگن چاندی جیسا
دن کا چہرہ تھالی جیسا
رات کے گھر میں کتنے گھوڑے
دن کے کپڑے کتنے جوڑے

www.fundooneews.net

اس جنگل میں مور بہت ہیں

مور کے کپڑے کیسے انوکھے
نیلے ہرے سے سرخ سنہرے
مور کی دم میں سونے کے چھلے
اس سے کہنا ہم سے بدل لے
بھورے سنہرے پروں کو کھولے
مور اڑا تو سب یہ بولے
اس کے پر کمزور بہت ہیں
اس جنگل میں مور بہت ہیں
نیلے پیلے چور بہت ہیں

www.taemeernews.com

ظفر گورکھپوری

کہانی ایک بچے کی

باپ اک کمپنی میں افسر ہے
ماں ملازم ہے ایک دفتر میں
گھر، میرے جاگنے سے پہلے ہی
چھوڑ دیتا ہے باپ روزانہ
ماں کا معمول بھی کچھ ایسا ہے
صبح کا جانا رات کو آنا

سورج آتا ہے جب دریچے میں
نوکرانی مجھے جگاتی ہے
ناشتہ دے کے دودھ اور پھل کا
مجھ کو اسکول چھوڑ آتی ہے
کھٹی میٹھی کہانیاں ہر رات
وہ سنائے مجھے سلانے تک
لگ چکی ہوتی ہیں مری آنکھیں
باپ اور ماں کے گھر میں آنے تک

www.taemeernews.com

کیسی ہوتی ہیں ماں کی چمکاریں؟
کیسی ہوتی ہے باپ کی شفقت؟
کون مجھ کو لگائے سینے سے
ماں کو فرصت نہ باپ کو مہلت

رات آتی ہے، رات جاتی ہے
دن نکلتا ہے اور ڈھلتا ہے
نہ مٹھائی میں ذائقہ کوئی
نہ کھلونوں سے جی بہلتا ہے

باپ اک کمپنی میں افسر ہے
ماں ملازم ہے ایک دفتر میں

www.taemeernews.com

عصمت جاوید

اکیسویں صدی

کل رات وقت کی ہم بہتی ہوئی ندی میں
ڈبکی لگا کے ابھرے اکیسویں صدی میں
ہم تھے کسی کے نانا اور تھے کسی کے دادا
تھی عمر اب ہماری اس سے بھی زیادہ
پوتی کے ہاتھ میں تھا چھوٹا سا کیل کیولیٹر
پوتا سنا رہا تھا اک دھن گٹار لے کر
کہنے لگا نواسہ کچھ تو سنایئے گا
پچھلی صدی میں اپنے بھارت کا حال کیا تھا
جو کچھ تھا یاد ہم کو، ہم نے بھی کہہ سنایا
پچھلی صدی کا بھارت ہم نے انھیں دکھایا
بچے یہ سن کے باتیں یوں ہم کو تک رہے تھے
جیسے ہم ان کے آگے پینک میں بک رہے تھے
پگڈنڈیوں کا مطلب بچے نہ جانتے تھے
ہوتے ہیں یوں بھی رستے، بالکل نہ مانتے تھے
وہ جانتے نہیں تھے کہتے ہیں کس کو گھوڑا

www.taemeernews.net

کیا شے ہے بیل گاڑی کیا چیز ہے ہتھوڑا
لوگوں کے گھر تھے کیسے، یہ بات جس گھڑی کی
دکھلانی پڑ گئی تھی تصویر جھونپڑی کی!
کہنے لگا نواسا کیا چیز ہے غریبی
کیوں لوگ کاہلی کو کہتے تھے بدنصیبی
مذہب کے نام پر کیوں لڑتے تھے باپ دادے
کیا عقل کم تھی ان کی؟ یا تھے ہی سیدھے سادے
جب آدمی ہیں ہم سب یہ چھوت چھات کیوں تھی؟
محدود عورتوں کی، گھر تک بساط کیوں تھی؟
کیوں گھر میں عورتیں ہی کرتی تھیں کام سارا
مردوں پہ، عورتوں کا ہوتا تھا کیوں گزارا؟
"ہندے" کے نام پر وہ کرتی تھیں خودکشی کیوں؟
ہوتی تھیں وہ بھی انساں، پھر اتنی بے بسی کیوں؟
کیوں لوگ شادیوں پر کرتے تھے خرچ اتنا؟
کیا چیز ہے یہ منگنی؟ کیا چیز ہے "ابٹنا"
جو لوگ کچھ بھی لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے
پھر آپ لوگ انھیں کیوں انسان مانتے تھے؟
ہم کیا جواب دیتے؟ سنتے ہی ان کی باتیں
گھبرا کے جاگ اٹھے، ہم بیسویں صدی میں

www.taemeernews.com

علی سردار جعفری

نوالہ

ماں ہے ریشم کے کارخانے میں
باپ مصروف سوتی مل میں ہے
کوکھ سے ماں کی جب سے نکلا ہے
بچہ کھولی کے کالے دل میں ہے
جب یہاں سے نکل کے جائے گا
کارخانوں کے کام آئے گا
اپنے مجبور پیٹ کی خاطر
بھوک سرمائے کی بڑھائے گا
ہاتھ سونے کے پھول اگلیں گے
جسم چاندی کا دھن لٹائے گا
کھڑکیاں ہوں گی بینک کی روشن
خون اس کا دیے جلائے گا
یہ جو ننھا ہے بھولا بھالا ہے
خونیں سرمائے کا نوالہ ہے
پوچھتی ہے یہ اس کی خاموشی
کوئی مجھ کو بچانے والا ہے

www.taemeernews.com

موڈرن کھلونا

کھیل کھلونے پہلے کیا تھے   نام سنو تم بچو! کچھ کے
چھلم چھپو، اور آنکھ مچولی   گلی ڈنڈا کنچا گولی!
اندھا بھینسا چڑیا کانٹا
پیچھے دیکھو کوڑا کھایا
لٹو چکری اور تار پہیا   گیڑی، کوڑی، ڈھول دھماکا
کشتی کبڈی، گیند اور بلا   چار طرف تھا یہ ہو ہلا!
گڑیا ربڑ کی پہنے ساڑی
چابی سے وہ چلتی گاڑی
ناچتا بھالو، کودتا بندر   بین کی لے پر جھومتا اجگر
کھیل کھلونے یہ تھے پرانے   کوئی بچہ ان کو نہ جانے
سب آؤٹ آف ڈیٹ ہوئے ہیں
ان کے بہت کم ریٹ ہوئے ہیں
ان کا زمانہ ختم ہوا اب   دور پرانا ختم ہوا اب
"ویڈیو گیم" اب چھایا گھر گھر   کھیل یہی ہے اک تازہ تر
اس پہ فدا ہیں بچے سارے
لگ گئے کھیل اب سارے کنارے

www.taemeernews.com

محمد اقبال

ترانہ

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا
غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں
سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا
پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا
گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں
گلشن ہے جن کے دم سے رشکِ جناں ہمارا
اے آبِ رودِ گنگا! وہ دن ہے یاد تجھ کو
اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا
مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا
یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا
کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا
اقبالؔ کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

www.taemeernews.com

مظہر امام

ہم ایک ہیں

ہم ایک ہیں! ہم ایک ہیں!!
رشکِ جناں ہندوستاں
ہندو ہیں اس کے باغباں
مسلم بہارِ گل فشاں
مہمل ہے فرقِ این و آں
ہم ایک ہیں! ہم ایک ہیں!!
اک مرغ کے دو بال و پر
نخلِ وطن کے دو ثمر
اک آسماں کے دو قمر
اک راہ کے دو ہم سفر
ہم ایک ہیں! ہم ایک ہیں!!
دو ہیں رگیں اور اک لہو
دو پھول ہیں اور ایک بو
پیالے دو اور اک سبو
پیکر ہیں دو اور ایک خو
ہم ایک ہیں! ہم ایک ہیں!!

www.taemeernews.com

ہم ہیں غزالانِ وطن
روحِ گلستانِ وطن
رقصِ بہارانِ وطن
شانِ وطن، جانِ وطن
ہم ایک، ہیں! ہم ایک ہیں!!

www.taemeernews.com

نظیر اکبر آبادی

آدمی نامہ

دنیا میں بادشاہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ابدال و قطب و غوث و ولی آدمی ہوئے
منکر بھی آدمی ہوئے اور کفر کے بھرے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے کیے
حتیٰ کہ اپنے زہد و ریاضت کے زور سے
خالق سے جا ملا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

فرعون نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا
شداد بھی بہشت بنا کر ہوا خدا
نمرود بھی خدا ہی کہاتا تھا برملا
یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا
یاں تک جو ہو چکا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

www.taemeernews.com

یاں آدمی ہی نار ہے اور آدمی ہی نور
یاں آدمی ہی پاس ہے اور آدمی ہی دور
کل آدمی کا حسن و قبح میں ہے یاں ظہور
شیطاں بھی آدمی ہے جو کرتا ہے مکر و زور
ہادی و رہنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں
بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآں اور نماز یاں
اور آدمی ہی ان کی چراتے ہیں جوتیاں
جو ان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی
اور آدمی ہی تیغ سے مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اتارے ہے آدمی
چلا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

چلتا ہے آدمی ہی مسافر ہو، لے کے مال
اور آدمی ہی مارے ہے پھانسی گلے میں ڈال
یاں آدمی ہی صید ہے اور آدمی ہی جال
سچا بھی آدمی ہی نکلتا ہے میرے لال
اور جھوٹ کا بھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی نقیب ہو بولے ہے بار بار
اور آدمی ہی پیادے ہیں اور آدمی سوار
حقہ، صراحی، جوتیاں دوڑیں بغل میں مار
کاندھے پہ رکھ کے پالکی، ہیں آدمی کہار
اور اس پر جو چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

www.taemeernews.com

بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں لگا لگا
کہتا ہے کوئی لو، کوئی کہتا ہے لا رے، لا
اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خوانچا
کس کس طرح سے بیچے ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی لعل و جواہر ہے بے بہا
اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہے ہو گیا
کالا بھی آدمی ہے کہ الٹا ہے جوں توا
گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا سا چاند کا
بد شکل و بد نما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک آدمی ہیں جن کے یہ کچھ زرق برق ہیں
روپے ان کے پاؤں ہیں سونے کے فرق ہیں
جھمکے تمام غرب سے لے تا بہ شرق ہیں
کمخواب، تاش، شال دوشالوں میں غرق ہیں
اور چیتھڑوں لگا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مرنے میں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار
نہلا دھلا اٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زار زار
سب آدمی ہی کرتے ہیں مُردے کا کاروبار
اور وہ جو مر گیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر
ہیں آدمی ہی صاحب عزت بھی اور حقیر
یاں آدمی مرید ہیں اور آدمی ہی پیر
اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیر
اور سب میں جو برا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

www.taemeernews.com

خواجہ میر درد

غزل

تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے
جس لیے آئے تھے سو ہم کر چلے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

کیا ہمیں کام ان گلوں سے اے صبا
ایک دم آئے ادھر اودھر چلے

دوستو دیکھا تماشا یاں کا بس
تم رہو اب ہم تو اپنے گھر چلے

شمع کے مانند ہم اس بزم میں
چشم نم آئے تھے دامن تر چلے

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

درد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے کیدھر چلے

www.taemeernews.com

شاد عظیم آبادی

غزل

تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں
کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

دلِ مضطر سے پوچھ اے رونقِ بزم
میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں

ہوں اس کوچے کے ہر ذرے سے آگاہ
اُدھر سے مدتوں آیا گیا ہوں

نہ تھا میں معتقد اعجازِ مے کا
بڑی مشکل سے منوایا گیا ہوں

سویرا ہے ابھی اے شورِ محشر
ابھی بیکار اٹھوایا گیا ہوں

لحد میں کیوں نہ جاؤں منہ چھپائے
بھری محفل سے اٹھوایا گیا ہوں

کجا میں اور کجا اے شاد دنیا
کہاں سے کس جگہ لایا گیا ہوں

www.taemeernews.com

فانیؔ بدایونی

غزل

دنیا میری بلا جانے، مہنگی ہے یا سستی ہے
موت ملے تو مفت نہ لوں ہستی کی کیا ہستی ہے
آبادی بھی دیکھی ہے، ویرانے بھی دیکھے ہیں
جو اجڑے اور پھر نہ بسے دل وہ نرالی بستی ہے
جان سی شے بک جاتی ہے ایک نظر کے بدلے میں
آگے مرضی گاہک کی، ان داموں تو سستی ہے
جگ سونا ہے تیرے بغیر، آنکھوں کا کیا حال ہوا
جب بھی دنیا بستی تھی، اب بھی دنیا بستی ہے
آنسو تھے سو خشک ہوئے جی ہے کہ امڈا آتا ہے
دل پہ گھٹا سی چھائی ہے کھلتی ہے نہ برستی ہے
دل کا اجڑنا سہل سہی، بسنا سہل نہیں ظالم
بستی بسنا کھیل نہیں ہے، بستے بستے بستی ہے
فانیؔ جس میں آنسو کیا دل کے لہو کا کال نہ تھا
ہائے وہ آنکھ اب پانی کی دو بوندوں کو ترستی ہے

www.taemeernews.com

مومن خاں مومنؔ

غزل

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ جو لطف مجھ پہ تھے بیشتر وہ کرم کہ تھا مرے حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ نئے گلے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کبھی بیٹھے سب میں جو روبرو تو اشاروں ہی سے ہے گفتگو
وہ بیان شوق کا برملا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ہوئے اتفاق سے گو ہم تو وفا جتانے کو دم بدم
گلہ ملامتِ اقربا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کوئی بات ایسی اگر ہوئی کہ تمھارے جی کو بری لگی
تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

www.taemeernews.com

کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

سنو ذکر ہے کئی سال کا کہ کیا اک آپ نے وعدہ تھا
سو نباہنے کا تو ذکر کیا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ بگڑنا وصل کی رات کا وہ نہ ماننا کسی بات کا
وہ نہیں نہیں کی ہر آن ادا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا
میں وہی ہوں مومنِ مبتلا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

www.taemeernews.com

میر تقی میرؔ

غزل

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

بار بار اس کے در پہ جاتا ہوں
حالت اب اضطراب کی سی ہے

میں جو بولا کہا کہ یہ آواز
اسی خانہ خراب کی سی ہے

میرؔ ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

www.taemeernews.com

نذیر فتحپوری

غزل

محنت کو جہاں میں کبھی رسوا نہیں کرنا
ہاتھوں کی لکیروں پہ بھروسہ نہیں کرنا

ہر شے کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے تم
پرچھائیں کا بھولے سے بھی پیچھا نہیں کرنا

دل توڑنا ہرگز نہ کسی صاحبِ دل کا
ظالم کا مگر ظلم گوارا نہیں کرنا!

مالک کے بنائے ہوئے انسان ہیں سارے
نفرت سے کسی کو کبھی دیکھا نہیں کرنا

صرف اپنی ہی عزت کے تحفظ کی طلب میں
انسان کی توقیر کو رسوا نہیں کرنا

دولت کے ترازو میں نہ تلنا کبھی بچو!
ایمان کا تم بھول کے سودا نہیں کرنا

ہر شعر میں اخلاص و مروت کا سبق ہے
پڑھ کر جسے بچو! کبھی بھولا نہیں کرنا

www.faeemnews.com

الطاف حسین حالی

حمد

اے ساری دنیا کے مالک
راجا اور پرجا کے مالک

سب سے انوکھے، سب سے نرالے
آنکھ سے اوجھل، دل کے اجالے

ناؤ جگت کی کھینے والے
دکھ میں سہارا دینے والے

جوت ہے تیری جل اور تھل میں
باس ہے تیری پھول اور پھل میں

ہر دل میں ہے تیرا بسیرا
تو پاس اور گھر دور ہے تیرا

تو ہے اکیلوں کا رکھوالا
تو ہے اندھیرے گھر کا اجالا

www.taemeernews.com

بے آسوں کی آس تو ہی ہے
جاگتے سوتے پاس تو ہی ہے

سوچ میں دل بہلانے والے
چنتا میں کام آنے والے!

ہلتے ہیں پتّے تیرے ہلائے
کھلتی ہیں کلیاں تیرے کھلائے

تو ہی ڈبوئے تو ہی ترائے
تو ہی بیڑا پار لگائے

www.taemeernews.com

تلوک چند محروم

دعا

اے سنسار بنانے والے سورج کو چمکانے والے
خاک سے پھول اگانے والے دریاؤں کو بہانے والے
میرے خالق میرے آقا
ہنستا ہنستا چاند نکالا ٹھنڈی ٹھنڈی کرنوں والا
کرتا ہے راتوں کو اجالا تو نے بخش اس کو ہالا
میرے خالق میرے آقا
ماں کی محبت باپ کا سایہ میں نے تیرے کرم سے پایا
بھائی بہن کا پیار دکھایا کیسا اچھا رشتہ بنایا
میرے خالق میرے آقا
اچھا لڑکا مجھ کو بنانا سیدھے رستے مجھ کو چلانا
جس نے کہا ہے تیرا مانا سب نے اس کو اچھا جانا
میرے خالق میرے آقا
تجھ کو پوجوں تجھ کو جانوں حکم ترا خوش ہو کر مانوں
عقل وہ دے تجھ کو پہچانوں گم راہی کی خاک نہ چھانوں
میرے خالق میرے آقا

www.taemeernews.com

ببر علی انیس

مرثیہ

تھا یہ نعرہ کہ محمدؐ کا نواسا ہوں میں
مجھ کو پہچانو کہ خالق کا شناسا ہوں میں
زخمی ہونے سے نہ مرنے سے ہراسا ہوں میں
تیسرا دن ہے یہ گرمی میں کہ پیاسا ہوں میں
چین کیا چیز آرام کسے کہتے ہیں
اس پہ شکوہ نہیں کچھ صبر اسے کہتے ہیں

ابر ڈھالوں کا اٹھا تیغ دو پیکر چمکی
برق چھپتی ہے یہ چمکی تو برابر چمکی
سوئے پستی کبھی کوندی کبھی سر پر چمکی
کبھی انبوہ کے اندر کبھی باہر چمکی
جس طرف آئی وہ ناگن اسے ڈستے دیکھا
مینہ سروں کا صفِ دشمن میں برستا دیکھا

دھار ایسی کہ رواں ہوتا ہے دھارا جیسے
گھاٹ وہ گھاٹ کہ دریا کا کنارا جیسے
چمک ایسی کہ حسینوں کا اشارا جیسے

www.taemeernews.com

روشنی وہ کہ گرے ٹوٹ کے تارا جیسے

کوندنا برق کا شمشیر کی ضو میں دیکھا
کبھی ایسا تو نہ دم خم مہِ نو میں دیکھا

تنِ تنہا شہہ دیں لاکھ سواروں سے لڑے
بے سپر برچھیوں والوں کی قطاروں سے لڑے
صورتِ شیرِ خدا ظلم شعاروں سے لڑے
دو سے اک لڑ نہیں سکتا یہ ہزاروں سے لڑے

گر ہو غالب تو ہزاروں پہ وہی غالب ہو
جو دل و جانِ علیؑ ابنِ ابی طالب ہو

دشت سے آتی تھی زہرا کی صدا ہائے حسینؑ
میرے بیکس، مرے بے بس، مرے دکھ پائے حسینؑ
در سے چلاتی تھی زینبؑ میرے ماں جائے حسینؑ
کون تیغوں سے بچا کر تجھے لے آئے حسینؑ

فاطمہ رو رہی ہیں ہاتھوں سے پہلو تھامے
حکم گر ہو تو بہن دوڑ کے بازو تھامے

www.taemeernews.com

میر حسن

بے نظیر کے غائب ہونے پر ماتم

کوئی دیکھ یہ حال رونے لگی
کوئی غم سے جی اپنا کھونے لگی
کوئی بلبلاتی سی پھرنے لگی
کوئی ضعف ہو ہو کے گرنے لگی
کوئی سر پہ رکھ ہاتھ، دل گیر ہو
گئی بیٹھ، ماتم کی تصویر ہو
رہی کوئی انگلی کو دانتوں میں داب
کسی نے کہا: گھر ہوا یہ خراب
کسی نے دیئے کھول سنبل سے بال
تپانچوں سے جوں گل کیے سرخ گال
سنی شہ نے: القصہ جب یہ خبر
گرا خاک پہ کہہ کے: ہائے پسر!
کلیجا پکڑ ماں تو بس رہ گئی
کلی کی طرح سے بکس رہ گئی
کہا شہ نے: واں کا مجھے دو پتا
عزیزو! جہاں سے وہ یوسف گیا
گئے لے وہ شہ کو لب بام پر
دکھایا کہ سوتا تھا یاں سیم بر
یہی تھی جگہ وہ جہاں سے گیا
کہا: ہائے بیٹا! تو یاں سے گیا
مرے نوجواں! میں کدھر جاؤں پیر
نظر تو نے مجھ پر نہ کی بے نظیر!
عجب بحر غم میں ڈبویا ہمیں
غرض جان سے تو نے کھویا ہمیں

www.taemeernews.com

مہدی پرتاب گڑھی

دوہے

اک گلشن کے پھول ہیں ہم سب اک دھرتی کے باسی
پھر آپس میں بھید بھاؤ کی کیوں پھیلی بیماری

سب کی رگوں میں دوڑنے والے خون کا ایک ہی رنگ
پھر آپس میں کیسی نفرت، کیوں آپس میں جنگ

کسی پھول کا دشمن کیسے ہو گلشن کا مالی
ملک کی ذلت کا باعث ہے اک گھر کی بدحالی

کل مل جل کر ہم نے لڑی تھی آزادی کی جنگ
آج ہمارے دل میں لگا ہے کیوں نفرت کا زنگ

اک آہنگ پہ قدم اٹھیں تو منزل دور نہ ہوگی
رہیں گے دور دور تو بھارت ماں مسرور نہ ہوگی

بیٹھے ہوئے تھے جس پہ ہم نے خود کاٹی وہ ڈال
سچ مانو اگیان ہی، جی کا ہے جنجال

www.taemeernews.com

علقمہ شبلی

رباعیاں

ہر شاخ پہ چڑیوں کی طرح تم چہکو
ہر راہ میں پھولوں کی طرح تم مہکو
بچو، تمھیں دنیا کو بنانا ہے بہشت
ہر پگ پہ گلابوں کی طرح تم لہکو

ہو پھول تو رہ رہ کے نکھرنا سیکھو
سبزہ ہو تو دب دب کے ابھرنا سیکھو
آئینہ تمھارا ہے یہ دنیا، بچو!
آئینے میں تم اپنے سنورنا سیکھو

ہونٹوں پہ صدا پھول کھلائے رکھنا
بے گانوں کو بھی اپنا بنائے رکھنا
الفت ہے بڑی چیز، سمجھ لو بچو!
الفت کا دیا رہ میں جلائے رکھنا

www.taemeernews.com

کینہ سے بچو جھوٹ نہ ہرگز بولو
سچ ہی کے لیے اپنے دہن کو کھولو
جو بات بھی کہنا ہو، کہو تم بے شک
پہلے اسے سو بار مگر تم تولو

www.faceofnews.com

فراق گورکھپوری

رباعیاں

لہروں میں کھلا کنول نہائے جیسے
دوشیزۂ صبح گنگنائے جیسے
یہ روپ یہ رنگ یہ گھلاوٹ یہ نکھار
بچہ سوتے میں مسکرائے جیسے

کس پیار سے دے رہی ہے میٹھی لوری
ہلتی ہے سڈول بانہہ گوری گوری
ماتھے پہ سہاگ، آنکھوں میں رس ہاتھوں میں
بچے کے ہنڈولے کی چمکتی ڈوری

آنگن میں ٹھنک رہا ہے ضد پایا ہے
بالک تو ہئی چاند پہ للچایا ہے
درپن اسے دے کے کہہ رہی ہے یہ ماں
دیکھ آئینے میں چاند اتر آیا ہے

www.taemeernews.com

کس پیار سے ہوتی ہے خفا بچے سے
کچھ تیوری چڑھائے ہوئے منہ پھیرے ہوئے
اس روٹھنے پر پریم کا سنسار نثار
کہتی ہے کہ جا تجھ سے نہیں بولیں گے

رکشا بندھن کی صبح رس کی پتلی
چھائی ہے گھٹا گگن پہ ہلکی ہلکی
بجلی کی طرح لچک رہے ہیں لچھے
بھائی کے ہے باندھتی چمکتی راکھی

www.taemeernews.com

فضا ابنِ فیضی

رباعیاں

کچھ اور بھی قامت کو گھٹا دیتی ہے
قامت نہیں، قیمت کو گھٹا دیتی ہے
مت بھولو کہ جھوٹی برتری کی خواہش
انسان کی عظمت کو گھٹا دیتی ہے

اٹھتے ہیں تو آسماں بن جاتے ہیں
جھکتے ہیں اگر، کماں بن جاتے ہیں
رکھتے ہیں یوں اعتدال پہ موسم کو
ہم دھوپ میں سائباں بن جاتے ہیں

www.taemeernews.com

رباعیاں

چارہ نہیں کوئی جلتے رہنے کے سوا
سانچے میں فنا کے ڈھلتے رہنے کے سوا
اے شمع! تری حیاتِ فانی کیا ہے
جھونکا کھانے، سنبھلتے رہنے کے سوا

موجوں سے لپٹ کے پار اترنے والے
طوفانِ بلا سے نہیں ڈرنے والے
کچھ بس نہ چلا تو جان پر کھیل گئے
کیا چال چلے ہیں ڈوب مرنے والے

www.taemeernews.com

عبداللہ کمال

قوالی

آآآ .... آآآ ....
آآآ .... آآآ ....
روتوں کو ہنسایا کرتے ہیں
ہنستوں کو رلایا کرتے ہیں
ہم ایسے نٹ کھٹ بانک ہیں
آآآ
ہم ایسے نٹ کھٹ بانک ہیں
امی کو ستایا کرتے ہیں
روتوں کو ہنسایا کرتے ہیں
چپ رہنا اک بیماری ہے
آآآ
چپ رہنا اک بیماری ہے
ہم شور مچایا کرتے ہیں
ہم شور مچایا کرتے ہیں
آآآ .... آآآ ....
آآآ .... آآآ

www.funmazanews.net

قوالی

اسکول جو پڑھنے جاتے ہیں

ہاہا ....
اسکول جو پڑھنے جاتے ہیں
ٹیچر کو پڑھایا کرتے ہیں
ٹیچر کو پڑھایا کرتے ہیں

ہاہاہاآ ....
آآآ
ٹیچر کی آنکھ بچاکر ہم

ہو ہو
ٹیچر کی آنکھ بچاکر ہم
کچھ پھول چرایا کرتے ہیں
روتوں کو ہنسایا کرتے ہیں

www.taemeernews.com

فراغ روہوی

ماہیے

(۱)

لکھا ہے کتابوں میں
ظلم جو ڈھائے گا
ڈوبے گا عذابوں میں

(۲)

صابر جو بشر ہوگا
یاد رکھو اس کی
آہوں میں اثر ہوگا

(۳)

ابو کی نصیحت ہے
ذہن نشیں کرلو
یہ وقت غنیمت ہے

(۴)

امی نے کہا مجھ سے
جھوٹ نہیں کہنا
روٹھے گا خدا تجھ سے

www.taemeernews.com

ماہیے

(۵)

اکرام بھی دینا ہے
یاد سبق کر لو
انعام بھی لینا ہے

(۶)

چلتا ہوں تو لگتا ہے
ساتھ مرے ہر دم
یہ چاند بھی چلتا ہے

www.taemeernews.com

محمد شفیع الدین نیر

لوری

آ میرے چاند آجا، تیری بلائیں لوں میں
تیری بلائیں لوں میں تجھ کو دعائیں دوں میں
کیا بھولی بھالی صورت تجھ کو خدا نے دی ہے
کیا پیاری پیاری مورت پیارے تجھے ملی ہے
ماں باپ کا کھلونا گھر بھر کا کھیل ہے تو
اس گھر کے باغ میں اک نوخیز بیل ہے تو
ہو کیوں نہ تجھ سے ٹھنڈا ماں باپ کا کلیجا
کیا دلبری سکھاکر تجھ کو خدا نے بھیجا
آنکھوں کی روشنی ہے تو ہے چراغ سب کا
کلکاریوں سے تیری دل باغ باغ سب کا
یہ آرزو ہے میری پروان تو چڑھے اب
علم و ہنر کے درجے محنت سے طے کرے سب
دکھ بھی اگر اٹھائے ماتھے پہ بل نہ لائے
ہمت کبھی نہ ہارے کوشش کیے ہی جائے

www.taemeernews.com

لوری

سائنس میں اب میں پائے کمال پورا
جو کام بھی کرے تو چھوڑے نہ وہ ادھورا
تن ہو ترا توانا اور بازوؤں میں بل ہو
اخلاق اور ادب کے وصفوں میں بے بدل ہو
مقبول ہو خدایا! نیر کی ہے دعا یہ
پھولے پھلے یہ بچہ، حاصل ہے مدعا یہ

www.taemeernews.com

امیر خسرو

دو سخنے

سموسہ کیوں نہ کھایا	جوتا کیوں نہ پہنا	(تلا نہ تھا)
ستار کیوں نہ بجا	عورت کیوں نہ نہائی	(پردہ نہ تھا)
گدھا اداسا کیوں	برہمن پیاسا کیوں	(لوٹا نہ تھا)
انار کیوں نہ چکھا	وزیر کیوں نہ رکھا	(دانا نہ تھا)
دیوار کیوں ٹوٹی	راہ کیوں لوٹی	(راج نہ تھا)

پہیلیاں

آگے آگے بہنا آئی پیچھے پیچھے بھیا
دانت نکالے باوا آئے برقع اوڑھے میا

(بھٹا)

ایک کہانی میں کہوں سن لے میرے پوت
بن پنکھوں وہ گیا باندھ گلے میں سوت

(پتنگ)

www.taemeernews.com

جا گھر لال بلیا جائے
تا کے گھر میں ڈنڈ مچائے
لاکھوں من پانی پی جائے
دھرا ڈھکا سب گھر کا کھائے

(آگ)

ایک تھال موتی سے بھرا
سب کے سر پر اوندھا دھرا
چاروں اور وہ تھال پھرے
ایک نہ موتی اس کے گرے

(آسمان)

www.taemeernews.com

شارق جمال

کہہ مکرنیاں

ہریالی کا گیت اس سے ہے
جھرنوں کا سنگیت اس سے ہے
وہ جو نہ روٹھا آج تلک
کا سکھی، ساجن؟
نانا، بالک!

انگ لگے، گالوں کو چومے
میرے آگے پیچھے جھومے
اس کا پیار انوکھا، سچا
کا سکھی، ساجن؟
نانا، بچہ!

اس کی بانہہ میں سکھ سنساری
اس کی باتیں پیاری پیاری
اس کے جیسا جگ میں کہاں؟
کا سکھی، ساجن؟
نانا، ماں!

www.fikrofunnews.com

جب بھی میرے آنگن میں آئے
یکسوئی کے پیچھے ہٹائے
توڑ دے میرے دھیان کا تاگا
کا سکھی، ساجن؟

ناناں، کاگا!

www.taemeernews.com

خضر برنی

گیت

من مندر میں بھارت ماں کے سپنوں کا سسار
اس کے سپنے رنگ رنگیلے گنگا جمنا دھار
ان دھاراؤں سے بہہ نکلی آشاؤں کی ادار
آشاؤں کے دیپ جلائیں جاگ اٹھے سنگیت
آؤ بچو مل کر گائیں پیار بھرا اک گیت
گیت ہو ایسا نرمل کومل سب کے من کو بھائے
سن پائے جو چمن کا پنچھی اس کا من للچائے
جھوم کے وہ بھی ڈاری ڈاری بیٹھے بول سنائے
آشاؤں کے دیپ جلائیں جاگ اٹھے سنگیت
آؤ بچو مل کر گائیں پیار بھرا اک گیت
ایسا چھیڑیں راگ انوکھا، کلی کلی کھل جائے
جاگ اٹھیں کھیتوں میں بالیں سارا چمن لہرائے
ناچیں مور، پپیہے چہکیں، نیل گگن مسکائے
آشاؤں کے دیپ جلائیں جاگ اٹھے سنگیت
آؤ بچو مل کر گائیں پیار بھرا اک گیت

www.taemeernews.com

ترجمے

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

رابندرناتھ ٹیگور   ترجمہ: شہناز نبی

(بنگلہ)

خواہش

بہت دنوں سے پھول کی یہ خواہش تھی کہ اڑ پائے
لطف رہے گا جب وہ اپنی خوشی سے آئے جائے
اسی پھول نے آخر اک دن دیا شاخ کو دھوکا
تیلی بن ہی گیا وہ جب پھر اس کو کس نے روکا

ہر دن بیٹھ کے سوچا کرتا دیپک کا اجیالا
میں پرواز جو کرتا تو خوشیاں ہوجاتیں دوبالا
اسی سوچ میں آخر اک دن پنکھ اس نے بھی پائے
جگنو بن کر اندھیاروں میں اپنی چھب دکھلائے

تالابوں کا پانی سوچے گم صم دن کٹتے ہیں
بہت مزے میں لیکن پنچھی گگن گگن اڑتے ہیں
پھر اس پانی نے بھی اک دن بھاپ کے پنکھ پسارے
لیکن گہرے بادل کے مینے میں جاکر ہارے

میں یہ سوچوں گھوڑا بن کے میداں کرلوں پار
کبھی یہ سوچوں مچھلی بن کر کاٹوں جل کی دھار
کبھی یہ سوچوں پنچھی بن کر چھولوں نیل گگن
کیا وہ پورا ہوگا، سوچوں جو بھی من ہی من

www.taemeernews.com

سداشیو ڈیکشت   مترجم: خلیق انجم اشرفی
(مراٹھی)

چوروں کے پیر کالے

میرے والد ملہیر کے پٹواری تھے۔ وہ اکثر سرکاری کام سے سینا جایا کرتے تھے۔ اٹھارہ میل کی دوری طے کرنے میں بیل گاڑی کو پانچ گھنٹے لگ جاتے تھے کیونکہ وہاں سڑک نام کی کوئی چیز تھی ہی نہیں۔ گاڑی کو جنگل ہی سے گزرنا پڑتا تھا۔

ایک شام والد صاحب گھر لوٹے تو معلوم ہوا کہ رات کو سینا جارہے ہیں۔ میں کبھی سینا نہیں گیا تھا۔ والد صاحب کے ساتھ چلنے کی میں ضد کرنے لگا۔ شروع شروع میں تو انھوں نے مجھے سمجھا بجھا کر اس ضد سے باز رکھنا چاہا لیکن جب میں نہ مانا تو آخر وہ مجھے ساتھ لے چلنے پر راضی ہو گئے۔ انھیں وہاں مال گزاری کا روپیہ جمع کرانے جانا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد ہم بیل گاڑی میں سوار ہو کر چل دیے۔ ہمارے ساتھ گاؤں کا حلوائی اور ایک بھیل بھی تھا۔ وہ بھیل گاؤں کا مانا ہوا لٹھ باز تھا۔ حلوائی کو ہم چھگن چاچا کہا کرتے تھے۔

چاروں طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا جسے بیل گاڑی کے آگے بندھی لالٹین دور کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ یوں بھی لالٹین روشنی سے زیادہ دھواں دے رہی تھی۔ عجیب سا ماحول تھا۔ والد صاحب اور چھگن چاچا آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ میں چپ چاپ لیٹا ان کی باتیں سن رہا تھا۔

اچانک پاس ہی بندوق کے فائر کی آواز گونج اٹھی۔ میں چیخ کر والد صاحب سے چمٹ گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سات آٹھ آدمیوں نے جنگل سے نکل کر ہماری گاڑی گھیر لی۔ وہ

www.taemeernews.com

سبھی خوب لمبے تڑنگے تھے۔ آتے ہی انھوں نے گاڑی بان اور بھیل کو پکڑ کر مارنا شروع کردیا۔ان دونوں کی اچھی طرح پٹائی کرنے کے بعد وہ پیچھے کی طرف آئے۔

اب میں اور بھی گھبرا گیا۔والد صاحب اور چھگن چاچا بالکل خاموش تھے۔ڈاکوؤں نے ان دونوں کو گاڑی سے نیچے کھینچ لیا۔ایک ڈاکو آنکھیں نکال کر مجھ سے بولا"خبردار!اگر شور مچایا تو۔۔۔۔"

ڈاکوؤں نے گاڑی بان اور بھیل کو پیڑوں سے باندھ دیا اور پھر والد صاحب سے مال گزاری کا روپیہ مانگنے لگے۔اب میں سمجھا کہ ڈاکوؤں نے ہمیں کیوں گھیرا تھا۔انھیں پتہ چل گیا تھا کہ والد صاحب سرکاری خزانے میں روپیہ جمع کرانے جا رہے ہیں۔والد صاحب نے فوراً روپے کی صندوق کی طرف اشارہ کردیا۔ڈاکوؤں کے تیور دیکھ کر وہ سمجھ چکے تھے کہ اگر دینے میں ذرا بھی حیل حجت کی تو ڈاکو سب کو مار ڈالیں گے۔ڈاکوؤں نے والد صاحب کو حکم دیا"صندوق کے تالے کھولو۔"اور صندوق کو گھیر کر کھڑے ہوگئے۔

والد صاحب صندوق کھول رہے تھے اسی وقت بجلی کی طرح ایک خیال آیا۔اس وقت ڈاکوؤں کی پوری توجہ صندوق کی طرف تھی۔میں پیچھے سے بیل گاڑی سے اترا اور پہیے کے پاس بیٹھ کر جلدی جلدی اپنے ہاتھوں کو پہیے کے بیچ میں لگا،کالا کالا تیل اور چکنٹ پوتنے لگا۔مجھے اطمینان تھا کہ گھپ اندھیرے کی وجہ سے کوئی میرے کالے ہاتھوں کو دیکھ نہیں سکتا۔

اس بیچ میں والد صاحب نے سب روپے ڈاکوؤں کے حوالے کردیے تھے پھر بھی وہ انھیں اور چھگن چاچا کو پیٹنے لگے۔وہ بار بار انھیں دھمکا بھی رہے تھے"اگر تم نے ہمارے بارے میں کسی کو کچھ بتایا تو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"تبھی موقع غنیمت جان کر میں آگے بڑھا اور ایک ڈاکو کے پیر پڑتے ہوئے بولا"ہمیں چھوڑ دو۔ہم کسی سے کچھ نہیں کہیں گے۔"اس طرح میں نے تین چار ڈاکوؤں کے پیروں پر کالا تیل لگا دیا۔

ڈاکوؤں کو شاید مجھ پر ترس آگیا۔وہ روپے لے کر چلے گئے۔ہم نے گاڑی بان اور بھیل کو کھولا اور سب بیل گاڑی میں بیٹھ کر تحصیل کی طرف چل پڑے۔میرے علاوہ سبھی کو ڈاکوؤں نے بری طرح مارا تھا اور سب کراہ رہے تھے۔

پو پھٹتے پھٹتے ہم سیتا جا پہنچے۔میں نے ڈرتے ڈرتے والد صاحب کو اپنی رات کی

www.taemeernews.com

حرکت کہہ سنائی۔ وہ بہت خوش ہوئے اور انھوں نے مجھے سینے سے لگالیا۔

تحصیل میں پہنچتے ہی والد صاحب نے داروغہ کو ڈاکے کی اطلاع دے دی اور میری عقلمندی کی بات بھی کہہ دی۔ داروغہ جی کئی سپاہیوں کو ساتھ لے کر بیل گاڑی میں ہمارے ساتھ اس جگہ کی طرف چل پڑے جہاں ڈاکوؤں نے گھیرا تھا۔ قریب ہی ایک گاؤں تھا۔ اس جگہ کا معائنہ کرنے کے بعد داروغہ جی ہمیں ساتھ لیے لیے اس گاؤں میں پہنچے اور مکھیا سے ملے۔ ان کے حکم پر مکھیا نے ڈگی پٹوادی کہ سب گاؤں والے بڑے میدان میں جمع ہو جائیں۔ تھوڑی ہی دیر میں پورا گاؤں چوپال کے سامنے والے بڑے میدان میں اکٹھا ہو گیا اور سپاہیوں نے ایک ایک آدمی کے پیر دیکھنے شروع کر دیے۔ آخر کئی آدمیوں کے پیروں پر وہ نشان مل گئے۔ سپاہیوں نے فوراً انھیں پکڑلیا۔ پٹائی ہوئی تو انھوں نے ڈاکے کی بات قبول کرلی۔ ان کے باقی ساتھی بھی پکڑ لیے گئے اور لوٹا ہوا روپیہ بھی برآمد ہو گیا۔

چاروں طرف یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی کہ ایک چھوٹے سے لڑکے کی عقلمندی سے سات آٹھ ڈاکو پکڑے گئے۔ مجھے ناسک بلایا گیا۔ خوب تعریفیں ہوئیں اور پانچ سو روپیہ کا انعام دیا گیا۔ میری اتنی تعریفیں سن کر والد صاحب کا سینہ فخر سے پھول گیا، اور میری خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔ علاقے میں برسوں اس واقعے کا چرچا رہا اور میں جدھر سے نکل جاتا لوگ اشارہ کر کے ایک دوسرے کو بتاتے ”دیکھو یہی ہے وہ لڑکا جس نے ڈاکوؤں کو پکڑوایا تھا۔“

●●

اردو میں بچوں کے ادب کی اینتھولوجی